کنز الطالبین

حضرت امیر محمد اکرم اعوان دامت فیوضہم

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ناشر: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ

ضلع چکوال ○ پاکستان

کنز الطالبین

حضرت امیر محمد اکرم اعوان دامت فیوضہم

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اِنتساب

میرے شیخ، میرے مُرشد، میرے مُربّی
مُجتہد فی التصوّف حضرت العلام
مولٰنا اللہ یار خان نوّر اللہ مرقدہٗ

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

پیش لفظ

جب کبھی انسان نبوت کے سورج کی اوٹ میں کھڑا ہوا' اپنے مقصد تخلیق کو بھول گیا۔ حیات قلبی کھو بیٹھا اور روح کو اس کی خوراک ملنا بند ہو گئی نتیجتاً" روحانی زندگی تباہ ہوئی اور انسان ناکامی اور نامرادی کی منزل پر رواں ہو گیا۔

دریں اثنا اگر اس سے کوئی نیکی سرزد ہوئی یا کسی کی دعا اس کے حق میں قبول ہو گئی اور اللہ کریم کا فضل شامل حال ہو کر اسے کسی صاحب دل کے دروازے پر لے گیا تو پھر اسے سمجھ آنے لگی کہ انسان کا مقصد تخلیق کیا ہے' خالق سے تعلق کا جوڑنا کس اہمیت کا حامل ہے' موت کیا ہے' برزخ و قیامت کیا ہے' ابدی سعادت و شقاوت کیا ہے۔

اس ناچیز پر بھی رب کریم کی نظر کرم ہوئی اور اسے ہانک کر ایک ایسی ہستی کی خدمت میں پہنچا دیا جو صدیق دوراں ہیں۔ جن کی روحانی قوت سے عرب و عجم میں' مشارق و مغارب میں' ایک جہاں فیض یاب ہے۔ میں کس منہ سے ان رب جلیل کے ایلچیوں کا شکر ادا کروں جو مجھ جیسے ایک متکبر' بزعم خود عقل کل اور نفس کے اسیر کو اس ہستی کے در پر پہنچانے کا سبب بن گئے۔ میرے پاس الفاظ نہیں سوائے اس کے کہ نہ میری خطا کا شمار ہے نہ تیری عطا کا شمار ہے۔

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین' منارہ ضلع چکوال کے باسی مرد کوہستانی ایک بلندوبالا شخصیت فی العلم و الجسم' حضرت مولانا محمد اکرم اعوان سے میری پہلی ملاقات ان کے روحانی مرکز دارالعرفان منارہ میں ہوئی۔ اس ملاقات میں میری مدتوں سے پٹڑی سے اتری گاڑی بحال ہو کر اپنی منزل کی سمت سے آشنا ہوئی۔ ظاہری بیعت سے مشرف ہوا۔ سلسلہ عالیہ سے متعارف ہوا' طریقہ ذکر سیکھا۔ شیخ کی شخصیت کے اوراق الٹنے شروع ہوئے تو مسٹر ابلیس

آ دھمکے۔ چونکہ ان سے اپنی پرانی شناسائی تھی اس لئے مذاکرات کا میز سجا اور ہم نے دو ٹوک ان سے سمجھوتہ کر لیا کہ دیکھو مسٹر! تین چیزیں (Not Negotiable) یعنی قابل بحث و تمحیص نہیں ہیں ان کے علاوہ ہر معاملہ پر جب چاہو بات ہو سکتی ہے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ سلسلہ عالیہ ۲۔ شیخ سلسلہ ۳۔ طریقہ ذکر

اس معاہدے کے بعد جو یکسوئی حاصل ہوئی اس سے پورا استفادہ کرتے ہوئے بندہ نے اپنا نام شیخ کے کاروان عمرہ میں درج کرا دیا جس سفر کی فیوض و برکات نے زندگی کو تلاطم خیز بنا دیا اور قدیم شوق مطالعہ نے سلسلہ عالیہ کی جملہ کتب اور ماہانہ المرشد کو اپنی لائبریری کی زینت بنانے کا شرف عطا کیا۔

مطالعہ المرشد نے تشنگی میں یوں اضافہ کیا کہ میں نے لاہور بندہ روانہ کر کے ۱۹۸۱ء سے لے کر اب تک شائع کردہ تمام مجلّے حاصل کر لئے اور دیکھا کہ حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کے ارشادات سوال و جواب کی صورت میں اپنے اندر علم کا ایک بحر بیکراں لئے ہوئے ہیں لیکن علم و آگہی کے یہ موتی المرشد ۱۹۸۱ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک بکھرے پڑے ہیں جنہیں اللہ کی توفیق سے بندہ نے حسب حال و حسب ضرورت مختلف عنوانوں کے تحت جمع کیا تاکہ دوسرے احباب بھی اس سے مستفید ہو سکیں اگر اس سعیٔ جمیلہ میں کوئی غلطی باقی رہ گئی تو وہ میری بے مائیگی تصور کی جائے اور اغلاط کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ ان کی تصحیح کر کے آئندہ طباعت میں بندہ سرخرو ہو سکے۔

اور آخر میں کرنل مطلوب حسین (ریٹائرڈ) ناظم اعلیٰ کا نہایت ہی ممنون ہوں۔ جن کی ہر وقت کی رہنمائی اور دیکھ بھال کے بغیر اس کام کا انجام دینا ممکن نہ تھا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازیں۔ و ما علینا الا البلاغ

عبدالودود شاہ

۲۳ ۔ ۸ ۔ ۱۹۹۸

باب اول

سلسلہ کی عظمت

تعارف سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فرمایا :- پوری تاریخ انسانیت میں آقائے نامدار ﷺ کی حیثیت لامحدود ہے۔ انسانیت کا ہر فرد جو بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ ﷺ سے تعلق قائم کرے۔ آپ ﷺ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ واحد رسالت ہے جس میں یہ بات نہیں ہے کہ فلاں کا حصہ ہے اور فلاں کا نہیں ہے۔ ساری انسانیت کا حصہ بیک وقت یہاں موجود ہے۔ اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ نہ پانے والے کی اپنی نالائقی' اس کی اپنی کمزوری' اس کی اپنی بد نصیبی ہے۔ اگر وہ وہاں تک پہنچتا ہے تو اسے حصہ پانے میں کوئی دشواری نہیں۔ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ تمہارا حصہ یہاں نہیں ہے۔

اسی طرح سے تمام سلاسل تصوف اور تمام نسبتوں میں نسبت اویسیہ ہے جو براہ راست نبی کریم ﷺ سے' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان مشائخ کو نصیب ہوتی ہے جو نسبت اویسیہ سے متعلق ہیں اور یہ واحد نسبت ہے جس میں یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں کا حصہ ہمارے پاس ہے اور فلاں کا نہیں ہے۔ جو آئے ہم دل کشادہ رکھتے ہیں۔ اس نسبت میں وہی محروم رہے گا جو ان تک پہنچے گا نہیں۔ وہ اس کی اپنی قسمت لیکن جو فرد بشر بھی پہنچے گا اسے یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں۔ جس طرح انبیاءؑ کی نبوت میں کوئی کمی نہیں۔ ان کی شان میں کوئی کمی نہیں' ان کی صداقت میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن ان کی برکات کو رب کریم نے افراد پر محدود کر دیا ہے۔ زمانوں پر محدود کر دیا ہے' قوموں پر محدود کر دیا ہے۔ اس سے ان پر کوئی طعن نہیں آتا۔ ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے کہ اس نے آدمؑ سے عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ کے زمانے مخصوص کر دیئے۔ افراد مخصوص کر دیئے۔ علاقے

مخصوص کر دیئے۔ لیکن جب آقائے نامدار ﷺ مبعوث ہوئے تو نہ کوئی علاقہ مخصوص رہا نہ کوئی زمانہ مخصوص رہا۔ بلکہ اذن عام دے دیا گیا پوری انسانیت کو' قیامت تک کے لئے جو بھی آئے وہ جتنا اٹھا سکتا ہے۔ اتنا سمیٹ کے یہاں سے لے جائے۔ اب یہ اس کی ہمت ہے۔ کہ وہ کتنا لیتا ہے۔ کس مقام تک پہنچتا ہے۔ کتنی محنت کرتا ہے۔ کتنی طلب ہے اس کے لئے' کتنا مجاہدہ کرتا ہے اور کیا کچھ لے جاتا ہے۔

فرمایا :۔ ہماری نسبت تو حضرت نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہو گئی اور یہ نسبتیں بھی ایسی ہیں کہ ان لوگوں سے یہ نعمت شروع نہیں ہوئی یہ جو چار کا ذکر ہے یہ صرف چار سلسلے نہیں ہیں۔ ہاں چار معروف ہیں ہمارے ملک میں کم از کم' ورنہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً" کوئی چودہ سلاسل کا تذکرہ کیا ہے' جو عالمی سطح پر معروف ہوئے لیکن یہ بھی کہنا صحیح نہیں ہو گا۔ کہ دنیا میں صرف چودہ سلاسل تصوف تھے۔

اس فن اور اس موضوع کے بہت بڑے بڑے لوگ گزرے اور جہاں کسی نے انقلابی تبدیلی پیدا کی اور جہاں کسی نے لوگوں کی اصلاح کا کام کیا اللہ نے کسی سے اتنا بڑا کام لیا کہ ایک معاشرہ میں' ایک ماحول میں تبدیلی محسوس ہوئی تو وہاں سے وہ سلسلہ اس ہستی کے نام سے موسوم کر دیا گیا ورنہ اس نے پہلوں سے حاصل کیا۔ ساری بھلائی کا مصدر تو نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ سلسلہ تو ہمارا بھی نقشبندیہ ہے۔ اویسیہ اس کے انداز سے کہا جاتا ہے۔ نسبت کا بھی اصطلاحی مفہوم ہے۔ نسبت کا لغوی مفہوم ہے کسی سے کوئی تعلق ہونا۔ اسے نسبت کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح تصوف میں نسبت کہتے ہیں کسی خاص ولی اللہ کا انداز اپنایا جانا تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے ایک نرالا رشتہ نصیب تھا کہ آپ کو زندگی بھر زیارت تو نصیب نہ ہو سکی۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ لیکن دور رہ کر بھی آپ کا روحانی تعلق اتنا مضبوط تھا کہ حضور ﷺ بھی انہیں یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور ہزاروں

میل دور رہ کر بھی فنا فی الرسول رہا کرتے تھے اور برکات نبوت ﷺ سے فیضیاب ہوتے تھے۔ تو سلاسل تصوف جتنے بھی ہیں ان میں ایک خاص حد سے آگے جو ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اس کا سبب روح کا حضور اکرم ﷺ سے براہ راست مستفید ہونا ہی بنتا ہے۔ خصوصاً عالم امر میں جب بھی کوئی قدم رکھتا ہے تو اس سے آگے وہ تب چل سکتا ہے کہ براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ سے اس کی روح کو فیوضات و برکات نصیب ہوں لیکن ہمارے اس سلسلہ عالیہ میں اس کے بھی دو شعبے ہیں ایک نقشبندیہ مجددیہ جو مجدد الف ثانیؒ سے منسوب ہے اور جو دوسرے سلاسل کی طرح ہی چلتا ہے۔ لیکن جو نقشبندیہ اویسیہ ہے اس میں عجیب بات یہ ہے کہ پہلے لطیفے سے ہی سالک کو بارگاہ نبوت ﷺ سے برکات نصیب ہونا شروع ہو جاتی ہیں تو اس سلسلہ کا حصول فیض کا جو طریقہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت اویس قرنی ؒ کا ہوتا تھا۔ اس کی جو نسبت یا انؒ کا جو حصول فیض کا ڈھنگ ہے جیسے اویس ؒ نے دور رہ کر اکتساب برکات کر لیا۔ اسی طرح یہ دنیا کے گوشے گوشے میں بیٹھے ہوئے براہ راست روح اقدس رسول اکرم ﷺ سے سیراب ہوتے ہیں تو اس طریقے کی نسبت کو اویسیہ کہہ دیا گیا اور ہمارے سلسلے کو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کہا گیا۔

فرمایا :۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارا یہ سلسلہ اور سارا نظام محض اس غرض سے ہے کہ جسے بھی طلب ہو۔ وہ یہاں آئے اور ان کیفیات کا کوئی عشر عشیر' کوئی ذرہ جو ہمیں نصیب ہوا ہے۔ وہ کیفیات جو نبی اکرم ﷺ کے سینہ اطہر سے تقسیم ہوئیں' وہ کیفیات جن کا نتیجہ تزکیہ قلب ہے' وہ کیفیات جنہوں نے ایمان لانے والے کو صحابی ؓ بنا دیا۔ وہ کیفیات جو صحابہؓ کے سینے سے حاصل کرنے والے تابعیؒ کہلائے۔ وہ کیفیات جن کے امین اہل اللہ کے قلوب اور سینے ہوا کرتے ہیں ان کا کوئی ذرہ اگر ہمیں پہنچا ہے۔ تو ہر وہ شخص جو اس کا طالب ہو وہ یہاں تشریف لائے ہم بھی محنت کریں۔ وہ بھی مجاہدہ کرے اور ان کو منتقل کرنا یا ان کو اس تک پہنچانا یہ اللہ کریم کا اپنا کام ہے اور جو جس کا نصیب ہو وہ

نصیب ہو وہ لے جائے۔ ان لوگوں کو جو اس وقت تھے یہ بھی یاد ہو گا کہ بعض لوگ ایک ہفتہ رہتے تھے۔ یہاں آکر لطائف شروع کرتے اور جب وہ جا رہے ہوتے تو فنافی الرسول یا فنا بقا تک مراقبات کر چکے ہوتے۔

یہ محض ایک رواجی سلسلہ نہیں ہے۔ یہ محض پیری مریدی، محض ایک حکایاتی تعلق نہیں۔ بلکہ بحمداللہ اس وقت روئے زمین پر من حیث الجماعت اگر ضیا پاشی کر رہا ہے۔ تو وہ یہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ کوئی اور سلسلہ نہیں ہے اور بھی ہیں لیکن اس قوت کے ساتھ اور اس واقعی حیثیت کے ساتھ مصروف عمل کوئی بھی نہیں۔ فرداً" فرداً" لوگ طالب ہیں لیکن بیک وقت اس قدر کاملین ایک مرکز پر جمع نظر نہیں آتے۔ اور کتنا سعید ہے وہ شخص جسے یہ چشمہ حیات ملے، جسے یہ منبع برکات ملے، اور پھر وہ روٹی کے چند ٹکڑوں کے عوض، چند دنیاوی ٹکوں کے عوض، جھوٹی انا کی تسکین کے لئے، وقتی اور لمحاتی اقتدار و وقار کے لئے اسے کھو دے یا اس سے محروم رہ جائے تو میری ناقص رائے میں اس سے بڑا محروم القسمت شخص کوئی بھی نہیں۔

فرمایا :۔ عجیب لوگ ہیں یہ۔ یہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ کس میں استعداد کتنی ہے۔ اس کو کیا دیا جائے۔ جو آ جائے اسے عطا کر دیتے ہیں۔ اور استعداد بھی ان کے دروازے سے مل جاتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر وسیع النظری یا سخاوت کا دنیا میں کوئی تصور نہیں ہے۔ کوئی دینے والا نہ صرف دولت دے بلکہ دامن بھی اپنے گھر سے دے دے کہ یہ دامن بھی مجھ سے لے جاؤ اگر تمہارے پاس بھی نہیں ہے، دامن میں دولت کا ہونا تو الگ بات ہے۔ دامن بھی نہیں ہے تو یہ بھی مجھ سے لے جاؤ۔ اس میں دولت سمیٹ کر لے جاؤ یہ بڑے عجیب لوگ ہیں اور اسی لئے یہ بہت کم یاب ہوتے ہیں کہ پندرہ صدیوں میں ان کے گیارہ مشائخ ملتے ہیں۔ پندرہ سو سال میں کتنی مخلوق گزری، کتنے ولی اللہ گزرے، کتنے کامل گزرے، کتنے واصل باللہ گزرے۔

فرمایا :۔ اس افراتفری کے زمانے میں، اس طوفان بدتمیزی میں اس نے ہمیں نسبت اویسیہ سے وابستہ کر کے کتنا احسان فرمایا کتنا کرم ہے اس کا اور کتنی شفقتیں اور کتنی رحمتیں اور کتنی مہربانیاں ہیں اس کی کہ اس نے صدیوں کی وسعتوں کو سمیٹ دیا، اس نے زمانے کی بساط کو لپیٹ دیا اور اللہ ھو کی ایک ضرب سے ہم جیسے بدکاروں کی ارواح کو بھی یہ قوت بخشی کہ وہ بارگاہ نبوت کے جمال جہاں تاب سے سیراب ہوں۔ ان زمانوں کی وسعتوں کو، صدیوں کی وسعتوں کو طے کرتی ہوئی حضور مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچیں اور جمال مصطفوی سے سیراب ہوں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے ہمیں قوت بخشی ہے کہ یہ روزمرہ کا معمول بن جاتا ہے۔ یہاں یہ یوں بٹتی ہے جیسے کوئی عام سی چیز ہو۔ ہر آنے جانے والے کو دی جا رہی ہو۔ لیکن اس سے اس کی قیمت میں فرق نہیں آتا، اس کی قدر و منزلت نہیں گھٹتی۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے یہاں لوٹ مچا دی اور لوگ دامن بھر بھر کر سمیٹتے ہیں۔ خواتین ہوں۔ حضرات یا بچے ہوں، بوڑھے ہوں، لیکن یہ بہت بڑی نعمت ہے اس کی اور اسے یوں لٹانا یہ صرف نسبت اویسیہ کا کام ہے ورنہ عمریں صرف ہو جاتی ہیں۔

فرمایا :۔ منازل قرب کے حصول کے لئے سخت مجاہدے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک فرائض کا تعلق ہے تو اس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہر حال میں ادا کرنے ہیں۔ حصول قرب کے لئے تو ایسی محنت کی ضرورت ہے جو اس سے بہت زیادہ ہو۔

فرمایا :۔ لہٰذا کسی بھی ساتھی کو اس خطرے کو محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جو وہ حاصل کرتا ہے۔ دوسرے کسی سلسلے کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس میں سے ایک رتی بھی چھین سکے گا یا کسی برکت کو اس سے روک سکے گا۔ کوئی رکاوٹ ڈال سکے گا۔ یہ ممکن نہیں اصولاً" یہ ممکن ہی نہیں ہے اور جو فی اہل اللہ واقعی صاحب حال ہوتے ہیں وہ کسی کا حال سلب کرنے کے لئے

نہیں بلکہ دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو بہت زیادہ طاقتور ہو کمزور اس کے پاس بیٹھے تو ازخود اس کا رنگ دھل جاتا ہے۔ سلب ہو جاتا ہے۔ لیکن نسبت اویسیہ میں یہ ہوتا ہے کہ باقی سارے سلاسل کی نسبتیں نالے اور دریا ہیں وہ سمندر کو اپنے میں سمو نہیں سکتے۔

فرمایا :۔ لیکن یہ ایسا بحر بے کراں ہے کہ اس کا مرکز صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات ہے پھر کوئی دوسرا اس پائے کا اللہ کا بندہ اس وسعت کا امین یا ان منزلوں کا راہی دوسرا کوئی بھی نظر نہیں آتا جو اس کا مرکز ثانی بنے۔ یہ پھر ہمیشہ وہیں سے تقسیم ہوتی رہتی ہے اور اس طرح تقسیم ہونے والی نسبت کو نسبت اویسیہ کہتے ہیں اس لئے اسے تمام سلاسل پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی بھی سلسلے کا کوئی فرد جسے سالک المجذوبی سے آگے بڑھنا نصیب ہو جائے' عرش کے منازل میں قدم رکھے تو نسبت اویسیہ ہی اس کی دستگیری کرتی ہے' اس سے آگے اسے یہی نسبت نصیب ہو جاتی ہے تب ہی وہ آگے چل سکتا ہے۔ تمام سلاسل میں آگے بڑھنے والے حضرات اسی نسبت کو پا لیتے ہیں۔

جب اس نسبت کا ظہور ہوتا ہے تو پھر دنیائے تصوف میں یہی لوگ ہوتے ہیں جو تمام سلاسل کے لئے مرکز کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اور زمین پر جب اس کے حامل افراد اللہ کریم پیدا فرماتا ہے اور ان سے برکات تقسیم کرنا شروع کرتا ہے تو اصول یہ بن جاتا ہے کہ روئے زمین پر جتنے سلاسل تصوف چل رہے ہوں وہ پھر ان کے مشائخ سے وصول کرتے ہیں۔ اپنا حصہ براہ راست پانے کے لئے کسی کے پاس وہ قوت نہیں رہ جاتی اور یوں یہ تمام سلاسل تصوف کا مرکز بن جاتا ہے۔

فرمایا :۔ لیکن تبع تابعین سے لے کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تک یہ بزرگان دین کا تعامل کیوں نہیں رہا یہ ان کی مجبوری تھی اللہ کریم نے جتنا جتنا کام ان سے لینا تھا وہ لیا۔ اگر خدا نے کسی کو یہ توفیق اور یہ ہمت نہیں دی اور ان کا یہ احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے اس دولت کو ضائع تو نہیں ہونے دیا اور

وہ جو چند آدمیوں کو بھی یہ نعمت دیتے تھے جب باہر بات نکلتی تھی تو ان پر بے شمار فتوے لگتے تھے۔

فرمایا :۔ صحابہؓ جانتے تھے کہ جسمانی قرب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب تک قرب معنوی حاصل نہ ہو۔ قلبی اور روحانی' باطنی تعلق جب تک مضبوط نہ ہو محض وجود کو مکۃ المکرمہ رکھنے سے یا مدینۃ المنورہ میں رکھنے سے بات نہیں بنتی۔

اللہ جل شانہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ان برکات کو بہت تھوڑے وقت میں روئے زمین پر پھیلا دیا۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک دوست اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور ان برکات کو زیادہ سے زیادہ قلوب تک پہنچائے۔ یہ راستہ بظاہر بہت مشکل' بہت کٹھن' بہت دشوار ہے لیکن قلوب میں اگر اللہ کریم خلوص دے دے تو یہ آسان ترین راستہ ہے۔ بات صرف مقصد یا طلب کے تبدیل ہو جانے کی ہے۔ انسان دنیا میں رہتے ہوئے کسی طرح بھی دنیا کی طلب سے آزاد نہیں ہو سکتا تو اس کی تکمیل کے ذرائع کی طلب سے کیسے آزاد ہو گا۔ برکات نبوت کا کمال یہ ہے کہ رخ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی طلب دوسرے درجے میں اور قرب الٰہی کی طلب اول درجے میں ہو جاتی ہے۔

قوت سلسلہ عالیہ

یہ نسبت اویسیہ امت محمدیہ میں برکات نبوت ﷺ کا سمندر ہے۔ کسی بھی سلسلے میں سوائے خلیفہ مجاز اور صاحب مجاز کے کسی دوسرے کو کھوکہ وہ کسی آدمی کو ایک قلب ہی کرا دے اور وہ جو خلیفہ مجاز ہو گا وہ بھی ایک قلب کروانے کے لئے سالوں کا عرصہ لگوائے گا۔ بے شمار پابندیاں لگائے گا۔ اس سلسلہ عالیہ میں جو آج یہاں سے لطائف سیکھ کر جاتا ہے سارے گھر والوں کو بٹھا کر ذکر کرائے سب کے لطائف جاری ہو جائیں گے۔ نہ وہ صاحب مجاز ہے' نہ اسے کوئی منصب ملا ہے' نہ اس کے پاس کوئی مقامات ہیں۔ ایک دن' دو دن یا

ایک رات رہا اور اس نے توجہ لی۔ اپنے لطائف پر ذکر کرتا ہوا گیا اسے کہو جا کر ہزار آدمیوں کو بٹھا کر توجہ دے سب کے لطائف جاری ہو جائیں گے۔

فرمایا :۔ یہ جو بعض کتابوں میں ہمیں مل جاتا ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں جگہ سے فیوضات حاصل کئے اور سلوک تمام کر دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی وسعت سے واقف نہیں ہوتے۔ یہ تمام ہونے والا راستہ ہی نہیں۔ یہ ایک ایسی راہ ہے جو ابدالا باد تک چلتی رہے گی اور کبھی ختم نہ ہو گی حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے درجات ہر آنے والی ساعت میں پہلے سے بلند ہوں گے۔ یعنی کوئی انتہا نہیں ہے۔ قرب الٰہی کا کوئی ایسا مقام نہیں آتا کہ جہاں آدمی پہنچے اور آگے رب جلیل تشریف فرما ہوں اس سے آگے کوئی بات نہ ہو' نہیں۔ اگر کروڑوں زندگیاں بھی نصیب ہوں اور انسان کروڑوں سفر بھی تیزی سے کرتا رہے سفر ہی کرتا رہے گا اور ان وسعتوں میں چلتا ہی رہے گا۔

نسبت سلب کرنا

فرمایا :۔ دوسرے سلاسل میں ایک اور بات بھی چلتی ہے۔ اور یہ حقیقت میں بھی ہوتا ہے کہ بعض منازل بالا کے جو ولی اللہ ہوتے ہیں۔ اپنے سے کم تر درجے والے پر اپنی قوت القا کر کے اس کی کیفیات کو' اس کے انوارات کو سلب کر لیتے ہیں۔ لیکن روئے زمین کا کوئی سلسلہ نسبت اویسیہ کو سلب نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ سارے اس سے نیچے ہیں' کمزور ہیں' اور سب کی قوتیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ چونکہ سب کے پاس ایک ایک پہلو قوت کا ہے اور یہ جامع ہے۔ اس کے شیخ اگر چاہیں تو روئے زمین کے سارے سلاسل کو سلب کر سکتے ہیں لیکن روئے زمین کا کوئی صوفی اس کے کسی مبتدی کی کیفیات کو بھی سلب نہیں کر سکتا۔ ہم ایک آدمی کو ایک لطیفہ قلب کروا دیتے ہیں دنیا کے کسی بڑے سے بڑے صوفی کو کہیں کہ اس کے انوارات سلب کر کے دکھائے۔ نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اس کی وہاں رسائی ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اس

کی گرفت سے' اس کی لپیٹ سے' اس کی وسعت سے باہر ہوتے ہیں اور خود جو مشائخ اس سلسلہ کے ہیں۔ ان کا دستور یہ ہے کہ وہ سلب نہیں کیا کرتے' وہ دیتے رہتے ہیں۔

لیکن کوئی شخص اگر گمراہ ہو کر دوسرے انسانوں کی گمراہی کا سبب بننے لگے۔ تو پھر یہ لوگ سلب کر لیتے ہیں اور ان کا سلب اتنا شدید ہوتا ہے کہ پھر صرف کیفیات نہیں جاتیں۔ وجود کے ذرے ذرے سے ایمانیات بھی چلے جاتے ہیں اور جس شخص سے بھی مشائخ اویسیہ نے اپنی نسبت سلب کی ہے۔ وہ مسلمان بھی نہیں رہ سکتا' بالکل خالی رہ جاتا ہے اور ایسے لوگ ایک آدھ ہی سہی اور ہم نے بھی دیکھے ہیں جن سے یہ چیز سلب ہوئی۔ کبھی کسی زمانے میں ایسے تھے کہ وہ جمال باری کو دیکھے بغیر سجدہ نہیں کرتے تھے اور ان کا یہ حال بھی دیکھا کہ وہ وجود باری تعالیٰ کا انکار کیا کرتے تھے (کیوں کہ) اگر یہ سلب کرتے ہیں تو پھر جس طرح نیام سے تلوار کھینچ لی جاتی ہے اور نرا کھوکھا رہ جاتا ہے اس طرح انسان کے وجود کا ایک کھوکھا سا رہ جاتا ہے۔ اس میں کچھ نہیں بچتا۔ کیونکہ یہ اتنی مضبوط اور اتنی قوی نسبت ہے کہ یہ باقی کچھ نہیں چھوڑتی۔

اور یہی سلسلہ تصوف و سلوک کا ہے جسے خداوند عالم نے اپنے وہ انوار و تجلیات و برکات نصیب فرمائے ہیں۔ وہ قوت و استعداد بخشی ہے۔ کہ یہ دوسرے قلوب کو منور کر سکے اور وہ بھی جائے امن ہو جائیں۔ مشائخ عظام ہمیشہ جائے امن ہوا کرتے ہیں اور وہ تجلیات ذاتی جو بیعت اللہ شریف پہ وارد ہوتی ہیں ان سے بھی قریب تر تجلیات اہل اللہ کے قلوب پر وارد ہوتی ہیں۔

شرط فیض

فرمایا :۔ لیکن یاد رہے ان برکات کے حصول کے لئے بھی شرط یہی ہے کہ آدمی اپنے دل کو لے کر ان کے قدموں میں ڈال دے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کسی نیک آدمی کے پاس نیکی لینے کے لئے کم ہی جاتے ہیں۔ جہاں سمجھ میں

آئے کہ وہاں کوئی نیک آدمی رہتا ہے جو اللہ کا مقرب ہے۔ نیک ہے اللہ اللہ کرتا ہے۔ اس کے پاس بھی ہم دنیا ہی لے کر جاتے ہیں۔ دین کی غرض لے کر بہت کم لوگ جاتے ہیں اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ عموماً" اہل اللہ خود دینوی مسائل میں مبتلا رہتے ہیں۔

اصل بیعت روحانی

فرمایا: لیکن برزخ میں جھانکنے کے لئے' عالم غیب میں جھانکنے کے لئے' بالائے آسمان نگاہ کو لے جانے کے لئے ایمان ہی بنیاد ہے۔ اور صحبت شیخ شرط ہے۔ بڑے سے بڑے کامل شخص میں بھی ایمان نہ ہو۔ تو یہ دولت نہیں لے سکتا۔ ایمان شرط ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ شیخ کی صحبت اور توجہ نصیب نہ ہو۔ تو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اس کا سبب ہے۔ جب روح میں قوت پرواز آ جائے اور اسے مراقبات ثلاثہ نصیب ہو جائیں تو اس میں ایک استعداد آ جاتی ہے اس بات کی کہ وہ برزخ میں قدم رکھ سکتی ہے اور جو کمال اللہ کریم نے اس نسبت اویسیہ کو بخشا ہے وہ ہے ہی یہی کہ ہم یہ جو بیعت ظاہری لیتے ہیں۔ یہ محض تکمیل سنت کے لئے اور ثواب کے لئے لیتے ہیں ورنہ اصل بیعت ہی یہ ہے کہ مراقبات ثلاثہ سے گزار کر آدمی کو برزخ میں لے جایا جائے اور اس کی روح حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہو' اس کا دعویٰ بہت چوٹی کے بزرگان دین نے کیا ہے۔

بانی شیخ

فرمایا:۔ اب یہ سعادت چودہ سو سال بعد ہمارے شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئی اللہ کی مرضی وہ کسی کو کیا دیتا ہے۔ پوری تاریخ تصوف میں تبع تابعین کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ وہ پہلی ہستی ہیں کہ جنہوں نے یہ فرمایا کہ جنہیں ظاہری تعلیم و تعلم کی ضرورت ہو۔ تو اس کے لئے علماء ہر جگہ موجود ہیں اس کے لئے

میرے پاس آنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہر جگہ یہ کام ہو سکتا ہے۔ میرے پاس جو بھی آئے گا۔ میں اسے روحانی تربیت سے سرفراز کروں گا اور میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ اسے میں فنا فی الرسول تک بارگاہ نبوتؐ میں پیش کر سکوں۔ پھر ہم نے یہ اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا۔

قوت اویسیت

یہ نسبت اویسیہ براہ راست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا سوتا پھوٹتا ہے اور اس میں وہ قوت ہے کہ روئے زمین کا جو انسان شامل ہونا چاہے اس کا حصہ اسی میں موجود ہے باقی سارے سلاسل میں کچھ لوگوں کا حصہ الگ الگ سلسلے میں ہے کچھ لوگوں کا دوسرے میں کچھ لوگوں کا تیسرے میں۔

طرۂ امتیاز

فرمایا :۔ سلسلہ عالیہ میں جو مراقبات دیئے گئے ہیں ہر مراقبہ قرآن حکیم کی کسی آیت کے تابع ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے لطائف پہ ذکر کیا جائے اپنی پوری ہمت کے ساتھ' آخر میں قلب پر پوری قوت سے ذکر کر کے متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھ جائے اور دل کی ہر دھڑکن کی نگرانی کرے کہ لفظ اللہ دل سے اٹھتا ہے اور ھو کی ٹکر عرش عظیم سے جا کر لگتی ہے۔ کوشش کرے کہ پوری توجہ اس طرف ہو۔ اسے رابطہ کہا جاتا ہے۔ جب رابطہ ہو جائے اور مضبوط ہو جائے تو اگلے مراقبات کرائے جاتے ہیں یہ رابطہ روح کے لئے ایک سیڑھی کا کام دیتا ہے اور روح اس کے ذریعے سے پرواز کر کے مقامات عالیہ تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ دیکھئے کون خوش نصیب اپنا دامن پھیلاتا ہے اور کون ایسا بلند ہمت ہے کہ اپنی جھولی بھرتا ہے۔

فرمایا :۔ اس طریقہ کے باقی فضائل کے علاوہ ایک اور فضیلت یہ بھی ہے کہ جو اس کی لپیٹ میں آتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مہینوں باہر رہے'

سالوں باہر رہے' جب آتا ہے شیخ کے سامنے' اس کی توجہ میں آتا ہے تو پھر ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ کبھی ذکر الٰہی سے باہر تھا ہی نہیں۔ تو یہ قوت کی بات ہے اللہ کریم نے اس سلسلہ میں یہ برکت' یہ قوت رکھی ہے اور یہ واحد سلسلہ ہے جو مخلوق کے ساتھ اختلاط سے منع نہیں کرتا۔ گھروں میں رہو' کاروبار کرو لیکن مقررہ طریقے سے' مقررہ اوقات پر ذکر کرتے رہو تمہارا سینہ منور رہے گا۔ یہ اس سلسلہ کی خصوصیات میں سے ہے' تمام سلاسل میں یہ بات نہیں ہے۔

فرمایا :۔ اس سلسلہ کا طرۂ امتیاز آقائے نامدار ﷺ کے دست اقدس پر بیعت ہے اور بحمد اللہ یہ کوئی ڈھکی چھپی یا راز کی بات نہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں ماسوائے سلسلہ عالیہ کے اس دولت کے امین اور اس کا بانٹنے والا کوئی نہیں ملتا خلوص فی النیت' خلوص فی العمل اور رضائے باری کی تڑپ لے کر جس کا جی چاہے آئے اور خود دیکھ لے۔

فرمایا :۔ مقصد یہ ہے کہ اس درجہ کا ایمان مطلوب ہے' اس قدر تعلق ہو' اس شخص کو اللہ سے' اللہ کے رسول سے کہ اس کا اپنا وجود باقی نہ رہے۔ تجلیات باری ہوں یا انوارات پیامبر ہوں جو اس میں مجسم ہوں اور مرتسم ہو چکے ہوں۔ جو ایک ایک ذرہ اس کے وجود کا ہے وہ انوارات الٰہیہ سے یا انوارات نبویہ سے پر ہو' منور اور جگمگ کر رہا ہو تاکہ ہر طرح کی برائی اس کے وجود سے پناہ مانگے۔

سلسلہ کی مرکزیت

فرمایا :۔ آج بفضل اللہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہمارا پہلا سالانہ اجتماع بخیر و خوبی اللہ کی رحمتیں برکتیں اور احسانات کو سمیٹتا ہوا اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ اس مبارک اور بابرکت موقع پر چند اصولی گذارشات جو میں آپ سب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور شیخ مکرم رحمۃ اللہ علیہ کے روبرو' خدائے علیم و خبیر کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے' بارگاہ رسالت پناہی میں پوری ذمہ

داری کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں نے زندگی بھر نہ کبھی یہ خواہش کی تھی اور نہ کبھی سوچا ہی تھا کہ یہ منصب جلیلہ مجھ جیسے ناکارہ اور نالائق انسان کو نباھنا پڑے گا۔ لیکن یہ منجانب اللہ چیزیں ہوتی ہیں وہ چاہے تو درختوں اور پتھروں سے بھی کام لے سکتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ کی خدمت مجھے سپرد فرمائی۔ سب سے پہلے آپ نے سلسلہ کے اکابرین کو جمع فرما کر، مشورہ فرما کر مشائخ سے مشورہ فرما کر، بارگاہ رسالت پناہی سے مشورہ فرما کر، اجازت لے کر ایک قانونی وصیت مرتب فرمائی جس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سلسلہ کی رہنمائی کے لئے بنیادی اصول کے طور پر درج نہ کر دی گئی ہو۔

فرمایا:۔ لیکن ایک بات جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے دن سے فرمائی اور آخری تحریر تک اس میں تحریراً" بھی فرما دیا کہ جماعت کو انتشار و افتراق سے بچایا جائے تاکہ ایک سلسلے کے متعدد سلسلے نہ بن جائیں اور یہ فرما دیا کہ جو حضرات میں مقرر کر رہا ہوں اس خیال سے کہ انسان بہرحال انسان ہے۔ اگر ایک شخص گر جائے تو دوسرا سنبھال سکے، دوسرا اگر گر جائے تو تیسرا سنبھال سکے یعنی تین سلسلے بیک وقت نہ بنائے جائیں۔ بلکہ تین شخص ایسے عطا فرما دیئے کہ تینوں میں سے ہر شخص اس قابل ہے کہ وہ سلسلہ کی قیادت کو سنبھال سکے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر جو اجتماع ہوا اس پر یہ دو حضرات میرے پاس موجود تھے۔ اور میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے ان سے یہ عرض کیا تھا کہ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اہلیت کی تصدیق فرما دی، آپ کو مقرر کر دیا تو بہتر یہ ہے کہ زندگی بھر میں سلسلہ کی خدمت کرتا رہا ہوں مجھے اس پر رہنے دیا جائے۔ آپ میں سے کوئی ایک سلسلہ کی قیادت کو سنبھال لے اور میں اس کا اسی طرح خادم رہوں گا جس طرح پہلے اس کا خادم تھا، یہ اللہ کی مرضی تھی شاید یہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی اور یقیناً یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی کہ آپ نے بعد از وصال بھی پورے سلسلہ کو ایک نقطے پر جمع فرما دیا۔ ان دونوں

حضرات نے بھی یہ خدمت میرے ذمہ لگائی۔ انہوں نے اپنی مرضی سے' اپنی پسند سے' ایثار کرتے ہوئے' اپنے منصب کو قربان کرتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کی اور ساری جماعت کو بیعت کرنے کے لئے کہا۔

فرمایا:۔ آپ سب کے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جگہ تجویز فرمائی' بنیاد رکھی دارالعرفان کی' تعمیر کا حکم دیا' قبلہ درست کرایا اور شاید آپ کو یاد ہو گا یہ بھی فرمایا کہ اس کی رونق انشاء اللہ مہدی آخر الزمان تک قائم رہے گی۔ اب اگر کسی کو اس کی مرکزیت پر اعتماد نہ ہو۔ اسے اعتراض ہو تو وہ شخص جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے یہاں سے نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور یہ بھی آپ کو خوب یاد ہو گا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ملک کے دورے فرمائے' حج پر بھی تشریف لے گئے لیکن روحانی بیعت کے لئے ارشاد فرما دیتے تھے کہ منارہ آ جائیں۔ کوئی شخص ایسا ہے جو اٹھ کر یہ کہہ سکے کہ وہاں کے علاوہ کسی اور جگہ مجھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمایا تھا۔ آج کس منہ سے اور کس حیثیت سے میں اسے چھوڑ دوں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے اگر خدا نہ کرے کوئی ایسا وقت آئے کہ میں اکیلا رہ جاؤں تو میں اکیلا بھی یہاں اذان کہتا رہوں گا۔ کیونکہ دین کے لئے انبوہ کا ہونا شرط نہیں حق کا ہونا شرط ہے۔

فرمایا:۔ انشاء اللہ اس کی مرکزی حیثیت قائم رہے گی اور جب تک اللہ نے مجھ سے یہ کام لینا ہے روحانی بیعت ہمیشہ یہیں ہو گی۔ چونکہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا ساری زندگی' میں جب تک زندہ ہوں تو کوئی نقطہ نہ بڑھنے دوں گا اور نہ اس سے کم ہونے دوں گا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے وہ خود مستفید ہو سکتا ہے تو میں اسے کبھی بھی پابند نہیں کروں گا۔ لیکن یہ بات غور سے سن لیں کہ میں اس کی کبھی تائید بھی نہیں کروں گا۔ یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ اگر کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ اسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے کسی کی ضرورت نہیں میرے پاس براہ راست آنا پھر وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے بعد مجھ سے تائید کیوں چاہتا ہے۔

اگر کوئی مجھ سے تائید چاہتا ہے تو میں یہ سمجھوں گا کہ اس کے پاس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا حکم نہیں ہے' دھوکہ دے کر مجھ سے تائید چاہتا ہے کیونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کو میری تائید کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا:۔ میں نے اس سال ایک شرط زائد رکھی ہے ورنہ شیخ سلسلہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جس طالب کی روح میں یہ استعداد ہو کہ بغیر کسی امداد کے اپنی قوت بازو سے دربار نبوت ﷺ میں حاضر ہو' وہ اسے بیعت کرا دے۔ میں نے اس سال اس پر پابندی لگا دی ہے اس لئے صرف ان لوگوں کو بیعت کروایا جنہیں مشاہدات نصیب ہوئے اور میں نے یہ اس لئے معیار مقرر کیا ہے اور یہ چند سال کے لئے ہے انشاء اللہ۔ تاکہ کوئی سلسلہ سے کٹ کر علیحدہ دکان نہ کھولے اور یہ کہے کہ میں بیعت کروا رہا ہوں۔ تو پھر وہ ان لوگوں کو یہ نعمت بھی عطا کرے کہ حضور ﷺ کا دیدار اور زیارت کا مشاہدہ بھی ہو۔ اگر یہ نعمت حاصل ہو جائے تو میرے جیسے ناکارہ انسان کی تائید کی کیا ضرورت ہے اور اگر کسی کو خود مشاہدہ نہ ہو تو وہ خود اس بات پر بے جھجک اعتماد نہ کرے کہ میری بیعت مرکز کے علاوہ کہیں اور بھی ہو رہی ہے کچھ نہیں ہو گا۔ میں اپنی ذات کے لئے نہیں عرض کر رہا ہوں آپ کی اجتماعیت کے لئے۔ سلسلہ کی مرکزیت کے لئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کی تکمیل کے لئے عرض کر رہا ہوں۔

فرمایا:۔ اس کے بعد کیا ہوا' کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا یہ الگ بات ہے۔ ہاں اتنا عرض کر دوں کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے دو باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ پوری توجہ اور محنت سے سلسلہ کو چلاؤ انشاء اللہ کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ اگر کوئی اختلاف کر کے جانا چاہے تو اسے پیچھے سے آواز دینے کی ضرورت نہیں اللہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں رکھے گا۔

فرمایا:۔ نیز اگر کسی کو دھوکہ لگے کہ حضرات متقدمین کے بیک وقت متعدد خلفاء ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں تو اس کو یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہدایت و ارشاد اور ظاہری طور پر رہنمائی کرنے کے لئے ایک وقت میں متعدد

اشخاص مقرر ہو سکتے ہیں اور ہر آدمی کو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے جو کم از کم مسائل ضروریہ سے آگاہی رکھتا ہو۔ لیکن راہ سلوک میں منازل سلوک طے کروانے کے لئے آج تک کوئی مثال نہیں کہ بہت سے افراد ایک ہی مقام اور مرتبہ رکھتے ہیں۔ بلکہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایک ہی سب سے اوپر اور سب سے آگے رہا ہے اور باقی اس کے پیچھے اسی ترتیب سے آ رہے ہوتے ہیں۔

فرمایا :۔ ان سلاسل میں برکات نبوی ﷺ ہوتی ہیں۔ شیخ جو ہوتا ہے وہ نمائندہ ہوتا ہے بارگاہ نبوی ﷺ کا۔ طالب جو ہوتا ہے اس کو وہی قوانین، انہی اصولوں کی، اسی دائرہ کار کے اندر رہ کر حصول برکات کرنا ہوتا ہے۔ تو جو احترام ہوتا ہے صاحب مجاز کا وہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ نمائندہ ہوتا ہے شیخ کا۔ شیخ کا احترام اس لئے ہے کہ وہ نمائندہ ہوتا ہے بارگاہ نبوی ﷺ کا۔ لیکن جس طرح ادب و احترام پر کاربند رہنا طالب پر واجب ہے اس سے زیادہ شفقت، شیخ اور صاحب مجاز پر واجب ہے کہ ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرے، لوگوں کو برداشت کرے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم دنیا میں پھر کر ایک ایک بدکار، ایک ایک ظالم، ایک ایک کافر کو راہ راست پر لانے کے لئے کتنا سر کھپاتے ہیں۔ تو ایسے شخص سے آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ جو آدمی مسلمان بھی ہو تو اسے بھگا دے گا یہ کیسے ممکن ہے۔ ہمارا کام خاکروبوں کا ہے ہم خاکروب ہیں، ہمارا کام جھاڑو دینا ہے، ہمارا کام صفائی کرنا ہے۔ یہ جتنے بندے ہیں اللہ کے ان میں ہر بندے کا دل اللہ کریم کا اپنا مقام اور اس کی رہنے کی جگہ ہے، اگر خود اسے احساس نہیں تو اسے احساس دلانا ہمارا کام ہے۔ اگر اس نے اس گھر کو توڑ پھوڑ دیا ہے تو اس کی مرمت کرنا، اگر اس نے اس گھر میں گند ڈال دیا ہے تو اسے صاف کرنا، یہ ہم خاکروبوں کا کام ہے۔

کیا سلسلہ اویسیہ میں ایک وقت میں ایک ہی شیخ سے پوری دنیا میں فیض پہنچتا ہے۔

فرمایا :۔ نہیں سارے سلاسل میں کبھی ایسا نہیں ہوتا ہے کہ کوئی ایک ہی

شخص پوری دنیا میں سلسلہ کی قیادت کرے۔ ہاں کہیں صدیوں کے بعد کوئی ایسی تبدیلی آتی ہے۔ ورنہ ہر سلسلے میں نظام اس طرح چلتا ہے کہ متعدد لوگ' متعدد جگہوں پر کام کرتے رہتے ہیں اور کئی حضرات ہوتے ہیں۔ یہ کبھی کبھار ایسا ہو جانا شاید قدرت کو منظور ہوتا ہے کہ وقت کی ضرورت کے مطابق یا اس زمانے کے حالات کے مطابق اللہ کریم کوئی تبدیلیاں پیدا کر دیتے ہیں لیکن ایسا صدیوں بعد ہوتا ہے ہمیشہ نہیں ہوتا۔ مزید فرمایا جس شخص کو بھی عرش کے منازل نصیب ہوں وہ بغیر نسبت اویسیہ کے آگے چل ہی نہیں سکتا' وہ خواہ کسی سلسلے کا بھی ہو۔ سلسلہ اس کا وہی رہتا ہے لیکن نسبت اویسیہ یعنی اس طرح سے بارگاہ نبوی ﷺ سے برکات حاصل کرنا جس طرح حضرت اویس قرنی ؓ نے حاصل کی تھیں۔ وہ طاقت' وہ کیفیت روحانی اگر نصیب نہ ہو تو ان منازل میں وہ چل ہی نہیں سکتا پھر رک جاتا ہے۔ تو جو لوگ بھی عرش کے منازل میں یا اس سے اوپر چلتے ہیں ان سب کو یہ نسبت یا یہ طاقت یا یہ کیفیت نصیب ہوتی ہے خواہ وہ کسی بھی سلسلے کے ہیں۔ ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ ہم جس شخص کو آیا تا سے سبق شروع کراتے ہیں وہاں سے اسے اویسی نسبت نصیب ہو جاتی ہے۔ باقی سلاسل میں کسی کو عرش میں قدم رکھنے کا اللہ کریم موقع دیں تو وہاں جا کر ازخود اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جہاں بھی ہے بارگاہ نبوی ﷺ سے برکات حاصل کرتا رہے۔

☆ ☆ ☆

باب دوم

ذکر اور اس کے متعلقات

فرمایا :۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں' اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو کوئی زمینوں میں ہے یا آسمانوں میں۔ جس چیز کو وجود عطا ہوا ہے اس کے وجود کی بقاء کا انحصار اللہ کے ذکر پہ ہے خواہ وہ پرندے ہوں جو فضا میں اڑتے پھرتے ہیں یا دوسری مخلوق اور ان میں کوئی شعور ہے یا نہیں۔ جو مخلوق جاندار ہے یا بے جان اور کسی بات کے سمجھنے کی استعداد رکھتی ہے یا نہیں۔ لیکن ا ؛ سے دعا کرنے' اللہ کی پاکی بیان کرنے کا شعور ہر ایک میں موجود ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر سے غافل ہو جائے اس کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ اگر درخت سے ذکر چھوٹ جائے وہ سوکھ جاتا ہے' دریا سے ذکر چھوٹ جائے وہ سوکھ جاتا ہے' پہاڑ سے ذکر چھوٹ جائے وہ پھٹ جاتا ہے' گر جاتا ہے' تباہ ہو جاتا ہے اور چیزوں کا وجود عدم کی نذر ہو جاتا ہے۔ گویا جس طرح ہماری ظاہری نگاہ میں زندہ چیز کے لئے سانس لینا ضروری ہے وہ سانس لینے کے عمل کو جانتا ہے یا نہیں جانتا لیکن جس وجود میں زندگی ہو وہ سانس لیتا ہے اسی طرح ہر وجود کی بقا کے لئے اللہ کی تسبیح اور اللہ کا ذکر ضروری ہے اور اس عمل کے کرنے کو ہر ایک قدرتی اور طبعی طور پر جانتا ہے۔ اس سارے نگارخانے میں انسان ایک ایسی عجیب مخلوق ہے کہ جو ذکر کرتا ہے تو اس کے کمال اور اس کے حسن و خوبی تک چلا جاتا ہے اگر نہیں کرتا یا انکار کرتا ہے یا چھوڑ دیتا ہے تو بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے وجود قبر میں جانے سے پہلے انسانیت کی قبر بن جاتے ہیں۔

کثرت ذکر

فرمایا :۔ ذکر بجائے خود مامور بہ ہے یعنی اللہ کا حکم ہے کہ اس کا ذکر کیا

کرد ہر حال میں کھڑے، بیٹھے، لیٹے اور کثرت سے کیا کرو۔ نماز بھی ذکر ہے مگر نماز سے فارغ ہو کر کام پر جاؤ تو بھی ذکر کرتے رہو، جہاد پر ہو ذکر کرتے رہو، دوران حج کثرت سے ذکر کرو حتی کہ سورہ مزمل میں خود آقائے نامدار ﷺ سے خطاب ہے کہ اپنے رب کے نام کا ذکر کریں یعنی اللہ اللہ کی تکرار کریں اور اسقدر کریں کہ اللہ کے سوا ہر شے معدوم ہو جائے اور تبتل الی اللہ نصیب ہو۔ تو اور کوئی ذکر سے مستثنیٰ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیز خود مسجد نبوی میں بیٹھ کر صحابہؓ کا ذکر کرنا ثابت ہے۔ لہٰذا ذکر تو ہمیشہ کیا جاتا رہا کہ اللہ کا حکم ہے ہاں خیرالقرون میں اگر کسی کو ذکر کی مجالس نصیب ہو گئی تو نور علیٰ نور ورنہ صرف ملاقات دلی کیفیات کے حصول کا سبب بن گئی مگر بعد میں اتنا قوی اثر نہ رہا۔ لہٰذا سلف الصالحین نے بزرگوں کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا شروع کیا کہ اس طرح دل کو دل سے روشنی اور برکات نصیب ہوتی رہیں جس طرح علم ظاہر کے لئے مختلف طریق اختیار کئے گئے۔

فرمایا :۔ ایسے لوگ جو کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، یا لیٹے ہوں ان کا کوئی حال ذکر الہی سے خالی نہ ہو بہرحال انہیں اللہ کا ذکر نصیب ہو۔ ان لوگوں کے لئے یہ آیات ہیں، ہیں تو سب کے لئے لیکن ان سے استفادہ وہ کر سکتے ہیں۔ اب یہ جو تینوں حالتیں قرآن حکیم نے انسان کی بیان فرمائی ہیں یہ ایسی ہیں کہ ہر لمحے انسان ان تینوں میں کسی ایک حال میں ہوتا ہے یا بیٹھا ہے یا کھڑا ہے کام کر رہا ہے چل رہا ہے یا لیٹا ہے۔ آرام کر رہا ہے بیمار ہے یا صحت مند۔ جب تک وہ زندہ ہے ان تین حالتوں میں سے ایک حال میں وہ ضرور ہوتا ہے۔ رب جلیل نے فرمایا کہ ہر حال میں وہ ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے ایک محقق فرماتے ہیں کہ ذکر لسانی ذکر کثیر کا مفہوم ادا نہیں کرتا چونکہ زبان صرف ذکر نہیں کرتی بلکہ زبان انسان کی ساری ضروریات کی ترجمان ہے پھر اگر کوئی ایسا کرے کہ بغیر ذکر الہی کے کوئی بات بھی نہ کرے تو جب وہ سو جائے گا زبان خاموش ہو جائے گی۔ تو کوئی ایسا حیلہ، کوئی ایسی چیز جو اللہ کریم کے ذکر کو دوام اور ہیشگی بخشتی ہو وہ

ذکر قلبی ہی ہو سکتا ہے یا اس کی مراد ہو سکتا ہے کہ جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو پھر انسان کھڑا ہے یا بیٹھا یا چل رہا ہے یا بات کر رہا ہے' کام کر رہا ہے یا سو رہا ہے کوئی بھی حال اس کو ذکر سے نہیں روکتا بلکہ ایک ایک دھڑکن میں وہ سینکڑوں بار اللہ کا ذکر کر جاتا ہے۔ دھڑکتا ایک بار ہے اور اسم ذات کوئی سو بار دھراتا ہے۔

ذکر اور کمالات

جوگیوں اور یوگا وغیرہ کے ماہرین کے کمالات کا تعلق مجاہدے سے ہے اور عقل کی حد تک ہے۔ وہ محنت کر کے دماغی طاقت کو ایک نقطے پر مرتکز کر کے بعض عجیب باتیں یا حرکتیں کر لیتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ ان کی رسائی صرف وہاں تک ممکن ہے جہاں تک آپ عقلی اور مادی ذرائع سے رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ آسمان سے اوپر یا فرشتے کو دیکھنا یا برزخ کے حالات ان پر نہ کھلتے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں وہ کبھی بات کرتے ہیں کیونکہ اس نعمت کا تعلق ایمان اور برکات نبوی ﷺ سے ہے۔

دوسرے بعض لوگ اس راہ سے چلتے ہوئے کسی جگہ رک جائیں تو پاگل ہو جاتے ہیں انہیں مجذوب سالک کہا جاتا ہے۔ وہ کسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتے' نہ توجہ دے سکتے ہیں نیز یہ کمزوری کی دلیل ہے۔ کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا۔ اگر یہ کمال ہوتا تو انبیاءؑ کو ملتا۔ ہاں جو سالک جس قدر طاقتور اور مضبوط ہو گا اس کی زندگی حال دل کے ساتھ اسی قدر عام انسانوں کی زندگی ہو گی۔ یہ مشکل کام ہے اور یہ طاقت انبیاء علیہ السلام کو عطا ہوتی ہے جبھی تو ہر آدمی ان کی اطاعت کا مکلف ہے کہ ان کی حیات کا طریقہ بہت ہی عام سا ہوتا ہے' مشکل زندگی نہیں ہوتی۔

ذکر و رابطہ

یہ وہ رابطہ ہے جو انسان اور اس کے خالق حقیقی کے درمیان ہو گا۔ جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو اب اس کا ہر سجدہ اپنی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہو گا کیونکہ اس کا دل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گا اور اسے یہ حضوری تب حاصل ہو گی جب اللہ کریم اسے یاد فرمائیں گے۔ انسانی استعداد سے یہ بالاتر ہے کہ وہ اللہ کریم سے اپنے آپ کو اس طرح سے جوڑے کہ کبھی اس پر غفلت نہ آئے لیکن یہ دوام ذکر اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔

درجات ذکر

ذکر کا کم از کم درجہ ایمان ہے یہ ذکر کا ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ ہر مومن ایک درجہ میں ذاکر ہے۔ ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جاتا ہے فرض' واجب' سنت یا مستحب ذکر الہی ہے اور ہر وہ کام جسے شریعت روک دے اور وہ رک جائے۔ یہ بھی ذکر الہی ہے۔ یہ عملی ذکر ہے پھر اس کے بعد تلاوت کرتا ہے' تسبیحات پڑھتا ہے' مناجات کرتا ہے۔ یہ ذکر لسانی اور زبانی ذکر ہے پھر اگر کسی کو اللہ کریم اس سے زیادہ توفیق دیتے ہیں یا زیادہ انعام فرماتے ہیں تو اسے ذکر قلبی نصیب ہو جاتا ہے پھر اس میں جہاں تک اللہ چاہتا ہے ترقی کرتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کلی طور پر اس کے وجود سے ذکر کی نفی ہو جائے' ذکر قلبی سے محروم ہو جائے یا ذکر عملی سے محروم ہو جائے' زبانی ذکر سے محروم ہو جائے یا پھر اگر ایمان ہی سے محروم ہو گیا تو انسان مر گیا وہ جانور جیسا ہے۔

فرمایا :۔ اب یہ انسان کی حیات یا انسان کے ذکر اذکار یہ عام روٹین کے تو نہیں ہیں۔ جانوروں کو' زمینوں کو' آسمانوں کو' پتھروں کو' پہاڑوں کو' دریاؤں کو جو ذکر تعلیم فرمایا گیا جس پہ ان کی بقاء کا مدار ہے۔ یہ ایک طبعی عمل کی طرح ان کے وجود کا حصہ ہے۔ جب اللہ کریم کسی کو فنا کرنا چاہتے ہیں تو اس سے ذکر الہی روک لیتے ہیں لیکن انسان کے وجود کا طبعی طور پر اسے حصہ نہیں بنایا گیا

بلکہ انسان کو وہ شعور بخشا گیا کہ یہ اسے سمجھ کر اپنی پسند سے اختیار کرے اور پھر اس کے کمال تک کو پائے اور اسے قرب الٰہی کا زینہ بنا کر اللہ کے حضور میں حاضر ہو اور براہ راست رب جلیل سے اپنا تعلق استوار کرے۔

فرمایا :۔ جہاں تک اللہ کی یاد کا' شکر کا تعلق تھا اس کے لئے اللہ نے انبیاءؑ کو مینارۂ نور بنا کر بھیجا۔ وہ ایسے لوگ تھے جو درد دل کے سوداگر تھے جو اللہ کا عشق' اللہ کا تعلق' اللہ کی یاد' اللہ کا ذکر لٹاتے تھے' تقسیم فرماتے تھے اور قاعدہ یہ رہا کہ جہاں انسانوں کا کوئی ایک طبقہ وجود میں آیا ان کی ضروریات بڑھیں تو وہاں ایک نبی علیہ السلام کو مبعوث فرما دیا گیا۔ انبیاءؑ کی بعثت مخصوص قوموں کے لئے بھی تھی' مخصوص شہروں کے لئے بھی تھی اور مخصوص زمانوں کے لئے بھی اور آخر میں آپ ﷺ ساری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد روئے زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے آپ ﷺ ہی کی برکات کفالت کرتی ہیں لیکن جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو یہ حصص کی تقسیم نہ رہی کہ کس کا حصہ ہے اور کس کا نہیں یا کس حد تک برکات ہیں یا کس حد تک نہیں ہیں کس زمانے تک ہیں اور کس زمانے تک نہیں ہیں۔ بلکہ ساری کی ساری انسانیت میں سے جو بھی آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا' جو بھی آپ ﷺ پر ایمان لایا' حصہ پا گیا' اس طرح حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی برکات صحابہ کرامؓ کو پہنچیں اور صحابہؓ کے امیر چونکہ خلفاء راشدین تھے اصل امام وہ تھے جو منبع برکات تھے جو نبی کریم ﷺ سے براہ راست لیتے تھے' ان کے وجودوں سے آگے جاتی تھیں۔ اس کی باطنی صورت دیکھنے کے لئے تو دل کی آنکھ چاہئے لیکن اس کی جو ظاہری دلیل ہے اسے دیکھنے کے لئے صرف مطالعہ کی ضرورت ہے۔

سلاسل ذکر

فرمایا :۔ ان چاروں سلاسل چشتی' قادری' نقشبندی' سہروردی میں بھی

اصل چیز ذکر قلبی ہے۔ طریقے صرف اس لئے مختلف ہیں کہ نقشبندیوں کے علاوہ تینوں سلاسل کے لوگ ذکر لسانی سے شروع کراتے ہیں اس لئے کہ ایک ردم (Rhythm) بن جائے' یکسوئی حاصل ہو جائے' توجہ ایک مرکز پر آ جائے تاکہ پھر ذکر قلبی پہ لایا جا سکے مثلاً" وہ کہیں گے کہ سب بیٹھ کر پڑھیں لا الہ الا اللہ۔ پھر الا اللہ کچھ دیر پڑھیں' پھر الا اللہ کو چھوڑ کر اللہ اللہ کچھ دیر پڑھیں' پھر اس سے بھی زبان خاموش کر لیں پھر دل پر خیال کریں کہ دل سے اللہ اللہ اللہ ہو۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ زبان سے شروع کرا کر ذکر لسانی سے ذکر قلبی پر لے جاتے ہیں۔

صرف ایک سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے جو شروع ہی قلب سے کرتے ہیں' ذکر لسانی سے نہیں اور مشائخ نقشبندیہ اللہ کریم کا شکر کرتے ہوئے' اس پر فخر کرتے ہوئے اللہ کی نعمت بیان کرتے ہیں کہ جہاں آخر دوسرے سلاسل بندے کو پہنچاتے ہیں ہم وہاں سے بسم اللہ اور ابتداء ذکر قلبی سے کراتے ہیں یعنی دوسرے سلاسل یہ ساری محنت کرا کے آخر وہاں پہنچاتے ہیں کہ اس کے قلب سے اللہ اللہ کی آواز آئے اور ہم اللہ کی عطا سے شروع اسی سے کراتے ہیں کہ اس کا قلب اللہ اللہ کہنے لگے۔

فرمایا:۔ ذکر کی محفلیں جنت کے باغات ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والوں کے بدن تو وقتی طور پر مشکلات میں پڑ سکتے ہیں لیکن ان کے قلوب و ارواح تو جنت کے سکون سے مسرور ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر ان کا قلعہ ہوتا ہے۔ مصائب کی طغیانیوں میں اللہ کا ذکر کشتی نوح علیہ السلام ہے اور اللہ والے اس کے ملاح۔ تمام مسلمانوں کو خود رب رحیم نے حفاظت کا یہی نسخہ بتایا ہے۔ ان خوش نصیبوں کی تلاش میں فرشتے آسمانوں سے آتے ہیں' اللہ کی معیت ان کو نصیب ہوتی ہے بھلا ان سے بڑھ کر زیادہ خوش نصیب کون ہو گا جسے باری تعالیٰ کی معیت نصیب ہو اور دربار نبویؐ میں حضورﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ عبادت' دعا' تلاوت ذکر و فکر میں قلب کی شمولیت ضروری ہے۔ قلب زندہ نہ ہو تو کچھ

بھی نہیں۔ ان کی قبریں بھی ذکر کے اثرات سے منور ہوتی ہیں اور برزخ کی زندگی ان کی پنشن کا حصہ ہے اور قیامت ان کے لئے وہ خصوصی تواضع کا دن ہے جہاں انہیں رضائے الٰہی کے تمغے اور جنت کے محلات عطا کئے جائیں گے۔

اللہ تو ایمان والوں کے لئے ہے ہی بڑا رحیم کہ کتنی آسانیاں کر دیں۔ سارا کام خود کر دیا اور بندے کو صرف کہا کہ تو میرا نام دھراتا رہ اور بات ختم۔ تیرا کام ہو جائے گا تجھے نماز کی توفیق بھی ہو جائے گی' گناہ سے بچنے اور حلال کھانے کی توفیق بھی ہو جائے گی' ایمان پر زندہ رہنے اور ایمان پر مرنے کی توفیق بھی ہو جائے گی لیکن مجھے بھول نہیں' مجھے یاد رکھ۔ جو یہ نسخہ اپنا کر آئیں گے انہیں آتے ہی میدان قیامت میں اللہ کریم فرمائیں گے السلام علیکم سلامتی ہو میری تم پر۔

فرمایا :۔ مفسرین نے یہاں بڑا خوبصورت لکھا ہے کہ اللہ کریم اور ذاکرین کے درمیان صرف پردہ ان کی زندگانی کا ہے زندگی کی ڈور ٹوٹی اور وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

ذکر قلبی

اس افراتفری کے زمانے میں اگر ہمیں ذکر قلبی نصیب ہو گیا تو میں سمجھتا ہوں اس سے بڑا اور کسی مقام کا کوئی تصور ہی نہیں۔ سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ یہ ذکر نصیب ہو گیا اور یہ چھوٹے نہیں اور یہ قبر میں ساتھ جائے۔ باقی مقامات کی بات وہیں کر لیں گے۔ باقی معاملات وہاں ہوں گے اس لئے کہ جو اس نعمت کو لے کر جائے گا سب سے پہلی بات کہ اس کی آنکھ اٹھانے سے پہلے رب العلمین اسے کہیں گے السلام علیک۔ کیسی عجیب بات ہے کہ روح قبض ہو اور ذکر الٰہی میں غفلت نہ آئے۔ اب وقت ہے زندگی کو غنیمت سمجھو' ان سانسوں کو غنیمت سمجھو' جتنا کر سکتے ہو کر لو کرتے چلے جاؤ کوئی انتہا کوئی حد نہیں ہے جتنا زیادہ اللہ نصیب فرمائے اور جو ذکر سے روکتا ہے اس کے ساتھ بھی بحث نہ کرو

بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر کر کے اپنا ذکر کرنے کا ثبوت دو۔بحث کرنے کی بجائے مزید ذکر پر کاربند ہو کر ثابت کرو کہ ذکر ہی کرنا ہے۔ اللہ کریم اپنی یاد میں زندہ رکھیں' اپنی یاد میں موت نصیب کریں۔

ذکر و ریا

فرمایا :۔ اگر کوئی شخص محض دکھاوے کے لئے اللہ اللہ کرتا ہے تو اس پر بھی اسے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ اللہ کا نام لینے کے اثرات ہوتے ہیں۔ اگر آدمی ریاکاری سے بھی نام لینا شروع کر دے اور مسلسل لیتا رہے تو اس میں خلوص آ ہی جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس پہ وقت زیادہ لگتا ہے۔ اللہ کا نام دل کے لئے صابن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب اس میں میل کتنا ہے اور صابن کتنے زور سے لگاتے ہیں اس حساب سے وقت لگتا ہے۔ خلوص ضرور آ جاتا ہے۔ کسی کے دل میں کھوٹ ہے تو تھوڑے دنوں میں خلوص ہو جاتا ہے جیسے زیادہ میلا کپڑا ہے تو زیادہ صابن رگڑنا پڑے گا تھوڑا ہے تو تھوڑا صابن۔ آپ ریاکاری سے بھی رگڑتے رہیں تو میل تو کاٹے گا۔

ذکر و قلب

فرمایا :۔ یاد رہے ان تمام برکات کا مدار انسان کا دل اور اس کے دل کی کیفیات ہیں اسی لئے اس کے ساتھ ابراہیم خلیل اللہ نے دعا فرمائی (وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ) اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے محفوظ فرما دے کہ ہم کبھی بتوں کی پوجا کریں۔ اب یہاں بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کا نبی بھی ہو اور بت پرستی کا ڈر بھی ہو۔ نبی تو بت پرستی مٹانے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ اس میں دو باتیں واضح فرمائیں ایک تو اپنا عجز و نیاز اللہ کے سامنے کہ میری عصمت اور معصومیت بھی تیری عطا ہے اگر تو ہی مجھے نہ بخشتا تو میں کہاں سے لیتا اور دوسرے یہ کہ بت صرف پتھر کے نہیں

ہوتے سب سے خطرناک بت وہ ہوتے ہیں جن کی بظاہر کوئی صورت نہیں بنتی۔ پتھر کے بتوں کی پوجا سے بچنا آسان ہے لیکن خواہشات کے بتوں کی پرستش سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے چونکہ وہ مجسم ہو کر سامنے نہیں آتے۔ لوگ کوئی خواہشات کے بت بنا کر سامنے نہیں رکھتے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں انسان اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے' اللہ کا حکم چھوڑ دیتا ہے اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے تو خداوند عالم نے اسے بھی بت کا پجاری قرار دیا ہے۔ یہ اپنی خواہش کی پوجا کرتا ہے اپنی ذات کی پرستش کرتا ہے اپنے کو پوجتا ہے۔

طریقہ ذکر

اللہ نے طریقہ ذکر پہ کوئی پابندی نہیں لگائی دیکھو کتنی کھلی بات ہے اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنے کی آڑ لے کر کوئی ایسا انداز کوئی ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے جو شرعاً" ممنوع ہو کر کسی دوسرے کے آرام میں مخل ہو۔ یا واویلا کرنا یا غیر شرعی انداز میں شعر و شاعری کرنا یا اس طرح گانے بجانے شروع کر دینا اور کوئی بھی ایسا طریقہ جو شرعاً" ممنوع ہو وہ اس آڑ میں اختیار نہیں کیا جا سکے گا کہ ذکر کا ہر حال میں حکم ہے لیکن وہ حال جو ممنوع ہے جو طریقے شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے منع کر دیے اور جس حال سے' جس طریقے سے جس کا کوئی منع کا ثبوت نہیں ملتا اس سے کسی کو ذکر سے روکا بھی نہیں جا سکتا یہ الگ بات ہے کہ اپنے اپنے سلاسل کے لوگوں کے پاس اپنے اپنے مشائخ عظام کے اپنے اپنے تجربات اور عمر بھر کی محنت کا حاصل ہے کہ کس نے کس طریقے سے کیا اور زیادہ فائدہ ہوا اس میں ایک دوسرے سے الجھنا بھی مناسب نہیں۔ جو جس طریقے سے کرتا ہے اگر وہ شرعی حدود کے اندر ہے تو اسے حق حاصل ہے نہ ہم کسی پر اعتراض کر سکتے ہیں نہ کوئی ہم پہ کر سکتا ہے۔

مسلمان ہو جانے کے بعد کیا ہوتا ہے جن حقائق کو قبول کیا تھا ان پر یقین

کی دولت نصیب ہوتی ہے' ایمان بالغیب نصیب ہوتا ہے یقین و ایمان ایک کیفیت ہے جو اللہ کی طرف سے دل پر' باطن پر اور ضمیر پر وارد ہوتی ہے یہ قلبی کیفیت لذت اطاعت عطا کرتی ہے اور گناہ کی کڑواہٹ محسوس کرنے کی توفیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے اعمال میں اللہ کی اطاعت کا رنگ غالب آ جاتا ہے تسلیم' یقین اور اطاعت اور صداقت کھرا پن اور یہ چاروں یکجا ہو کر صبر کا دھارا بن جاتا ہے۔

فرمایا :۔ صبر کیا ہے اس کا لغوی معنی ہے باگ کھینچ لینا' رک جانا یعنی اللہ کی اطاعت پہ اس طرح جم جانا کہ نافرمانیوں کو دھکیل کر اپنا راستہ بناتے چلے جانا یعنی ہر طرح کے گناہوں کو اٹھا کر پھینک دینے کی قوت حاصل کرنا۔ اب یہ دریا جہاں سے گزرتا ہے وہاں نئی زمین بناتا ہے۔ کچھ ذرات اپنے ساتھ لایا تھا کچھ پہلے والوں کی سیرابی ملی تو خشوع کی نمی سرزمین قلب میں پھیلنی شروع ہو گئی۔ اللہ اللہ اب یہاں یقیناً بہار آئے گی' پھول کھلیں گے تو وہ خوشبو پھیلنے لگی یعنی ایسے لوگ تصدق کرنے لگے۔

یاد رہے کثرت ذکر کا حکم ہے اور کثرت سے مراد ہے کہ انسان جو کام بھی کرے وہ تعداد میں ذکر کی تعداد کو نہ پہنچے تب کثرت کا کم از کم مفہوم ادا ہو گا انسان جو سانس لیتا ہے یہ بھی عمل ہے۔ دل کی دھڑکن ایک عمل ہے کثرت تب ہی ہے کہ ذکر الٰہی کی تعداد کم بھی ہو تو ان سے زیادہ ہو اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ روشنی' وہ نور' وہ کیفیت آئے جو صحبت رسالت سے نصیب ہوئی اور وہ کیسے نصیب ہو اس کا بھی سلیقہ ہے کہ جو انسان ایک گھڑی ان (صحابہؓ) کی محفل میں بیٹھا اس کا دل روشن اور وجود کا انگ انگ ذکر کرنے لگا۔ یہ ایک پورا طبقہ ہے جو تابعی کہلائے۔ ان کی قوت صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ نبیؐ کی اپنی قوت' صحابیؓ کی اپنی طاقت اور بعد والوں کی اپنی اپنی مگر پہلے تین ادوار میں ایک نگاہ کام کر جاتی رہی پھر مشائخ اور بزرگان دین کی صحبت میں عرصہ لگانے کی ضرورت بڑھتی گئی اور یوں سلاسل وجود میں آئے ان جوان مردوں نے علوم

ظاہرہ حاصل کئے اور برکات قلبی کے حاملین جو علماء ربانی کہلائے ان کو تلاش کیا ان کی مجالس میں بیٹھے غرض یہ تھی کہ وہ روشنی اپنے دل میں منعکس کر کے دل روشن اور بدن ذاکر لے کر اٹھیں۔ اللہ کا ذکر کرنا کیا ہے دینے والے کا سینہ ابلنے لگے اور لینے والے کا دل جذب کرنے کی استعداد حاصل کر لے اور یوں دلوں میں' بدنوں میں' ذہنوں میں' زبانوں پر' آنکھوں میں' اعضاء و جوارح میں اس کا پاک نام رچ بس جائے کہ دل دنیا کی رنگینوں سے آگے دیکھ سکے۔ اس کے جمال کی طلب پیدا ہو اور حیات' حصول مقصد حیات پر صرف کی جائے۔ یہ جنس گراں مایہ تھی' اس کی بہت نقل بھی بنی لیکن ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے بزرگوں نے یہ جو طریقہ ذکر تجویز فرمایا ہے اس کی بنیاد محض اٹکل پچو پر نہیں ہے بلکہ یہ ان کی عمروں کا نچوڑ ہے اور حاصل ہے تو یہ جو ذکر ہم کرتے ہیں اس میں کہا جاتا ہے کہ زور سے اور قوت سے بھی کرو اور کوئی سانس خالی نہ جائے یہ خون کو وہ ٹمپریچر دے گا' وہ درجہ حرارت دے گا' وہ مخصوص کیفیت دے گا جو جذب انوارات کے لئے ضروری ہے اور جو کام سالوں میں ہونا چاہئے وہ لمحوں میں ہو جائے گا۔ لطائف پر باقی سلاسل میں سالوں کے حساب سے وقت لگایا جاتا ہے خواہ وہ کم تر بھی ہو مہینوں کی بات نہیں ہوتی۔ بات سالوں کی ہوتی ہے تب لطائف سکھائے جاتے ہیں اور اسی سلسلہ بابرکت میں سارے لطائف ایک توجہ میں تعلیم کئے جاتے ہیں۔

طریقہ پر اعتراض

فرمایا :۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کر رہے ہیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔ بھئی چلو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تو جس طرح آپ اس سے بہتر صورت بتاتے ہیں اس کے نتائج ہمیں دکھائیے کہ کتنے لوگوں کے قلوب ذاکر ہو گئے ان کے مزاج بدل گئے۔ پہلے وہ اچھے لوگ نہیں تھے پھر اچھے بن گئے یا پہلے گناہ گار تھے پھر تائب ہو گئے یا پہلے بے نماز تھے نمازی بن گئے یا پہلے ان کے

چہرے سنت سے محروم تھے پھر اسے سنت نبویؐ نصیب ہو گئی' ان کے کاروبار میں سے سود نکل گیا یا پہلے وہ کلبوں میں بیٹھتے تھے اب مساجد میں چلے آئے کیا مثبت تبدیلی انسانوں میں آئی کون سا بہتر طریقہ آپ نے اپنایا پھر تو ہمیں وہ اپنا لینا چاہئے اور اگر آپ کو صرف اس بات پر اعتراض ہے کہ آپ نہ کریں بس آپ والا طریقہ غلط ہے صحیح کون سا ہے اس کا ہمیں بھی کوئی پتہ نہیں یعنی آپ خود نہ کریں اور جو اللہ کو یاد کر رہا ہے اس کا راستہ بھی روک دیں یہ تو صحیح نہیں ہے یا پھر ان لوگوں کے پاس جنہیں آپ کہتے ہیں تمہارا طریقہ غلط ہے ان کے ساتھ رہ کر دیکھیں' ان کی تبدیلیوں کو چھوڑ دیں خود ساتھ رہ کر دیکھیں کیا آپ میں کوئی مثبت تبدیلی آتی ہے کیا آپ میں اللہ کے قرب کا ارادہ بڑھ جاتا ہے آپ کو گناہوں سے کچھ تلخی اور نفرت ہونے لگتی ہے تو پھر طریقے کی کیا بحث ہے وہ تو اللہ نے کوئی قید اس پر رکھی ہی نہیں۔

تبلیغ ذکر

فرمایا :۔ ایک بات یاد رکھیں تبلیغ میں دو برکتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی دوسروں تک اللہ کی بات پہنچا کر اس کا اجر و ثواب لیتا ہے اور دوسری برکت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تبلیغ کرنا شروع کر دے اس کی اپنی اصلاح ہوتی رہتی ہے یہی حال یہاں برکات ذکر کا بھی ہے۔ جب آپ دوسروں کو اس کی تلقین کریں گے۔ تو آپ کا وجود اس کا پابند ہوتا چلا جائے گا۔

فرمایا :۔ اپنے باقی معمولات میں ایک معمول یہ بھی شامل کر لیں کہ اگر کبھی اور کہیں بھی کسی سے ملاقات نہ ہو تو اس دن کا درس اپنے بچوں کو ہی بٹھا کر دے دیں۔ ان معصوم ذہنوں میں ہی یہ بات ڈال دیں کہ دیکھ بیٹا ساری مصروفیتوں میں ایک مصروفیت یہ بھی ہے کہ کچھ دیر' کچھ لمحے بیٹھ کر اللہ اللہ کی جائے اور اپنا دل ذات باری کی طرف متوجہ کیا جائے۔

فرمایا :۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ اللہ میں' ذکر اذکار میں' معذرت

چرے سنت سے محروم تھے پھر اسے سنت نبویؐ نصیب ہو گئی' ان کے کاروبار میں سے سود نکل گیا یا پہلے وہ کلبوں میں بیٹھتے تھے اب مساجد میں چلے آئے کیا مثبت تبدیلی انسانوں میں آئی کون سا بہتر طریقہ آپ نے اپنایا پھر تو ہمیں وہ اپنا لینا چاہئے اور اگر آپ کو صرف اس بات پر اعتراض ہے کہ آپ نہ کریں بس آپ والا طریقہ غلط ہے صحیح کون سا ہے اس کا ہمیں بھی کوئی پتہ نہیں یعنی آپ خود نہ کریں اور جو اللہ کو یاد کر رہا ہے اس کا راستہ بھی روک دیں یہ تو صحیح نہیں ہے یا پھر ان لوگوں کے پاس جنہیں آپ کہتے ہیں تمہارا طریقہ غلط ہے ان کے ساتھ رہ کر دیکھیں' ان کی تبدیلیوں کو چھوڑ دیں خود ساتھ رہ کر دیکھیں کیا آپ میں کوئی مثبت تبدیلی آتی ہے کیا آپ میں اللہ کے قرب کا ارادہ بڑھ جاتا ہے آپ کو گناہوں سے کچھ تلخی اور نفرت ہونے لگتی ہے تو پھر طریقے کی کیا بحث ہے وہ تو اللہ نے کوئی قید اس پر رکھی ہی نہیں۔

تبلیغ ذکر

فرمایا :۔ ایک بات یاد رکھیں تبلیغ میں دو برکتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی دوسروں تک اللہ کی بات پہنچا کر اس کا اجر و ثواب لیتا ہے اور دوسری برکت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تبلیغ کرنا شروع کر دے اس کی اپنی اصلاح ہوتی رہتی ہے یہی حال یہاں برکات ذکر کا بھی ہے۔ جب آپ دوسروں کو اس کی تلقین کریں گے۔ تو آپ کا وجود اس کا پابند ہوتا چلا جائے گا۔

فرمایا :۔ اپنے باقی معمولات میں ایک معمول یہ بھی شامل کر لیں کہ اگر کبھی اور کہیں بھی کسی سے ملاقات نہ ہو تو اس دن کا درس اپنے بچوں کو ہی بٹھا کر دے دیں۔ ان معصوم ذہنوں میں ہی یہ بات ڈال دیں کہ دیکھ بیٹا ساری مصروفیتوں میں ایک مصروفیت یہ بھی ہے کہ کچھ دیر' کچھ لمحے بیٹھ کر اللہ اللہ کی جائے اور اپنا دل ذات باری کی طرف متوجہ کیا جائے۔

فرمایا :۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ اللہ میں' ذکر اذکار میں' معذرت

خواہانہ رویہ چھوڑ دیں بلکہ اس پر فخر کیا کریں پھر یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے واما بنعمت ربک فحدث اللہ کے انعامات میں سے اس کو بھی بطور شکر نعمت کے ضرور بیان کریں۔ مجھ پر تو بھئی اللہ کا احسان ہے دن بھر میں یا دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں آدھا گھنٹہ' بیس منٹ' ایک گھنٹہ وقت مل جاتا ہے صرف اللہ کے نام دہرانے کا اللہ اللہ کرنے کا اور اسی کے فوائد اور نہ کرنے کے نقصانات کو تلاش کر کے اپنے پاس جمع کریں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ کی رحمت اللہ کے انعامات آپ کی طرف متوجہ ہوں گے اور اپنے لئے راہ عمل آسان ہو جائے گی اور یہ اصلاح کا آسان ترین نسخہ بھی ہے۔

ذکر قلبی کی اہمیت

فرمایا :- یہ بھی یاد رکھو کہ اپنے اذکار اور اپنے ذکر کی آزمائش میں کس منزل پہ ہو اس کا ایک پیمانہ بھی دے دیا کہ جتنا جتنا تو ظلمت سے دور ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اتباع سنت میں فنا ہوتا جاتا ہے اور جتنا تو اطاعت پیغمبر ﷺ کے قریب ہوتا جاتا ہے تو اتنا اتنا تو نور میں چلا جاتا ہے اتنے تیرے منازل بلند ہوتے جا رہے ہیں یعنی تیری بزرگی تیرے سفر کی دلیل ہے۔

عملی زندگی میں اگر گناہ کم ہونا شروع ہو گئے اور نیکی کی رغبت بڑھنے لگی تو منازل نصب ہونا شروع ہو گئے۔ وہ کیا ہیں اس کا ادراک آخرت میں ہو گا چونکہ وہ منازل کوئی دینوی مکان نہیں ہے ان میں کوئی حکومت و سلطنت نہیں بلکہ قرب الٰہی کی لذات ہیں۔ جو یہاں صرف حاصل کی جا سکتی ہیں وہاں پر کبھی آزمائی اور پرکھی نہ جائیں گی یہاں ایک گونہ راحت' اطمینان و سکون اور عبادات میں لذت اور گناہ سے نفرت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

فرمایا :- ولا تکن من الغافلین غفلت سال کی بھی ہے' مہینے کی بھی' دن کی بھی اور ایک لمحے کی بھی ہو سکتی ہے ایک لمحے کی غفلت ہے تو بھی غفلت ہے چھوٹی غفلت سہی اس کا جو جرمانہ ہے وہ کم ہی سہی لیکن ہے تو غفلت اور

غفلت حرام ہے جس چیز سے قرآن منع کر دیتا ہے وہ حرام ہو جاتی ہے جس کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فرض عین ہو جاتا ہے اور غفلت سے بچنے کا' ذکر کے دوام کا ایک ہی نسخہ ہے کہ قلب ذاکر ہو جائے اور یہ نسخہ خود قرآن نے تجویز کیا ہے۔

فرمایا :۔ ہر عبادت کے لئے قلب کا خشوع اور خضوع ضروری ہے اور بغیر خشوع کے کسی عبادت کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں اور خشوع قلب کا فعل ہے اور جو قلب ذاکر نہیں ہوتا اس میں خشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ جو اللہ ہی کی یاد سے غافل ہے اس میں اللہ کی ذات سے خشیت اور خشوع کہاں سے آئے گا' وہ متوجہ الی اللہ کیسے ہو سکے گا۔

فرمایا :۔ ذکر قلبی اس لئے ضروری ہے کہ یہ روح کی جان ہے' حیات ہے ذکر لسانی اور اعمال اس لئے ضروری ہیں کہ زندگی تو عمل کے لئے ہے' عمل زندہ ہی کرتے ہیں اگر زندگی نہ ہو عمل میں جان نہیں' اس کی کوئی قیمت نہیں۔ زندگی میں کسی کے پاس بیٹھے نہیں عمل نہیں کیا۔ وہ قادر ہے زندگیاں چھین بھی لیتا ہے ہم نے بڑے بڑے ڈوبتے بھی دیکھے ہیں۔ ہمارے لئے جس قدر ذکر قلبی ضروری ہے اس کا اندازہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسے زندگی کے لئے بدن' بدن کی زندگی کے لئے آکسیجن کی ضرورت ہے اس سے زیادہ روح کی حیات کے لئے ذکر قلبی کی ضرورت ہے لیکن حیات عمل کے لئے ہوتی ہے خدا ذکر نصیب فرمائے تو فرائض' سنن' واجبات' حلال و حرام' والدین کے حقوق' اولاد کے حقوق' بیویوں کے حقوق' دوست' احباب' رشتہ دار' پڑوسی کے حقوق' جائز و ناجائز تمام اعمال میں اتباع رسالت کرنا روشن دل کے ساتھ یہ مسلمانی ہے۔

فرمایا :۔ جس طرح مادی وجود کے لئے دل کی دھڑکن زندگی کی بنیاد ہے اسی طرح روحانی حیات کے لئے' انسانی حیات کے لئے' انسانیت کی زندگی کے لئے' دل کی ہر دھڑکن میں اللہ کی یاد بنیادی ضرورت ہے اور یہ مت بھولئے کہ محض ذکر کرنے کے بعد بندہ فارغ ہو گیا نہیں ذاکرین کی زندگی میں مثبت تبدیلی

کا آغاز ذکر کے ثمرات میں سے ہے۔ مراقبات کا کرنا منازل کا طے ہونا انوارات کا نظر آنا یہ سب اپنی جگہ لیکن کیا یہ صرف ہماری قوت تخیلہ ہے کیا ہم نے صرف ایسا سوچ لیا ہے کیا یہ کوئی خواب کی قسم ہے جو ہم پر مسلط ہو گئی ہے یا واقعی یہ ایک حقیقت ہے۔ ذکر الٰہی کی کیفیت قلب پر وارد ہوتی ہے تو اطاعت الٰہی اس کے لئے پسندیدہ اور آسان کام ہو جاتا ہے اور اطاعت الٰہی کی اسے بھوک لگتی ہے جیسے غذا کی بھوک لگتی ہے کھانے کی بھوک لگتی ہے پینے کے لئے پیاس لگتی ہے اسی طرح اتباع سنت اور اطاعت الٰہی کی بھوک لگتی ہے یہ ہے دراصل معیار ذکر الٰہی کے ثمرات کا تو ذکر الٰہی اللہ کے ساتھ بندے کا ایک رشتہ پیدا کرتا ہے اور وہ بندہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ اللہ کی نسبت سے اپنی عملی زندگی اور میدان عمل میں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔

فرمایا :۔ اصل کرنے کا کام ذکر قلبی ہے جو رات دن کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ زبانی اذکار باعث ثواب ضرور ہیں مگر کیفیات پیدا کرنا ان کا کام ہی نہیں۔ یہ مقصد ذکر قلبی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر آپ نے چلتے پھرتے' کام کاج کرتے ہوئے ذکر کی طرف توجہ راسخ کر لی تو بہت بڑا کام ہو گیا۔ اس لئے سلسلہ عالیہ میں تلاوت کلام اللہ اور درود شریف یا کلمہ شریف کے علاوہ اذکار کم بتائے جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وقت ذکر قلبی پر لگایا جائے۔

فرمایا :۔ حلقہ ذکر میں تنہا ذکر کی نسبت فائدہ زیادہ ہوتا ہے ورنہ تنہا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے منع نہیں ہے اور مفید بھی ہے فرمایا لطائف منور ہو جائیں تو گناہ سے تنفر پیدا ہو جاتا ہے اور نیکی سے ایک مسرت کی لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ اصل پہچان ہے اگر مشاہدہ نصیب ہو تو پھر لطائف کے انوارات اور ان کی کمی بیشی بھی نظر آتی ہے۔

فرمایا :۔ میرے بھائی! اللہ کریم آپ کو توفیق دے حقیقی اسلام یہ ہے کہ مومن تاریخ کے دھارے کو بدل دے' تاریخ کے رخ کو پلٹ دے' انسانوں کی سوچ کا زاویہ تبدیل کر دے۔ انداز معیشت' انداز زندگانی' تبدیل کر کے رکھ

دے اور بندوں پر صرف اللہ کی خدائی ہو۔ بندوں سے بندوں کی خدائی کو مٹا دے۔ ظلم وجور مٹ جائے اور عدل و انصاف عام ہو۔ علم ہو اور جہالت کی تاریکی مٹ جائے یہ اسلام ہے۔

قلب و انابت

فرمایا :۔ خواہ کتنا گناہگار ہو لیکن جب اس کے دل کی گہرائی میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کی طرف راستہ تلاش کروں تو وہ گمراہ نہیں رہتا یھدی الیہ من ینیب جس کے دل میں یہ تڑپ سنجیدگی سے' خلوص سے پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ کی راہ مل جائے' راہ ہدایت مل جائے۔ اللہ اسے راہ ہدایت پر لگا دیتے ہیں اس کے اسباب بنا دیتے ہیں۔ ایسے علوم ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں انہیں ایسی مجالس میں' ایسی محافل میں پہنچا دیتے ہیں جہاں اس کا کام بن جاتا ہے۔

فرمایا :۔ میرے مرید بننے کے بجائے میں انہیں صرف اللہ اللہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں میرے پاس نہ آئیں خدا ہر جگہ موجود ہے لیکن اپنے دن بھر کے معمولات میں کوئی وقت ذکر الہٰی' اللہ اللہ کے لئے مختص کر دیں اور اس کے ثمرات دیکھیں۔ ہمارے پاس نہ آئیں' ہماری محفل میں نہ بیٹھیں' ہم کوئی خدا کے ٹھیکیدار نہیں۔ خدا ہر شخص کا اپنا ہے۔ تمام مخلوق کا تعلق ہے اس کے ساتھ۔ اس کا نام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دس پندرہ منٹ چوبیس گھنٹوں میں مختص کر لیں کہ روزانہ پندرہ منٹ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کا نام لیا کروں گا تو دیکھیں کہ ذکر پر کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں ہم پر مت چھوڑیں کیونکہ خدا ان کا بھی ہے جہاں وہ ذکر کریں گے خدا وہاں موجود ہو گا۔

فرمایا :۔ تین باتوں کا ہمیشہ خیال رکھو۔ اول ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہو۔ دوم حلال اور طیب غذا کا اہتمام کرو۔ سوم نااہلوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔

فرمایا :۔ انسان اگر ذات باری سے دور ہوتا چلا جائے تو دل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرار گاہ بن جاتا ہے پھر جوں جوں دور ہو۔ شیطان کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے کہ ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قرب الٰہی کی صورت میں ابتداء ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہوتی ہے نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے فرشتے مقربین کا نزول قلب پر ہوتا ہے اور اس کے لئے بشارت سکون اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔

اصلاح و ذکر

میں یہ دعوت ضرور دوں گا کہ آپ اپنے چوبیس گھنٹوں میں چوبیس منٹ نکال لیں جن میں آپ صرف اللہ کا نام لیں۔ چوبیس نہیں نکالتے تو چوبیس گھنٹوں میں بارہ منٹ ہی نکال لیں ایک گھنٹے کے لئے آدھا منٹ اور اس میں دنیا و مافیہا سے یکسو ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر آپ نماز پڑھیں نہ پڑھیں یہ آپ کا' آپ کے رب کا معاملہ ہے آپ نیکی کرتے ہیں یا نہیں کرتے یہ میرا درد سر نہیں ہے۔ آپ بھی مسلمان ہیں میں بھی مسلمان ہوں۔ آپ کا اتنا ہی تعلق ہے محمد رسول اللہ ﷺ سے جتنا میرا ہے تو میں آپ کے لئے پریشان کیوں ہوتا رہوں' آپ کو اپنا جواب دینا ہے مجھے اپنا دینا ہے۔ میں یہ مشورہ ضرور عرض کروں گا کہ آپ دس منٹ' بارہ منٹ ایسے ضرور مختص کریں روزانہ جن میں ساری باتوں کو بھول کر صرف اللہ اللہ کریں اور دل پر متوجہ ہو کر اللہ کا نام لیں پھر دیکھیں اللہ کیسے ذرائع پیدا فرماتا ہے۔ یھدی الیہ من ینیب جس میں انابت آتی ہے اس کے لئے خود ذرائع ہدایت پیدا فرماتا ہے خود ایسی مجالس' ایسی محافل ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہے جہاں اللہ کا نام اسے نصیب ہو جاتا ہے اور اصلاح کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا :۔ کوئی بھی ایسی تفسیر نہیں جس میں سب سے زیادہ فضیلت ذکر خفی

اور قلبی کو نہ دی گئی ہو۔ کوئی ایسا ذخیرہ حدیث نہیں ہے جس میں آپ ﷺ سے ذکر کرنا' ذکر کا حکم دینا' صحابہؓ سے ذکر کرانا یا ذکر کی فضیلت یا ذکر قلبی خفی کی بہت زیادہ فضیلت بیان نہ کی گئی ہو۔ غرض تو اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ غرض تو باطن کو ذاکر کرنا ہے' غرض تو قلب کو ذاکر کرنا ہے۔ غرض تو آیت کریمہ کے اس حکم اور ارشاد کی تعمیل ہے کہ اللہ کا ذکر کرو۔ و ذکراسم ربہ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر Round the Clock کرو' سب سے زیادہ کثرت سے کرو' ذکر کثیر کرو' بہت زیادہ کرتے رہو۔ ذکر معاف نہیں ہے نہ مرد کو نہ عورت کو وہ پاک ہے تو بھی ذکر کرے۔ نہیں تو بھی ذکر کرے' جب تک اس کے حواس کام کرتے ہیں اس میں ہوش ہے تب تک اسے ذکر کرنے کا یہ حکم ہے ہر حال میں' کوئی استثنیٰ نہیں' کوئی اس کی قضا نہیں ہے' کوئی اس کی معافی نہیں ہے' کوئی اس کی حد نہیں' کوئی اس کا موسم نہیں ہے' کوئی اس کی جگہ متعین نہیں۔ جہاں ہو' جس حال میں ہو' جو وقت بھی ہو اللہ کا ذکر کرتے رہو اور کثرت سے کرو۔

ذکر و اخذ فیض

فرمایا:۔ پھر ان کا (یعنی باقی سلاسل کا) اخذ فیض کا طریقہ مختلف ہے وہ بجز صحبت کے بجز کسی زندہ وجود کے' کسی دوسرے سے اخذ فیض کی استعداد نہیں رکھتے۔ فنا بقا سے آگے کے منازل میں کوئی قدم رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے ارواح کے ساتھ ربط حاصل ہو اور وہ روح آقائے نامدار ﷺ سے براہ راست مستفید ہو اور بزرگان دین کے ارواح سے براہ راست اس کی روح اخذ فیض کرے۔ اگر یہ نہ کر سکے تو عالم بالا میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ آگے چل کر سب اس طریقے کو اپناتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو اول سے ہی اللہ جل شانہ نے یہ قوت دی ہے کہ آقائے نامدار ﷺ کے سینہ اطہر کے انوارات کو اپنے دل میں کھینچ کر طالب کے دل پہ ان کو انڈیل دیں' پلٹ کر رکھ دیں' ایک

موسلا دھار بارش کی طرح برسا دیں توجہ کرنا یا متوجہ ہونا یہ منصب تو شیخ کا ہے لیکن اس توجہ کو قبول کرنا طالب کے لئے ضروری ہے اور یہ طلب پیدا کرنا طالب کا کام ہے کہ اسے ایک خاص شیخ کی توجہ سے بھی خاص انس حاصل کرنا ہے۔

علم دین و صفائی قلب

فرمایا :- علم دین دلوں سے دلوں تک سفر کرتا ہے۔ سب سے بنیادی شرط تو نور ایمان ہے۔ اگر نور ایمان نہ ہو تو اس کی قیمت کا آدمی کو احساس ہی نہیں ہوتا' اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور ایمان کے بعد پھر مقام ہے تقویٰ کا۔ کہ جتنا جو نیک ہو گا' جتنا آئینہ دل صاف ہو گا' اتنے علوم اس کے دل پر زیادہ اثر پذیر ہوں گے اور اگر آئینہ دل غبار آلود ہو تو وہی آیات ہم سنتے ہیں' وہی احادیث پاک ہم سنتے ہیں اور سارا دن سن کر اسی کے خلاف عمل کرتے ہیں عملی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فرمایا :- کمال انسانیت یہ ہے کہ بھرپور' خوبصورت اور معتدل زندگی گزاری جائے جس میں ایک ترتیب' ایک معیار اور ایک حسن جھلکتا ہو اور یہ سب کچھ رب جلیل کو راضی رکھنے کے لئے کیا جائے اور واقعی یہی معیار کمال بھی ہے کہ لباس اچھا ہو مگر تفاخر کے لئے نہ ہو۔ پیٹ بھرا ہو مگر حلال سے۔ بازو میں قوت ہو مگر زیادتی نہ کرے۔

فرمایا :- انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو فن سکھاتے ہیں اس کا تعلق ہی دل سے ہے اور جب دل ہی فدا ہو جاتا ہے یا ایک خاص کیفیت کو اپنا لیتا ہے تو دماغ لا محالہ اس کی اطاعت کرتا ہے لہٰذا انبیاء صرف تھیوری پر ہی بحث نہیں فرماتے بلکہ دلی کیفیات عطا فرماتے ہیں اور تزکیہ نبوت کے فرائض میں سے ہے۔

فرمایا :- انسان کو ایک کیفیت' ایک استطاعت عطا ہوتی ہے اور وہ معرفت باری کو حاصل کرنے کی سکت اور شعور پاتا ہے۔ اب ایک طرف دنیا اور اس

کی لذات' نفس اس کی خواہشات' ابلیس اور اس کے مشورے اور دوسری طرف جمال باری اور قرب الٰہی ہے ان دو راستوں میں فیصلہ انسان خود کرتا ہے اللہ کریم اس پر مسلط نہیں فرماتے کہ اسے کس جانب بڑھنا ہے اگر اللہ کی راہ اختیار کرتا ہے تو جس کی اجازت اللہ دیں وہ کرتا ہے اور اگر دوسری راہ اپناتا ہے تو دین سے محروم ہو کر دنیا میں کھو جاتا ہے حتیٰ کہ نگاہ ٹیڑھی اور دل الٹ جاتا ہے یعنی ظاہری اور باطنی ادراکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

بلکہ محققین صوفیاء کو میں نے پڑھا ہے۔ بڑی مزے کی بات کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وعظ کہنے کی بجائے لوگوں کو حضورﷺ کی سوانح سے آگاہ کرو تمہاری نصیحتوں سے آپ کی ادائیں زیادہ موثر ہیں اور یہ تجربہ بھی ہے کہ جوں جوں کوئی حضور اکرمﷺ کی حیات طیبہ سے واقف ہوتا ہے وہ اس پہ قربان ہونے کو ازخود تیار ہوتا چلا جاتا ہے اس کا جی چاہتا ہے کہ میرا نبی ایسا کرتے تھے میں بھی ایسا کروں۔

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ جو وسائل' جو اسباب' انسان کے بس میں ہوں انہیں پیش کر دے۔ اب دعا کرے کہ بار الٰہا میری کوشش' میرے وسائل' میری جان حاضر ہے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں کرنا تو تجھی کو ہے۔

ذکر قلبی اور شیطانی وساوس

جو لوگ قلبی ذکر کرتے ہیں اور سیکھتے ہیں' اس میں وقت لگاتے ہیں شیطان کا وہ خاص نشانہ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے تو اس کے دل میں ہمیشہ درد پڑا رہتا ہے۔ کسی دل کو یہ منور نہیں دیکھ سکتا۔ کثرت سے نمازیں پڑھنے اور کثرت سے حج کرنے سے یہ نہیں گھبراتا۔ یہ جانتا ہے کہ ایک شوشہ ریاکاری کا دل میں چھوڑ دیا تو یہ ساری عبادتیں نفی ہو جائیں گی۔ لیکن جب دل میں نورانیت آنا شروع ہو جاتی ہے اس کی رسائی نہیں رہتی۔ قلب پر براہ راست اس کا حملہ نہیں ہوتا پھر یہ نفس کو اکساتا ہے۔

صوفیوں میں جتنے لوگ اس راستے سے بھٹک گئے اگر آپ تجزیہ کریں تو ان میں نفس کی شرارت پائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب دل منور ہو جاتا ہے تو براہ راست قلب میں یہ بات نہیں ڈال سکتا پھر یہ نفس کے ساتھ محنت کرتا ہے اور نفس کی کوئی نہ کوئی خواہش انہیں اس منزل سے گرا دیتی ہے۔ اس کے یہ سب کچھ کرنے کے طریقے معروف محققین نے ارشادات فرمائے اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بالخصوص ہمیں جو سمجھایا کرتے تھے ان میں یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے انسان کے عقائد میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ مختلف سوچیں نفس کو آنی شروع ہو گئیں' قیامت کیا ہو گی' یہ کیسے ہے' یہ خدا کا کیا حکم ہے' یہ حضور ﷺ کی سنت کیسی ہے یعنی کہیں نہ کہیں سے عقائد میں تلاش کرے گا کہ کوئی جگہ مل جائے اور اگر یہ سمجھے کہ یہ شخص عقائد میں بات نہیں سنتا تو پھر دوسرا حملہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ جہاں سے اس نے برکات لی ہیں شیخ کے ساتھ اس کا ٹکراؤ کرایا جائے (اللہ تعالیٰ اس سے اپنی حفاظت میں رکھے۔) آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ پر یہ باتیں آتی ہیں جو لوگ بوڑھے ہوتے ہیں وہ بھی بچپن' لڑکپن' جوانی گزار کر بڑھاپے میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم بھی اس سارے پراسس سے گزر کر آئے ہیں۔

شیطان وسوسہ ڈال سکتا ہے وہ عملاً" کر کے دکھاتا ہے تو اس طریقے سے یہ اس کی دوسری کوشش ہوتی ہے لیکن اگر آدمی اس سے بچ جائے تو پھر اعمال میں کوشش کرتا ہے چھوڑو یار کل کر لینا ذکر' آج کیا ضرورت ہے' ابھی تو لیٹے ہو' ابھی اٹھنے کی کیا ضرورت ہے بہت ہو گیا بس کرو' ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا تھا۔ جب ہم لطائف کرتے تھے تو ہمیں بھی بار بار گھڑی دکھاتا تھا تو ان محاذوں پر مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اللہ سے دعا کرنا پڑتی ہے کہ مجھے اس راستے میں بچا۔ گزرنا سب کو اسی راستے سے ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ کے سامنے یہ چیز آ جائے گی لیکن اللہ کی تائید سے اور اگر ہمت دے دے تو آدمی گزر جاتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کچھ نہ ہو سکے تو پھر یہ کتے کی طرح

بھونکتا ہی رہتا ہے۔ آدمی کو تنگ کرنے سے باز نہیں آتا۔ کسی اپنے نمائندے کو اس پر مقدمہ کرنے کا مشورہ دے دیا' کسی کو اس پر بہتان لگانے کا مشورہ دے دیا' کسی کو اس سے جھگڑا کرنے کا کہہ دیا تو اس طرح سے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ پھر اس سے بڑھ کر خود بھی محنت کرتا ہے مثلاً" رات کو سونے نہ دیا' جگا دیا۔ کوئی نہ کوئی طریقہ یہ اپنا جاری رکھتا ہے پھر بالخصوص ایسے گھروں میں جہاں ذکر کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تو وہاں اس کا بڑا داؤ چلتا ہے۔

گناہوں کے اثرات

فرمایا :- اگر انسان راہ راست سے ہٹ جائے یا اللہ جل شانہ کی اطاعت چھوڑ دے تو دنیا میں اسے جو سزا دی جاتی ہے وہ یہ ہے اللہ جل شانہ یہی یاد اس کے دل سے بھلا دیتے ہیں۔ اور اپنا نام اس کی زبان سے چھین لیتے ہیں۔

فرمایا :- صوفیاء نے ہمیشہ منتخب افراد کو ذکر قلبی سکھایا ہے۔ ہزاروں لاکھوں افراد آتے تھے انہیں وہ تسبیحات' تلاوت' نماز روزہ کا حکم دے کر نیکی کرنے کی تلقین فرماتے۔ مسنون ارشادات ظاہری اصلاح کے لئے انہیں بتا کر ان کے لئے دعا کر دیتے۔ انہیں کوئی تسبیحات مسنونہ متقدمین صوفیہ سے لے کر بتا دیتے۔ آج تک تصوف میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام صوفیاء کا سرخیل اور ان کا پیشوا اور سب سے بلند مقام پر تسلیم کیا گیا ہے مگر آپ کے بھی تربیت یافتہ افراد انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جنہیں آپ نے ذکر قلبی تعلیم فرمایا۔ کتنے لوگوں کو فنا فی الرسول کرایا حالانکہ انہیں خود ہوتا تھا آپ کرا سکتے تھے۔ مگر یہ اتنا مشکل کام ہے کہ زندگی میں مجھے کسی مشکل سے اس قدر سابقہ نہیں پڑا جتنا دوسروں کو تصوف تعلیم کرنا اور انہیں عملی طور پر تفویض کرنا اور ان کے طائف میں انوارات منتقل کرنا۔ اتنے برس لگانے کے بعد اب مجھے یہ سمجھ آئی ہے کہ صوفی ہر آدمی کو کیوں نہیں سکھاتے تھے۔ اب میں کسی حد تک اس بات کو سمجھنے لگا ہوں کہ یہ لوگ اس بات سے کیوں بھاگتے تھے کہ لوگ اس قدر اپنا

آپ پسند نہیں کرتے کہ یہ بات ان میں انجیکٹ کی جائے۔ تو ہم نے پوری تاریخ تصوف میں یہ بالکل عجیب بات شروع کی کہ جو بھی آئے خواہ وہ مرد ہو۔ خواہ وہ خاتون ہو اسے اللہ اللہ سکھاؤ' اس کے لطائف روشن کرو اس کے ساتھ محنت کرو۔ اسے توجہ دو اور اسے اس راستے پر لگا دو۔

اگر کوئی شخص صاحب طریقت ہے تو اسے سزا وار یہی ہے کہ اس کے پاس جو بیٹھے اسے لطیفہ قلب ہی حاصل ہو جائے اس کا دل منور ہونا چاہئے اگر ایسا نہیں ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ سنت صوفیاء سے چھوٹ جائے گی یہ سنت رہ جائے گی اور اس کے رہ جانے کا نقصان بھی اٹھایا۔ لوگوں سے اس کے رہ جانے کا نقصان یہ ہوا کہ کسی نے مراقبات ثلاثہ پر سلوک کی انتہا سمجھ لی۔ کسی نے زیادہ تیر مارا تو اس نے فنا بقا پر یہ سمجھا کہ اب سلوک تمام ہو گیا اور صرف چند لوگ ایسے ہیں جو سالک المجذوبی کی کسی منزل میں جھانک سکے اور پہلے سے نویں عرش تک گنتی کے افراد اس پورے برصغیر میں ملتے ہیں اور ہم نے کئی دفعہ کوشش کی بالائے عرش یعنی عالم امر میں برصغیر کے اس سرے سے اس سرے تک چھ سات سے زیادہ آدمی نظر نہیں آتے۔

اہمیت قلب

قرآن حکیم کو ہم جہاں سے بھی کھولیں جب بھی ہدایت بیان فرماتا ہے ہدایت کا بنیادی سبب قلب کی روشنی' دل کا نور اور دل کی اصلاح ہی کو قرار دیتا ہے اور گمراہی کا سبب دل کی تاریکی قرار دیتا ہے۔ تلاش نہیں کرنا پڑتا بلکہ کہیں سے کھولیں ہر جگہ' جہاں بھی آپ کو یہ بحث ملے کہ کون سی قوم گمراہ ہوئی اور اس کی گمراہی کے اسباب پر بحث ہو گی کہ قلوب کیوں تاریک ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر کسی کی ہدایت کی تعریف کی گئی ہو گی تو اس کا ہدایت پر قائم رہنے کا بنیادی سبب اس کے قلب کی نورانیت یا اصلاح پر ہو گا اور پھر وہ ذرائع بیان کئے جائیں گے جن سے قلب روشن ہوتا ہے اور یہ کسی ایک دو مقام پر

نہیں بلکہ بنیادی نکتہ ہے جس پر قرآن حکیم کی ساری تعلیمات کا دارومدار ہے۔
فرمایا :- اسی لئے یہ کام ازخود نہیں ہوتا یہ فرائض نبوت میں سے ہے تزکیہ قلوب یہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے فرائض میں ہے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کا تزکیہ فرمایا۔ صحابہؓ کی صحبت میں رہ کر تابعینؒ کا تزکیہ ہوا اور جس طرح علم سیکھنے کے لئے آدمی کو استاد کی خدمت میں رہ کر اس کو حاصل کرنا پڑتا ہے اس طرح کسی شیخ کی صحبت میں بیٹھ کر اس کو توجہ باطنی حاصل کرنا پڑتی ہے' ان کے ساتھ محنت و مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔
فرمایا :- ہر چیز کی حیات ہوتی ہے۔ ایک درخت کی جڑ سوکھ جائے تو آپ اسے جتنی زرخیز زمین میں لگا دیں اس میں اس زرخیزی کو جذب کرنے کی استعداد ہی نہیں رہتی۔ اس نے لینا ہی جڑ سے ہے۔ اسی طرح دل سب چیزوں کو وصول کرنے کا راستہ ہے جب یہی مردہ ہو جائے' جب یہ بگڑ جائے' اس میں قبولیت کی استعداد نہ رہے تو یہ انسان کے بگاڑ کی بنیاد ہوتی ہے۔
فرمایا :- جب دل تباہ ہوتے ہیں تو پھر دل میں ازخود اللہ کی تائید یا اللہ کے دیئے ہوئے نور سے دیکھنے اور سننے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے پھر وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے' شیطان کے کانوں سے سنتا ہے اور شیطان ہر برائی انہیں سجا کر پیش کرتا ہے۔
فرمایا :- انسان اپنے دل کی طرف توجہ نہ دے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے سیاہ ہو جاتا ہے اور سخت ہوتے ہوئے خدانخواستہ اتنی سختی اختیار کر لے کہ اس کی اصل خصوصیات تبدیل ہو جائیں تو اتنی بڑی تباہی بھی آسکتی ہے۔ اللہ کریم اس سے محفوظ رکھے۔
فرمایا :- جب دین اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس کے بعد کوئی آسمانی مذہب نہیں آئے گا۔ جب اسے قائم رکھنا ہے تو وہ ایسے بندے بھی ضرور رکھے گا جو دین کے حامل ہوں گے اور دین کی خدمت کریں گے اور اس ضمن میں اگر آپ کو یا مجھے خدا نے توفیق دی ہے تو یہ اس کا

احسان ہے ہمارا نہیں چونکہ اللہ نے دین کو قائم رکھنا ہے وہ جس سے چاہے اس سے کام لے لے۔

فرمایا :- جسم انسانی میں دل ہی ایسا عضو ہے جو پورے جسم انسانی پر حکومت کرتا ہے۔ دل ہی وہ حصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا ہے اور دل ہی جسم کا وہ حصہ ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ذہن ہو' نگاہ ہو' زبان ہو' ہاتھ یا پاؤں ہوں سب اصلاح پذیر ہو جاتے ہیں اگر دل بگڑ جائے تو تمام جسد کو بگاڑ کر تباہ کر کے رکھ دیتا ہے دراصل حضور اکرم ﷺ کی برکات دل ہی سے متعلق ہیں اور دل کی کیفیات میں دو رنگی نہیں ہوتی۔ ذہن سوچتا کچھ ہے زبان سے کچھ نکلوا دیتا ہے لیکن دل میں دو کیفیتیں بیک وقت نہیں رہ سکتیں۔ جو تصویر بھی دل میں موجود ہو اس کے خلاف کوئی رنگ دل میں نہیں ابھرتا۔ اگر ایمان ہو تو اس میں کفر کی بنیاد نہیں رہتی اور اگر دل میں کفر ہو اعضاء و جوارح اذانیں کہتے رہیں تو ایمان کی کوئی رمق اس دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

حضور اکرم ﷺ کے فیوضات و برکات صرف اور صرف ان لوگوں کو نصیب ہوئے جن کے قلوب نے آپ کی ذات اقدس کو قبول کیا ورنہ بعثت نبوی تو رہتی دنیا تک ساری انسانیت کے لئے تھی۔ آج بھی انسانوں کے لئے حضور ﷺ ہی نبی ہیں اور اس دور میں بسنے والے روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے بھی آپ ہی کی نبوت ہے۔

عقیدت خلوص و برکات نبویؐ

فرمایا :- جو لوگ برکات نبوی ﷺ کے امین ہوتے ہیں ان سے جب کوئی شاگرد برکات نبوی ﷺ حاصل کرتا ہے تو وہاں وہی قانون درمیان میں آ جاتا

ہے۔ وہی خلوص چاہئے ہو گا' وہی ادب و احترام چاہئے ہو گا' وہی اطاعت اتباع چاہئے ہو گی۔ صرف ایک تبدیلی آ جائے گی۔ نبی ﷺ جب کام کرتے ہیں وہ دلیل ہوتی ہے کہ یہ حق ہے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ نبی ﷺ کا کوئی جانشین جب کام کرے گا تو دیکھا جائے گا کہ یہ نبی ﷺ کی اطاعت کے اندر کام کر رہا ہے تو ہمارے لئے واجب الاتباع ہے لیکن اگر اطاعت نبوی ﷺ سے نکل گیا تو ہم اطاعت نبی علیہ السلام ہی کی کریں گے۔

فرمایا :- جو لوگ برکات نبوی ﷺ سے خلوص' ذکر قلبی' کیفیت قلبی' احوال قلبی حاصل کرتے ہیں۔ ان کا قانون بھی یہی ہے کہ خلوص کے ساتھ شیخ کے ساتھ رشتہ رکھیں اس سے وہ کیفیات اپنے دل میں لائیں اور ان کیفیات سے انہیں اللہ کی رضا پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو اور پورے خلوص سے عمل کریں لیکن اگر کبھی ان کے دل میں گستاخی آ گئی یا شیخ سے بے وفائی کا اندیشہ آ گیا تو جو نبی علیہ السلام کے ساتھ بے وفائی کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہے وہی سلوک ان کے ساتھ ہو گا۔

فرمایا :- قلب کے سلیم ہونے کے لئے دو شرائط ہیں۔ اول صحت از امراض' قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر' شرک' شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے۔ ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لئے بھی غذا صالح درکار ہے مگر قلب کے لئے غذا کے صالح ہونے کی نشان دہی یوں کی گئی ہے کہ قال اللہ تعالی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سنو ذکر الہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں' علاج قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر میسر نہیں آتا۔

لطائف کی حقیقت

انسان کا اہم حصہ اس کی روح ہے اور جس طرح بے شمار نعمتیں بدن کی تعمیر اور اصلاح کے لئے ہیں اس طرح روح کی تعمیر' اصلاح' غذا اور دوا کے لئے بھی ایک عالم ہے۔ انسان اربعہ عناصر سے ہی نہیں بلکہ اس میں خمسہ عناصر عالم امر سے بھی موجود ہیں۔ جو جس طرح بدن کی تعمیر میں مقام رکھتے ہیں اسی طرح وہ روح کی محسوسات کا اور روح کو غذا پہنچانے کا سبب ہیں جنہیں اصطلاح میں لطائف کہا جاتا ہے۔ چونکہ روح خود ایک جسم لطیف ہے اس کے اعضائے رئیسہ بھی لطیف تر ہیں جس طرح بدن کے اعضاء رئیسہ ہیں دل ہے' دماغ ہے' جگر ہے' گردے ہیں' پھیپھڑے ہیں اس طرح روح کے اعضائے رئیسہ قلب' روح' سری' خفی اور اخفی ہیں۔

اب بدن کو جو غذا پہنچتی ہے اس کا اہم عنصر تو مٹی ہے لیکن اس کے ساتھ مختلف چیزیں پانی سے' ہوا سے' اس میں شامل ہو کر اسے مختلف صورتیں دیتی ہیں اور یہ ایک نظام ہے رب العالمین کا کہ مختلف غذاؤں کی شکل میں انسان کے بدن کی کہیں تعمیر کے لئے' کبھی اصلاح کے لئے غذا اور دوا کی صورت میں پہنچتا ہے۔ اسی طرح جو روح کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسے عالم امر کی جو تجلیات نصیب ہوتی ہیں عالم ان کا سبب اولوالعزم رسول بنتے ہیں۔ تمام انبیاء انہی کی شریعت' انہی کی تائید کے لئے تشریف لائے۔ ان تین سو تیرہ میں پانچ رسول اولوالعزم ہیں حضرت آدمؑ' حضرت نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور یہ پانچوں ہستیاں اکتساب فیض کرتی ہیں آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ سے تو وہ خمسہ لطائف انسانی روح کا حصہ یا روح کی حسیات ہیں انسان کے سینے میں مختلف جگہوں پر ان کا تعین فرمایا گیا ہے۔

لطائف بنیادی طور پر پانچ ہیں یہ عالم امر کی چیز اور روح کا حصہ ہیں۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ انسان پانچ چیزوں یعنی آگ' ہوا' پانی' مٹی اور ان کے ملنے سے نفس بنا۔ سے ہی نہیں بلکہ دس چیزوں کا

مرکب ہے جس میں پانچ لطائف قلب' روح' سری' خفی اور اخفاء ہیں یعنی
لطائف جو ہیں جس طرح مٹی کے مزاج میں اور مختلف بدنوں کے مزاج میں
مختلف مادی اجزاء ہیں اسی طرح چونکہ روح بدن میں خود موجود ہے تو بدن کو
اس کی وساطت سے منور کرتے ہیں۔ اب کسی بدن سے روح نکل جائے تو اس
کے بدن کو لطائف نہیں کرا سکتے اللہ نے بعض مشائخ کو یہ قوت دی ہوتی ہے کہ
ان کی توجہ جب برزخ میں ہوتی ہے تو روح کے لطائف منور ہو جاتے ہیں اور
الا ماشاء اللہ صدیوں میں کوئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ یہ توفیق دے دیتا
ہے۔ اگر آدمی کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہو (کافر کے لئے نہیں) تو بعض
اوقات بعض مشائخ سے یہ حال ملتا ہے کہ برزخ میں بھی وہ توجہ کریں تو روح
کے لطائف منور ہو جاتے ہیں اور اگر ایک لطیفہ بھی منور ہو جائے تو عذاب ختم
ہو جاتا ہے اور بدن کو بھی اس سے نجات نصیب ہو جاتی ہے۔

تو لطائف بنیادی طور پر روح ہی کا خاصہ ہے چونکہ روح بدن میں موجود
ہے تو بالواسطہ بدن میں ان کا وجود موجود ہے اسی لئے بعض سلاسل اس بات پر
متفق نہیں ہیں کہ کون سا لطیفہ کس جگہ ہے۔ اپنے اپنے مشاہدے یا تجربات
رشاد فرماتے ہیں وہ ان کی اپنی صوابدید کا تعین ہے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غرض
ہے کہ لطائف روشن ہوں اور روح چونکہ سارے بدن میں سرائیت کئے
وئے ہے تو بدن کے کسی حصے میں ہی ہوں گے بدن سے باہر تو نہیں اور روح
ن میں موجود ہے تو اس میں ہمارے لئے ضروری یہ ہو گا کہ ہمیں ہمارے
ساتذہ نے جو تربیت دی ہے یا جس طرح ہمیں فائدہ ہو رہا ہے ہم اس پر عمل
ریں اور کوئی دوسرا جو طریقہ ہے وہ ان کا اپنا ہے لیکن اس میں کوئی ایسی
راضگی یا اختلاف کی بات نہیں ہے۔ تو لطائف خمسہ سے روح کو اور بالواسطہ
ن کو بھی ان سے روشنی پہنچتی ہے اور بدن کا ذرہ ذرہ ذاکر بھی ہو جاتا ہے'
ور بھی ہو جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ جب تک اجزائے بدن ذاکر نہ ہوں کم
کم اس پر سے غفلت نہیں جاتی۔ اگر کوئی عابد اور زاہد بھی ہو تو اس میں

حضوری کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور اس سے غفلت نہیں جاتی اور عبادت میں بھی بے فکر ہی رہتا ہے اور عبادت سے باہر اس پر تو وہ کیفیت وارد ہی نہیں ہوتی۔ اس لئے تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ مرحوم ہےؒ نے اس ذکر قلبی کے حصول کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے واجب لکھا ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے واجب ہے کہ وہ ذکر قلبی حاصل کرے۔

اس پوری کائنات میں انسان ایسی مخلوق ہے جو اللہ کریم کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے اس مختصر سے وجود میں اللہ کریم نے وہ خصوصیات رکھی ہیں' وہ متضاد اوصاف رکھے ہیں کہ یہ صرف اسی کا کام ہے اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ مٹی' پانی' آگ اور ہوا کو یکجا کر کے اس میں روح پھونکی اور یہ پانچ اجزاء انسان کے اجزائے ترکیبی قرار دیئے۔ حکماء اور اطباء کی نگاہ تو ان پانچ اجزاء تک ہی پہنچی مگر اہل دل کا کہنا ہے کہ انسان کے اجزائے ترکیبی پانچ نہیں دس ہیں۔ چار اجزاء تو مادی ہیں نفس ان کی آمیزش سے پیدا کیا اور پانچ دوسرے اجزاء پانچ لطائف ہیں جو عالم امر کی چیز ہے یہ ایک عجیب آمیزہ ہے کہ مادہ کی انتہائی ٹھوس چیز کے ساتھ عالم امر کی لطیف ترین شے کو اس طرح ملایا کہ انسان کو عالم امر اور عالم خلق دونوں کی نمائندگی کا شرف عطا فرمایا۔

فرمایا : یہاں جو بعض لوگوں کو غلطی لگتی ہے کہ ذکر کرنے سے یا عبادت و اطاعت سے مجھے مختلف کمالات کیوں حاصل نہیں ہوتے اس کا جواب بھی یہ ہے کہ اطاعت کا ثمرہ تقویٰ ہے پس ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ پہلے میرے دل کی' میرے اعمال کی اور میرے احساسات کی حالت کیا تھی اور ذکر و اذکار یا عبادت کرنے کے بعد میری قلبی کیفیت کیا ہے اور میرے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ اگر واقعی اللہ کی نافرمانی کم ہو رہی ہے اور جذبہ اطاعت پیدا ہو رہا ہے تو جس مجلس کی یہ برکات ہیں وہ حق ہے اور اگر محض وقتی ہیجان اور جوش ہے مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آ رہی ہے جو بدن کو منہیات سے روک دے تو وقت کا ضیاع ہے۔ کشف و کمال حاصل ہو نہ کوئی مزید ار انعام تو کوئی

حرج نہیں مگر تقویٰ ضرور حاصل ہونا چاہئے خواہ کسی درجے میں ہو۔ ہر شخص کا تقویٰ بھی اس کی ہمت کے مطابق ہو گا۔

لطائف پر الوالعزم انبیاء کے انوارات

یہ پانچوں لطائف جو انسان کے سینے میں ہے جب ان پر ذکر کیا جاتا ہے تو یہ اولوالعزم ہستیوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ پہلے لطیفے پر حضرت آدمؑ کی وساطت سے انوارات آتے ہیں جن کا رنگ اگر قلب کی آنکھ کھل جائے تو زرد نظر آتا ہے۔ زرد رنگ کی روشنی سی آ کر اس میں سماتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی طرح دوسرے لطیفے پر جسے روح کہا جاتا ہے اس پر دو رسول معین ہیں جن کی برکات آتی ہیں حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ، سرخی مائل سنہری رنگ کے انوارات ہوتے ہیں روشنیاں ہوتی ہیں جو منعکس ہو کر اس میں سرایت کرتی جاتی ہیں۔ تیسرے لطیفے پر حضرت موسیٰؑ کے انوارات آتے ہیں جو بالکل روشن اور سفید ہوتے ہیں۔ چوتھے لطیفے پر حضرت عیسیٰؑ کی برکات آتی ہیں۔ گہرے نیلے رنگ کے انوارات ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ سیاہی کا دھواں نظر آتا ہے۔ پانچواں لطیفہ جو ان چاروں کے درمیان ہے اس پر براہ راست نبی کریم ﷺ کے انوارات آتے ہیں، ان کا رنگ گنبد خضراء کے رنگ کی طرح سبز ہوتا ہے۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر جو ذکر کیا جاتا ہے اس پر براہ راست تجلیات باری ہوتی ہیں جو بجلی کی طرح چمک کر غائب ہو جاتی ہے جن کے رنگ یا کیفیت یا کمیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے بجلی چمکتی ہے تو ہم اس کا کوئی رنگ متعین نہیں کر سکتے اسی طرح سے روشنی کے چھپاکے ہوتے ہیں ان کا رنگ متعین نہیں ہوتا لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب ساتوں لطائف روشن ہو جائیں تو وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جاتا ہے جس طرح ارشاد خداوندی ہے۔

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

ذکر و معرفت

فرمایا :- ذکر و معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ حصول معرفت کا ذریعہ اگر ذکر ہے تو معرفت کا ما حصل بھی ذکر ہے۔ جب معرفت باری کا کوئی شمہ نصیب ہو جائے تو عظمت باری مستحضر ہوتی ہے .اور آدمی اپنی بے بسی اور محتاجی کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اپنے وجود، اپنے کمالات، اپنے اعزازات سب اللہ کی عطا کے مختلف مناظر بن کر سامنے آتے ہیں جو کثرت ذکر کا سبب بن جاتے ہیں۔ جیسے بیج درخت کے اگنے کا سبب بھی ہے اور اس کے پھل کے اندر پھر بیج ہی حاصل ہوتا ہے اسی طرح ذکر ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی، یہ تخم بھی ہے اور ما حصل بھی، لھذا اللہ کے احسانات کے پیش نظر کثرت سے ذکر کرو۔

فرمایا :- ہمارا مشن دنیا کو چھوڑ کر بیٹھے رہنا نہیں ہے بلکہ یہ دنیا ہمارے رب کی ہے۔ اس نے ہم سب کو رہنے کے لئے دی ہے اور ہمیں اسے سنوارنے کے لئے بھیجا ہے۔ ہمارا مشن یہ ہے کہ ترک دنیا کی بجائے ہم اس دنیا کو استعمال کریں جس کے لئے یہ بنی ہے اور جو قاعدہ رب کریم نے اسے استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا ہے تاکہ دنیا پر یہ ثابت ہو جائے کہ اسلام یا ذکر الہی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ پستیوں سے اٹھا کر عظمتوں سے آشنا کرنے کا آسان ترین راستہ اور مختصر ترین زینہ ہے۔

فرمایا :- ہر چیز کو صاف کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے جس سے اس کی گندگی کو دور کیا جاتا ہے اور دلوں کی صفائی کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر سے دلوں کی صفائی کا کام لیا جاتا ہے اسے حضور حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام سلوک ہے۔

لطائف اور وقت

فرمایا :- صبح و شام کے اذکار میں جو وقت لطائف کے لئے میں آپ کو دیتا ہوں۔ وہ بہت تھوڑا ہوتا ہے اس لئے نہیں کہ شاید لطائف پہ زیادہ وقت لگانے

کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شب و روز آپ لطائف کرتے ہیں اور احباب کراتے رہتے ہیں۔ میرے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر استعداد طائف میں پیدا ہو چکی ہے اس قدر انہیں توجہ دے دی جائے۔ وہ کام بفضل اللہ ایک نگاہ میں ہو سکتا ہے۔ جہاں تک اخذ تو جہات کی استعداد کو پیدا کرنا ہے اس کے لئے مجاہدہ شرط ہے اور اس کے لئے اشد محنت کی ضرورت ہے احباب کے ساتھ مل کر کرے۔ تنہا کرے' لطائف کثرت سے کرتا رہے پھر ایک لمحہ کی صحبت بھی اسے ساری برکات عطا کر دیتی ہیں۔ جب آدمی مجاہدہ یا لطائف کثرت سے کرے تو جس طرح کھانے کی بھوک لگتی ہے اس طرح شیخ کی توجہ کے لئے بھوک پیدا ہو جاتی ہے محسوس ہوتا ہے۔ مشاہدہ نہ بھی ہو تو یہ چیزیں محسوس ہوتی ہے۔

فرمایا:- ہمارے طریقہ ذکر میں یہ ہے کہ جب آپ سانس لیتے ہیں تو اس میں لفظ اللہ کو اندر دل کی گہرائی تک اترتا ہوا محسوس کریں اور جب سانس چھوڑیں تو اسی سانس کے ساتھ اندر سے ھو خارج ہو اور اس کی چوٹ لطیفے پر پڑے۔ اسی طرح آپ دوسرے لطیفے پر جاتے ہیں تو لفظ اللہ کو سانس کے ساتھ دل کی گہرائی تک اترتا دیکھیں اور جب چھوڑیں تو ھو کی ضرب دوسرے لطیفے پر لگے۔ اس طرح سے تیسرے' چوتھے' پانچویں' چھٹے پر لفظ اللہ دل کی گہرائیوں میں اترتا جائے اور ھو کی ضرب متعلقہ لطیفے پر لگے۔ ساتویں لطیفے پر سانس جب اندر لیتے ہیں تو آپ یہ سوچیں کہ لفظ اللہ چوٹی سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک رگ رگ میں دھنس گیا ہے اور جب آپ ھو کہیں تو پورا بدن ایک شعلہ بن جائے اور ہر مسام سے پھر وہ شعلہ نکلے۔ اس لئے اسے سلطان الاذکار کہتے ہیں کہ تمام جسم کے ذرات ذاکر بن جاتے ہیں تو یہ حضرات جو ذکر کرواتے ہیں یا ذکر کا طریقہ بتاتے ہیں یہ بڑی احتیاط سے نوٹ کر لیں کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جب سانس کھینچیں تو لفظ اللہ دل کی گہرائیوں تک اندر اترتا ہوا جائے جب سانس چھوڑیں تو ھو خارج ہو اور ھو کی چوٹ لطیفے پر لگے۔

فرمایا: سلسلہ عالیہ کا جو طریقہ ذکر ہے اس میں قلبی طور پہ ذکر کیا جاتا ہے سانس تیزی سے لینے کا یا وجود کی حرکت کا یا دماغی سوچ کا اپنا اپنا اس میں کردار ہے۔ ہر سانس میں یہ سوچا جاتا ہے کہ اندر جانے والا سانس اپنے ساتھ لفظ اللہ کو دل کی گہرائی تک لے کر جا رہا ہے جب باہر خارج ہوا ہے تو ھو کی چوٹ لطیفہ قلب پہ پڑتی ہے یا اس کے بعد دوسرے تیسرے' چوتھے لطائف پہ اس میں تسلسل شرط ہے کہ سانس نہ ٹوٹنے پائے۔ آدمی بات نہ کرے' زبان بند ہو' آنکھیں بند ہوں تو مسلسل ذکر سے جو حدت اور روشنی پیدا ہوتی ہے جب دوسرے لطیفے پہ جاتا ہے تو اس گرمی کو اس روشنی کو ساتھ لے کر جاتا ہے وہاں پہ ذکر کرنے سے اس میں مزید قوت پیدا ہوتی ہے تو اسے ساتھ لے کر تیسرے لطیفے پہ لے جاتا ہے' اسی طرح چوتھے' پانچویں' چھٹے اور ساتویں لطیفے پر اندر جانے والا' سانس اپنے ساتھ اللہ کو ساتھ لے کر جاتا ہے لیکن جب وہ خارج ہوتا ہے تو بدن کے ہر ریشے سے ھو نکلتی ہے اور پورے بدن کا شعلہ بن جاتا ہے۔

ساتوں لطائف پہ ذکر کرنے کے بعد پھر اس ساری قوت کو پہلے لطیفے قلب پہ واپس لایا جاتا ہے جو قلب سے شروع ہو کر دوسرا' تیسرا' چوتھا' پانچواں' چھٹا' ساتواں لطیفہ کرنے تک سات گنا بڑھ چکی تھی اس ساری گرمی کو' روشنی کو' پھر قلب پہ لایا جاتا ہے اور مراقبے کی ابتداء یہ ہوتی ہے کہ تیزی سے سانس لینا چھوڑ کر یہ خیال کیا جائے' اس طرف توجہ کی جائے کہ جو حدت اور جو گرمی ذکر الٰہی سے پیدا ہوئی تھی اس نے اسی خاکی وجود کو جلا دیا۔ یہ مٹی کا ایک ڈھیر تھا جل کر خاک سیاہ ہوا اور صرف اور صرف قلب میں حیات رہ گئی جس کی دھڑکن میں اس سے لفظ اللہ اٹھتا ہے اور ھو کی ٹکر جا کر عرش عظیم سے لگتی ہے۔ قلب پہ یہ خیال کیا جاتا ہے' یہ مراقبہ کیا جاتا ہے تو قلب کے انوار جمع ہو کر اس ھو کے ساتھ یا آدمی کے اس سوچ و فکر کے ساتھ جب وہ عرش کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو قلب سے وہ روشنی بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے جو بڑھتے

بڑھتے عرش عظیم تک پہنچ جاتی ہے۔ قلب سے اللہ اور ھو عرش عظیم تک سفید اور روشن انوارات کی ایک سڑک سی بن جاتی ہے' راستہ بن جاتا ہے' سیڑھی بن جاتی ہے۔ اسے اصطلاح میں رابطہ کہتے ہیں۔ ساتوں لطائف کرنے کے بعد جو مراقبہ کیا جاتا ہے تو اس کی غرض یہی رابطہ استوار کرنا ہوتا ہے۔ جب قلب کا رابطہ عرش عظیم سے ہو جائے تو پھر توجہ دی جاتی ہے کہ روح اس رابطے میں سفر کرے اور احدیت تک پہنچے۔ احدیت عرش عظیم کا دروازہ ہے۔

معمولات ذکر

فرمایا :- گویا قانون یہ ہے کہ غیر معمولی منازل اور غیر معمولی اجر چاہنے والوں کے لئے محنت و مشقت اور مجاہدہ بھی غیر معمولی ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ متعلقین ہمیشہ بنیادی شخصیت اور مدار ہستی کی محنت پر زندہ رہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ اگر مجاہدہ نہ فرماتے تو امت میں کسی کو بھی یہ توفیق نہ ملتی۔ یہ ذکر و اذکار' یہ شب بیداریاں' یہ مجاہدے' یہ نفلی روزے' یہ جہاد' یہ صدقات' یہ جو کچھ بھی ہے اور جس کو بھی ان کی توفیق ملتی ہے۔ باتباع پیغمبر ﷺ نصیب ہوتی ہے۔ چونکہ ایمان ہی آپ کے اتباع سے آتا ہے اور جو کیفیات ایمان کے ساتھ دل پر اطاعت الٰہی کے لئے وارد ہوتی ہیں' جو جذبے سینے میں پیدا ہوتے ہیں' جو طلب پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کو اطاعت کے لئے مجبور کرتی ہے باتباع حضرت محمد ﷺ نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا :- حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو بڑے ساتھی ہیں' صاحب مجاز ہیں' مامور ہیں اگر یہ سستی کرتے ہیں تو ساری جماعت پہ سستی آتی ہے۔ کئی دفعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں سستی کرنا شروع کر دوں تو کوئی شخص بھی نوافل کے لئے اٹھ نہ سکے کیونکہ متعلقین کا وجود اس ہستی کے سہارے چل رہا ہوتا ہے جس سے متعلق ہوں۔

فرمایا :- تہجد اور نوافل پوری محنت اور پوری پابندی سے ادا کئے جائیں

اور اس لحاظ سے جتنا جتنا کوئی آگے چلتا ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں بڑھتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ جنہیں سلاسل کی طرف سے صاحب مجاز ہونے کا منصب عطا ہوتا ہے ان کی ذمہ داریاں دوسروں سے شدید تر ہو جاتی ہیں۔

فرمایا:- یہ جو کام ہے ذکر کا پیغام یا تبلیغ کرنا' یہ عقل سے نہیں جنون سے ہوتا ہے اس کی تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ جب تک آپ اس کے ساتھ عشق اور جنون کی حد تک پیوست نہیں ہوں گے اور آپ کے دل میں وہ درد نہیں آ جائے ۔ کاش اللہ کے دوسرے بندے بھی یہ نعمت حاصل کر لیں تب تک کسی بھی طریقے سے آپ یہ نہیں سکھا سکتے۔ ان کے دلوں میں وہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے جب تک آپ کے دل میں خود یہ درد نہیں آ جائے اور یہ درد جنون سے آتا ہے عقل سے نہیں آتا۔ اس کے لئے پاگل ہونا پڑتا ہے۔

اجتماعی ذکر کے فوائد

فرمایا:- ہر آدمی پر نزول رحمت بھی الگ طرح سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام اجتماعی ذکر کی تلقین فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر ایک رنگ کی رحمت ہو گی تو دوسرے پر دوسری طرح کے انوار۔ اگر کافی لوگ ہوئے تو انوار بھی رنگا رنگ ہوں گے' گویا ایک گلدستہ بن رہا ہے۔

فرمایا:- کہ ایک ساتھی پوچھ رہا تھا کہ میں بڑا پریشان ہوں اور مجھ سے ذکر ہی چھوٹ گیا۔ میں نے کہا عجیب بات ہے ایک آدمی کہتا ہے میں بڑا بیمار ہوں اور مجھ سے دوا ہی چھوٹ گئی۔ یہ کون سی بیماری ہے یعنی آپ پریشان ہیں تو اس میں آپ کو زیادہ رحمت الٰہی کی ضرورت ہے' اللہ کی مدد کی زیادہ ضرورت ہے' اللہ سے دعا' کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اور آپ کو زیادہ ذکر کی ضرورت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھ سے ذکر چھوٹ گیا۔ یہ کیا پریشانی ہے یہ تو شیطانی وسوسہ ہے۔ آپ ذکر جم کر کریں اور آنے والے خدشات کو اس کے سپرد کریں جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔ محض احتمالات پر کہ میرا نقصان ہو جائے گا۔ اس

پہ آپ پریشان ہو گئے' ہوا کچھ بھی نہیں اور امکانات پہ اتنے پریشان ہو گئے ہو
اور چھوڑا بھی تو وہ چیز چھوڑی جو اس سارے کے دفاع کے لئے ضروری تھی۔
تو حقوق کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ رہنا چاہئے توفیق اللہ کریم کے پاس ہے۔
آدمی کا ارادہ' نیت' خلوص اور اس کی عملی جو کوشش ہے جدوجہد ہے' وہ ہونی
چاہئے آگے اللہ مالک ہے۔

اکثر خطوط آتے ہیں کہ جی ذکر کے لئے فرصت نہیں ملتی' وقت نہیں ملتا'
جی نہیں چاہتا اٹھنے کو' طبیعت نہیں چاہتی۔ تو میرے بھائی یہ ساری باتیں اس کی
تہہ میں ہیں ان دو میں سے ایک بات ضرور ہو گی یا غذا حلال نہیں رہی ہو گی
اور اگر حلال ہو گی تو طیب نہ رہی ہو گی۔ اور یا نااہلوں کی صحبت ہو گی تو ان
دونوں کا علاج پھر یہ ہو گا کہ ایک دھوبی پٹکا کرے ان کے ساتھ۔ قوت کے
ساتھ لطائف کرے' طاقت کے ساتھ تاکہ خون میں ایک خاص جوش پیدا ہو
جائے اور صحبت غیر صالح اور غیر صالح غذا سے اجتناب کرے' گزشتہ پہ توبہ
کرے' آئندہ کے لئے احتیاط بھی کرے۔ چونکہ طالب کی طرف سے استعداد کا
ہونا لازمی ہے اگر اس کے پاس طلب نہیں تھی ورنہ وہاں دینے میں کوئی کمی نہ
تھی وہاں دینے میں کوئی معاذ اللہ بخل نہ تھا۔ وہاں دینے میں کوئی کسی کے ساتھ
فرق نہیں تھا۔ یہی حال شیخ کا ہوتا ہے جب وہ توجہ کرتا ہے تو کبھی یہ نہیں کرتا
کہ اس شخص پہ توجہ زیادہ ہو جائے اور اس پہ توجہ کم ہو۔ وہ تو ایک فوارہ ہے
نور کا جسے وہ ان پہ انڈیل دیتا ہے' پلٹ دیتا ہے۔ اب اپنا اپنا دامن ہے کسی کا
گریبان ہی چاک ہو' دامن ہی نہ رکھتا ہو تو وہ کہاں سے جھولی بھرے گا۔

فرمایا :- طریقہ ذکر میں تحریف کرنے والا ہمارے سلسلے کا نہیں ہے اگر کوئی
کرتا ہے اس میں نفع یا نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ وہ صاحب مجاز ہے یا امیر
ہے۔ سلاسل میں بالکل اسی طرح پابندی کی جاتی ہے جس طرح احادیث مبارکہ
میں نبی کریم ﷺ کے کسی ایک لفظ کو بڑھایا گھٹایا نہیں جاتا۔ اسی طرح مشائخ کے
مقرر کردہ طریقے اور الفاظ تک کی حفاظت کی جاتی ہے اس لئے کہ ان میں ان

کی اپنی برکات ہوتی ہیں۔ تو سلاسل میں اس طرح سے مداخلت کرنا اور اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کر کے داخل کرنا یہ ایسے ہی تحریف ہے جیسے کوئی دین میں تحریف کرتا ہے یہ تحریف فی التصوف کہلاتی ہے۔ جیسے کوئی دین سے مرتد ہوتا ہے صوفیوں کے ہاں بھی ارتداد عن التصوف یا مرتد تصوف جو لوگ ہوتے ہیں تو ان کا اپنا ایک معیار ہے۔ یہ اس پر کفر کا فتویٰ لگاتے نہیں لیکن مرتد طریقیت بھی عموماً بچتا نہیں۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو کسی مشاہدے کے لئے آنکھ بند نہیں کیا کرتے تھے' کھلی آنکھ سے دونوں عالم دیکھتے تھے۔ ہمارے ساتھ ہوتے ۔ کسی کی کوئی بات ہو تو وہ دیکھتے دیکھتے اُدھر کی بات اِدھر اور اِدھر کی اُدھر بھی کر رہے ہوتے تھے۔

لطائف کی قوت

فرمایا : لطائف میں وسعت یا قوت پیدا کرنے کے لئے لطائف باقاعدگی سے کرنا ضروری ہے۔ ہم بہت کم وقت دیتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ بہت سی احتیاطیں ہوتی ہیں۔ اگر آپ صوفیوں کی سوانح پڑھیں تو ایک ایک لطیفہ کرانے کے لئے ان کے مشائخ انہیں کمروں میں بند کر دیتے تھے گھروں سے الگ کر دیتے تھے اور ناپ تول کر خالص اور کھرا حلال رزق اور اس کے بھی تھوڑے نوالے اور بہت محنت اور مجاہدہ کراتے تھے اور یہ ضروری ہوتا ہے دل کو روشن کرنے کے لئے۔ اب یہ اللہ کی عطا ہے کہ اس دور میں اللہ کریم نے اتنا آسان کر دیا۔ یہ چیز پہلی تاریخ تصوف میں نظر نہیں آتی اور شاید بعد میں ایسے لوگ آئیں گے جو اسے بڑی حیرت کی نظر سے دیکھیں گے اور یاد کریں گے کہ یار کیسا زمانہ تھا' کیسے لوگ تھے' یہ کیا بندے تھے۔ اللہ کی عطا سے جتنی برکات اس سلسلے میں نصیب ہوتی ہیں ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ آپ دیکھیں ہم نے آپ کی مصروفیات معطل نہیں کیں' آپ کا کھانا پینا معطل نہیں کیا' آپ کا کاروبار معطل نہیں کیا' آپ پورے معاشرہ اور ماحول میں رہتے

ہیں۔ سارا جو اس کے خلاف مواد ہے وہ مزاج حاصل کرتا ہے تو پھر اس چوبیس گھنٹوں میں دو گھنٹے بھی نہ لگائے جائیں تو ان میں قوت کیسے پیدا ہو گی۔ ہم جب طائف کرتے تھے تو مجھے اللہ کا یہ احسان یاد ہے کہ میں نے اپنی گھڑی سے منٹوں والی سوئی نکال دی تھی۔ ہم صرف گھنٹے گنا کرتے تھے منٹ نہیں گنتے تھے۔ ہماری گھڑی میں سوئی ہی گھنٹوں کی ہوتی تھی۔ ایک ہوا۔ دو ہوئے' چار ہوئے' سوئی ہی نکال دی کہ یہ منٹوں والا شور ہم سے نہیں ہوتا کہ اب اتنے منٹ گزر گئے اور میری اکثر عمر یہ عادت رہی ہے کہ میں 2 بجے سے 6 بجے تک فجر کے طائف کرتا تھا۔ مجھے یہ تجربہ ہو گیا تھا بغیر گھڑی دیکھے' بغیر سانس توڑے' میں جب ساتواں لطیفہ ختم کرنے والا ہوتا تو چار بج چکے ہوتے اور وہ گھڑی کی طرح صحیح ہوتا تھا۔ دوسری دفعہ جب ہم ساتواں لطیفہ کرتے تو چھ بج رہے ہوتے تھے سردیوں کی راتوں میں اور بغیر سانس توڑے۔ دن بھر کا سارا کام کرنے کے باوجود ہم رات کے دو گھنٹے اور صبح کے چار گھنٹے لطائف کرتے تھے یہ تو ہمت کی بات ہے اور اللہ کی طرف سے توفیق کی بات ہے جسے وسعت دے دے۔

فرمایا:- اپنے معمولات میں باقاعدگی پیدا کریں۔ کوئی بھی شخص دو اوقات کے ذکر کو مت چھوڑے۔ یاد رکھیں یہ جو مغرب کے بعد کا ذکر ہے اگر فرصت نہیں ہے تو آپ عشاء کے بعد کر لیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ بغیر ذکر کئے سو جائیں۔ چونکہ دن بھر میں جو آلودگی مزاج پر آتی ہے اور جو کدورت لطائف پر اور دل پر وارد ہوتی ہے لوگوں کے میل جول سے' باتیں کرنے سے' باتیں سننے میں' بری مقامات پر گزرنے سے اور نحوست زدہ اشیاء کھا جانے سے اس کو بعد مغرب کا ذکر بفضل اللہ دھو دیتا ہے اور آدمی اگر یہ ذکر قوت سے کرے اور جذبے اور محنت سے کرے تو پھر رات کو سوتے میں بھی یہ عمل مسلسل چلتا رہتا ہے اور دل اللہ اللہ کرتا ہے جب سحری کو اٹھ کر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے ترقی نصیب ہوتی ہے لیکن اس صورت میں کہ جتنی خرافات دن کو سننا پڑی تھیں شام کو انہیں صاف کیا ان کے ساتھ محنت کی اور اگر شام کو ان کے ساتھ محنت

نہ کی تو صبح اٹھ کر بھی شاید ساری صاف نہ کر پائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی کیفیت جو لے کر آپ سو جائیں گے وہ بڑھتی رہے گی۔ اگر غفلت لے کر سو گئے تو اس میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر آپ ذکر کر کے متوجہ الی اللہ ہو کر سو گئے آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اتنی اللہ اللہ آپ کا دل بیٹھ کر ذکر کرتے ہوئے نہیں کر رہا ہو گا جب آپ کی سوتے سے آنکھ کھلے گی تو آپ محسوس کریں گے کہ کتنی شدت سے اللہ اللہ کر رہا ہے لیکن وہ تب جب آپ اس کو اس کام پر لگا کر سو گئے محنت کر کے' مجاہدہ کر کے سو گئے تو جب یہ کیفیت ہو گی۔ جو ذکر آپ سحری کو کریں گے اس میں بفضل اللہ وہ مزید کیفیات اخذ کرے گا اور ترقی نصیب ہو گی۔

فرمایا :- آپ کو سیکھنا ہے تو آپ سیکھنے کے لئے آئیں۔ آپ وقت نکالیں کہ یہ آپ کا مقصد حیات ہے اور اگر خدا نے مجھے سکھانے پہ بٹھا دیا ہے میں سکھاؤں۔ میں آپ سے نہ کہوں آج میرے پاس وقت نہیں ہے۔ یہ پکڑ پکڑ کر لانے والی بات نہیں ہے میاں یہ تو تب نصیب ہوتی ہے کہ جب دیوانہ وار کوئی دوڑ کر آئے۔ جن کو پکڑ کر لایا جاتا ہے خالی وہ بھی نہیں رہتے کچھ حاصل کریں گے اللہ کے احسان سے کچھ عقائد کی اصلاح ہو جائے گی' کچھ نمازوں میں اور اس میں کچھ ترتیب اور کچھ ربط پیدا ہو جائے گا۔ کسی حد تک گناہ سے رغبت کم ہو گی نفرت پیدا ہو جائے گی۔ کچھ نیکی سے محبت پیدا ہو جائے گی لیکن حقیقت میں جسے مقام اور کیفیت کہتے ہیں وہ تب نصیب ہو گی جب آنے والا دیوانہ وار آئے گا' جب اس کے دل میں اتنا جذب ہو گا۔ کسی میں حاصل کرنے کی بھی تو کوئی استعداد پیدا ہو حصول کا بھی تو کوئی سلیقہ آئے۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ہم پر' بہت بڑا انعام ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا :- میری گزارش یہ ہے کہ آپ اپنے مجاہدے میں کمی نہ ہونے دیں۔ اذکار کو چھوٹنے نہ دیں' معاملات میں راستی پیدا کریں' حلال اور سچ کو اختیار کریں' نیکی اور تقویٰ اختیار کریں اور اس کے ساتھ دعوت الی اللہ

دوسروں کو بلانے کا۔ دوسروں کو دعوت دینے کا کام جاری رکھیں اور اپنے معمولات اور اپنے اذکار پوری محنت اور پورے مجاہدے سے کریں۔ لطائف کرتے ہوئے جب کسی لطیفے پر چوٹ پڑے تو واقعی اسی پر چوٹ پڑے۔

فرمایا :- محنت کریں' زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں ذکر و اذکار کے لئے' اجتماع کے لئے اور مزا تو تب ہے کہ جو بھی آئے فنا فی الرسول ہو جائے تاکہ ہم یہ ثبوت مہیا کریں کہ یہ نعمت ہمارے پاس ہے۔

فرمایا :- اصل بات یہ ہے کہ جو کام محض اللہ کی رضا کے لئے کئے جاتے ہیں ان کے کرنے کی توفیق اور سعادت وہ خود ہی عطا فرماتا ہے۔ اب یہ اس کی مرضی کہ کس کو کتنا وقت لگانے کی توفیق بخشی۔

دوران ذکر شعرو شاعری

فرمایا :- میں بارہا کہہ چکا ہوں' میرا بھی خود بھی جی چاہتا ہے اور جو میں پڑھوں اس میں حرج بھی کوئی نہیں ہوتا اللہ کا احسان ہے مجھ پر کہ اس میں مزید توجہ اور گرمی پیدا ہوتی ہے لیکن میں اس لئے نہیں پڑھتا کہ دوسرے لوگ بھی اسے اپنا لیں گے۔ تو آیات یا شعر پڑھنے کے لئے ذکر کرانے والے کو وہ قوت چاہئے کہ اگر زبان سے بات بھی کرے تو اس کی قلبی کیفیات میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے بجائے شعریا آیات پڑھنے کے پوری توجہ اس لطیفے کے ذکر پر جو کر رہا ہے لگائے رکھے۔ اپنی توجہ القاء کرنے پر رکھنی چاہئے جب شعر پڑھیں تو اس کی توجہ ادھر سے ہٹ جائے گی ان کا سارا سسٹم منقطع ہو جائے گا۔ شعر پڑھنے سے لطف آتا ہے۔ لیکن نفس کو آتا ہے روح کو جو انوارات پہنچ رہے ہیں منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میں منع کیا کرتا ہوں گو شرعاً" گناہ تو نہیں ہو گا لیکن وہ جو انوارات آ رہے ہیں ان میں یا تو انقطاع آ جائے گا ٹوٹ جائیں گے نہیں تو کمی ضرور آئے گی۔ یہ غزلیں پڑھنے کی بجائے پوری توجہ ذکر پر ہی کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

طریقہ ذکر میں غلط فہمی

فرمایا: حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے جو سنا اس کی تعبیر اس نے اپنی پسند سے کر لی۔ کیا آپ ایک ایسا شخص یہاں پیش کر سکتے ہیں کہ اس نے دوبارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تحقیق کی ہو کہ جب دوسرے لطیفے پہ جائیں گے تو اللہ بھی اسی لطیفے سے اٹھا کر ھو اسی لطیفے پہ ماریں گے۔ یا اللہ دل میں آئے گا اور ھو اسی پہ لگے گی۔ کوئی ایک آدمی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس نے یہ سوال کیا ہو۔ جس نے جو سنا' اس کی اپنی سمجھ میں جو آیا اس پہ ایسے بیٹھ کر سر مارتا رہا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ انوارات کا ایک طوفان تھا اگر غلط کرتا رہا تو بھی اسے ملتے رہے۔ یہ تو اللہ کی عطا اور شیخ کی قوت تھی۔ اگر کرنے والا اس کی اصلاح کرے تو یہ ہوتا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ لفظ اللہ دل میں جا رہا ہے جب سانس چھوڑتے ہیں تو ھو خارج ہوا اور ھو کی چوٹ دل پر لگی۔ یہ آپ کی قوت تخیلہ کرتی ہے۔ جسم تو سانس لے رہا ہے جو اس کا کام ہے۔ اب جب آپ دوسرے لطیفے پر جاتے ہیں تو لفظ اللہ دل ہی میں جائے گا۔ جب ھو خارج ہو گی تو اس کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے گی کیونکہ Base تو سارے لطائف کا دل ہی رہے گا اور اگر اس طرح کرتے ہیں اس سے دگنے نتائج آئیں گے اور یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔ اصل طریقہ یہی ہے' یہ ضروری ہے کہ Base کو نہیں چھیڑیں گے' مرکز کو نہیں چھیڑیں گے' تنا وہی رہے گا اس پر مختلف شاخیں پھیلتی چلی جائیں گی' الگ الگ مختلف درخت نہیں لگاتے۔ بنیاد وہی تنا ہے اور اس پر مختلف شاخیں بنتی چلی جائیں گی۔

فرمایا:۔ لہٰذا ان فضولیات میں الجھے بغیر پوری توجہ سے' پوری دلجمعی سے ذکر دل سے کیا جائے۔ قلبی طور پہ کیا جائے۔ دل کو ذاکر کرنے کے لئے اس کے ساتھ عقل کو بھی' سانس کو بھی' اپنی پوری توجہ کو بھی لگائیں۔ ہر آنے والا سانس اپنے ساتھ لفظ اللہ کو دل کی گہرائی تک لے جاتا ہوا محسوس کریں اور

باہر سانس چھوڑیں تو اس کے ساتھ لفظ ھو خارج ہو اور ھو کی چوٹ اس لطیفے پر لگے جو آپ کر رہے ہیں۔ یہ ہمارا طریقہ ذکر ہے اس کا آسان سا اسلوب یہ ہے کہ لطائف پر ذکر کے وقت غفلت نہیں آنی چاہیئے' نیند نہیں آنی چاہیئے' یہ مانع فیض ہے۔

لطائف میں تسلسل

فرمایا :۔ اس کے لئے جیسا کہ میں نے عرض کر دیا ہے یہ ضروری ہے کہ آپ ہر لطیفے کو مناسب وقت دیں اور اس میں ایک باقاعدگی پیدا کریں تاکہ برکات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں۔ یہ قوت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو اور جتنی جس میں استعداد ہو گی انشاء اللہ اسے اس سے زیادہ ترقی نصیب ہو گی۔ کیونکہ ہماری بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ہر انسان کو جس قدر زیادہ سے زیادہ مدارج حاصل ہو سکیں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ یہ جو درمیان سے چھوٹ جاتا ہے اس سے یہ ہوتا ہے جیسے بجلی کا ایک لنک کٹ جائے تو وہ پچھلی ساری لائن خالی ہو جاتی ہے پھر نئے سرے سے پاؤر ہاؤس چلانا پڑتا ہے۔ اس کی قضا نہیں ہوتی۔ نماز چھوٹ گئی ہے تو دوسری نماز کے ساتھ قضا کر لیں۔ لیکن یہ چھوٹ جائے تو اس قرب کی تو کوئی قضا نہیں ہوتی یہ پھر سے بنانا پڑتا ہے اور اگر تسلسل قائم رہے تو بفضل اللہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے آپ محسوس کریں یا نہ کریں استعداد پیدا ہو جائے تو پھر کسی ایک ملاقات میں بھی سارے مراقبات کرائے جا سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ محنت کر کے استعداد پیدا کر لی جائے۔

روح کی قوت پرواز

فرمایا :۔ صوفیاء کے نزدیک آسمان کا فاصلہ زمین سے چودہ ہزار سال کا ہے یہ ہزاروں سال جو شمار ہوتے ہیں یہ روح کی رفتار سے شمار ہوتے ہیں

وگرنہ تو روشنی کی رفتار سے روح کی رفتار کروڑوں گنا زیادہ ہے۔ جیسے نوری سال کی روشنی کی رفتار سے ایک دن میں جتنا سفر روشنی کرتی ہے اس طرح سے وہ شمار ہوتے ہیں۔ آسمان میں بعض سیارے ایسے ہیں جو لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر زمین سے دور ہیں تو اس اعتبار سے آسمان کا فاصلہ اللہ جانے کتنا ہوگا۔ لیکن جو رفتار روح کے سفر کی ہوتی ہے' مجرد روح میں جو استطاعت ہے سفر کرنے کی کہ اگر اس سے شمار کیا جائے تو چودہ ہزار سال کا راستہ آسمان بنتا ہے اور مقام احدیت اس رفتار سے پچاس ہزار سال کا راستہ بنتا ہے یعنی آسمان سے چھتیس ہزار سال کا راستہ اور یہ فاصلہ روح کی رفتار سے ناپا جاتا ہے۔

فرمایا :۔ ذکر الہی سے جو روشنی اور گرمی پیدا ہوتی ہے اور اس سے روح کو جو قوت پرواز ملتی ہے اس میں کمال یہ ہوتا ہے یا شیخ کی توجہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک توجہ میں وجود سے اسے مقام احدیت کو پہنچا دیتا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی صحبت میں اگر کسی ایک آدمی کو بھی مراقبہ احدیت نصیب ہو جائے یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس سے مزید کسی کرامت کا طلب کرنا جہالت ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے متعلق سوچنا بھی آسان نہیں کہ اتنے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک لمحے یا ایک آن میں انہیں طے کر دیا جائے اور جہاں تک روح کو مراقبہ نصیب ہو جاتا ہے وہاں تک اس کی رفتار کا کوئی حساب یا کوئی حد یا کوئی شمار نہیں رہتا۔ جیسے سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے طلوع ہونے میں اور اس کی شعاعوں اور اس کی کرنوں کو زمین کے گوشوں کو منور کرنے میں کوئی وقت نہیں لگتا' کوئی لمحہ تاخیر نہیں ہوتی جیسے سورج سامنے آتا ہے ویسے ہی دھوپ زمین پہ پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح سے روح جب مراقبات کو پا لیتی ہے اس کے لئے اسے کوئی وقت درکار نہیں ہوتا۔ جیسے آپ متوجہ ہوتے ہیں تو وہ آخری منازل تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ہوتی ہے ابتداء عالم امر کی طرف روح کے سفر کی' عالم امر کے ساتھ روح کے رابطے کی' اپنے اصل کو پہنچنے کے لئے' اپنے آپ کو پانے کے لئے' اپنے ان کمالات کو جو روح کی خصوصیات ہیں انہیں

مضبوط کرنے کے لئے یا انہیں باقی رکھنے کے لئے' یہ سفر روح کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سے آگے' اس سے اوپر مقام معیت' مقام اقربیت یعنی مراقبات ثلاثہ اور دوائر ثلاثہ یا پھر اس کے بعد کے مراقبات حتیٰ کہ فنا بقا سے گزر کر سالک المجذوبی پر جب کوئی پہنچتا ہے تو سالک المجذوبی کے ساتھ منازل میں کوئی سوا لاکھ پردے ہیں جن کی موٹائی سے اللہ کریم واقف ہیں لیکن یہ اللہ کا احسان ہوتا ہے اور کمال ہوتا ہے شیخ کی توجہ میں کہ "آنا" فانا" ان سے روح گزرتی چلی جاتی ہے۔ پہلی بار پہنچنے کے لئے اسے کچھ وقت' کچھ محنت' کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے لیکن توجہ نصیب ہو تو بہت کم وقت بھی لگتا ہے۔ اس کے بعد عرش کے منازل شروع ہوتے ہیں۔ پہلے عرش میں کم و بیش سوا لاکھ کے قریب منازل ہیں جن میں کہ ہر منزل کا فاصلہ ان فاصلوں سے زیادہ ہوتا ہے جو زمین سے احدیت تک کے ہیں اور پہلے عرش کے بعد خلا ہے یعنی پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان میں جس کی موٹائی پہلے عرش کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ دوسرے عرش کی وسعت اس موٹائی سے زیادہ ہوتا ہے پھر دوسرے اور تیسرے عرش کے درمیان خلا ہے جو اس کی وسعت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر خلا بڑھتا چلا جاتا ہے' ہر عرش کی موٹائی بڑھتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ نو عرش اس ترتیب سے آتے ہیں۔

آن کہ آمد نہ فلک معراج او   انبیاء و اولیاء محتاج او

فرمایا :۔ ان وسعتوں میں جب یہ نو عرش ختم ہوتے ہیں تو عالم امر کا پہلا دائرہ شروع ہوتا ہے حالانکہ ہر عرش اس قدر وسیع ہوتا ہے جیسے اس کے نیچے کی ساری کائنات ایک انگوٹھی کی شکل میں ہو جسے وسیع صحرا میں پھینک دیا جائے۔ اس کی وسعتیں اس سے وسیع تر ہیں اور جو شخص اللہ کے احسان سے یہ منازل طے کرتا ہوا عالم امر میں وارد ہو درحقیقت اس نے کوئی بڑا کمال نہیں کیا بلکہ وہ واپس بشکل اپنی جگہ پر پہنچا جہاں سے چلا تھا۔ عالم امر میں داخلے سے اس کی روح میں وہ خصوصیات بحمداللہ آ جاتی ہیں جو روح کا خاصہ ہیں ترقی اس سے

آگے چلنے کا نام ہے۔

فرمایا :۔ عالم امر کے یہ دائرے کم و بیش چالیس سے اوپر ہیں اور ہر دائرہ اپنے سے نیچی ساری کائنات سے وسیع ہوتا ہے۔ ان دوائر میں داخلہ بھی اللہ کی عطا اور شیخ ہی کی توجہ سے ممکن ہے اور ان کو عبور کرنے کے لئے بھی توجہ ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ آدمی کو لاکھوں بار عمر نصیب ہو اور ساری عمر اس دائرے میں سفر کرتا رہے تو شاید اس کی وہ لاکھوں عمریں بھی کم پڑ جائیں اور وہ دائرہ طے نہ ہو سکے۔ اگر کوئی ایسا خوش نصیب ہو کہ یہ سارے دوائر قطع کر سکے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ان دوائر کی انتہا پر یوں سمجھ آتی ہے جیسے ایک چوتھائی سلوک ختم ہو گیا۔ کیونکہ اس سفر کی کوئی انتہا نہیں' قرب الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے اور کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جو مقام ایسا ہو کہ وہیں پر اللہ کریم کی ذات موجود ہو بلکہ وہ ہر جگہ بھی ہے لیکن اس کے قرب کو پانے کے لئے منازل کی بے پناہ وسعتیں ہیں۔ نہ صرف اس زندگی میں بلکہ برزخ میں' میدان حشر اور جنت کے ہر لمحے میں' ان لوگوں کو مسلسل ترقی نصیب ہوتی رہے گی۔

توجہ

فرمایا :۔ توجہ کا طریقہ کار معروف ہے کہ آپ دائیں طرف بیٹھیں اور جن احباب کو توجہ دینا چاہتے ہیں انہیں اپنے بائیں طرف قبلہ رو بٹھا لیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ دو زانوں بیٹھ کر یا جس طرح بیٹھ سکیں مقررہ کلمات پڑھ کر شروع کریں اور پہلے حضرت شیخ المکرم کی طرف دل سے متوجہ ہو کر حضرتؒ سے روحانی رابطہ قائم کریں پھر خود بھی ذکر شروع کریں اور احباب کو بھی لطیفہ اول شروع کرائیں۔

فرمایا :۔ جب آپ ذکر کر رہے ہیں تو لطیفہ قلب کا آسمان اول پر رابطہ قائم کر کے وہاں کے انوارات کو احباب کے قلوب پر القاء کریں۔ اسی طرح

دوسرے تیسرے' چوتھے' پانچویں لطیفے میں دوسرے تیسرے چوتھے اور پانچویں آسمان سے القاء کریں۔ تفصیل دیکھنا چاہیں تو تصوف اور تعمیر سیرت میں دیکھ لیں۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر بے شک اپنے آخری مقام تک انوار اخذ کر کے القاء فرما دیں۔ پھر پوری قوت سے قلب کرا کر مراقبہ شروع کرائیں جس میں اول رابطہ ہے یعنی جسم کا خیال چھوڑ کر دل کی طرف متوجہ ہو اور دل سے لفظ اللہ نکلے تو ھو کی ٹکر عرش عظیم کے ساتھ لگے۔ جب یہ قوی ہو گا تو احدیت نصیب ہو گی انشاء اللہ۔

فرمایا :۔ دوران لطائف و مراقبات قرآنی آیات یا اشعار نہ پڑھیں ہاں ایک صورت میں اجازت ہے کہ تمام بلند مقام اور اعلیٰ مراقبات کے حامل ساتھی بیٹھے ہوں تو خیر ورنہ نئے آدمی کی توجہ میں خلل واقع ہو گا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اگر پڑھتے تو مزید توجہ راسخ ہوتی تھی۔ ہم پڑھیں گے تو یہ بات ممکن نہیں۔ اسی طرح مراقبات نہ تو بالکل مختصر کرائے جائیں نہ بہت ہی طویل کہ مختصر وقت میں طالب جذب نہیں کر پاتا اور لمبی دیر تک متوجہ نہیں رہ سکتا خیالات بھٹکنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت ضروری امر ہے اور اس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

ذکر میں بیٹھنے کا طریقہ

فرمایا :۔ یہ جو طریقہ ذکر ہے قبلہ رو بیٹھا جائے یہ بیٹھنے کا ایک طریقہ ہے لیکن اگر کسی وقت' کسی خاص سبب سے' کسی جگہ کی تنگی کے باعث یا آدمی سفر کر رہا ہے کسی موٹر جہاز میں بیٹھا ہے قبلہ رو نہیں ہے تو قبلہ رو ہونا نماز کی طرح فرض نہیں ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ ذکر قبلہ رو بیٹھ کر کیا جائے لیکن اگر کسی وجہ سے جگہ ایسی ہے یا کوئی اجتماع ایسا ہے جیسے آپ یہاں بیٹھے ہیں ہم ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ میں بیٹھے بیٹھے کرا دیتا ہوں تو حرج نہیں۔ لیکن بہتر طریقہ ہے کہ باقاعدہ قبلہ رو بیٹھ کر کیا جائے اگرچہ وہ نماز کی طرح فرض نہیں

ہے یہ بہتر صورت ہے کہ اس طرح کیا جائے۔

بیٹھنے کا طریقہ ہمارے سلسلہ کا یہ ہے کہ تمام لوگ جس طرح صفیں بنا کر نماز کے لئے بیٹھا جاتا ہے التحیات کی صورت میں قبلہ رخ ہو کر صفوں میں بیٹھیں۔ بلا عذر شرعی التحیات کی صورت نہ چھوڑیں۔ یہ سب سے بابرکت صورت ہے۔ اگر کسی تکلیف یا بیماری کی صورت میں بیٹھ نہیں سکتے تو وہ صورت بدل لے لیکن قبلہ رخ ضرور بیٹھیں۔

چھٹے لطیفے میں ھو کا شعلہ پیشانی سے نکل جاتا ہے۔ جب آپ سانس چھوڑتے ہیں اور ساتویں لطیفے پر پاؤں کے ناخن سے لیکر چوٹی تک ہر مسام' ہر ہر بال سے شعلے نکل جاتے ہیں گویا پورا بدن ایک شعلہ بن جاتا ہے۔

زور زور سے سانس لینا

فرمایا :۔ سانس اگر زور سے نہیں لے سکتے نہ لیں۔ لیکن ذکر اسی طرح سے کریں۔ سانس سے ذکر ہم بھی نہیں کرتے۔ اصل بات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ذکر تو ہم بھی توجہ سے کرتے ہیں' قلب پر توجہ کرتے ہیں۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ جب آپ سانس لے رہے ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ اللہ ھو ہو رہا ہوتا ہے اور زور سے سانس لینے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ خون میں حدت پیدا ہو کر انوارات کو جذب کرتی ہے اور جلد کیفیات وارد ہوتی ہیں۔ زور سے نہ کیا جائے آرام سے کرتے رہو تو جو کیفیت سال میں پیدا ہو گی زور سے کرو تو شاید ہفتے میں پیدا ہو جائے لیکن اگر کوئی زور سے نہیں کرنا چاہتا تو آرام آرام سے کرتا رہے اس میں فرق صرف یہ ہو گا کہ جلدی نہیں ہو گا زیادہ وقت لگے گا۔

فرمایا :۔ اب اس قاعدے کو اساتذہ نے اٹھایا کہ عمداً" سانس تیزی سے لو۔ جب تیزی سے حرکت ہو گی خون میں حدت پیدا ہو گی اور خون کی حدت ان انوارات کے ساتھ ربط پیدا کرے گی جو شیخ کی توجہ سے قلب پر پڑ رہے ہیں اور قلب انہیں زیادہ سے زیادہ جذب کرے گا۔ تو یہ بات یاد رکھیں کہ ذکر تو

ہوتا ہے۔ دل سے توجہ کی جاتی ہے دل پر کہ ہر دھڑکن میں دل اللہ ھو کرے۔ سانس تیزی سے لی جاتی ہے۔ توجہ سانس کے ساتھ اس لئے مرتکز کی جاتی ہے کہ خیالات نہ بھٹکیں بلکہ جو سوچ ہے ذہن کی اسے آپ آزاد نہ چھوڑیں بلکہ سانس کے ساتھ لگا دیں کہ وہ دل کی دھڑکن کے ساتھ مربوط (Co-Ordinate) کرے تاکہ توجہ دائیں بائیں نہ جائے۔ آپ اس طرح نہ کریں گے تو دماغ کچھ اور سوچنے لگ جائے گا۔ پھر تیزی سے سانس لینے سے خون میں حدت پیدا ہوتی ہے اور وہ حدت جاذب انوارات ہوتی ہے۔

آج تک تو دل و دماغ کی بیماریوں کی اصلاح ہی ہوئی ہے یعنی ہمارے تجربے میں بھی ہے اور اس سے پہلے جو حالات ہم نے پڑھے اور سنے ہیں ان میں بھی مریضوں کو شفا ہوتی دیکھی ہے۔ خود مجھے بتیس برس ہو گئے ہیں یہ ذکر کرتے ہوئے اور بتیس برس بڑا عرصہ ہوتا ہے کوئی مضر اثر ہمارے مشاہدہ میں نہیں آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ 80 سے اوپر عمر گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے آخر تک ان کا دل بھی' دماغ بھی دوسروں سے قوی' دوسروں سے زیادہ مضبوط' دوسروں سے زیادہ سمجھدار و توانا' دوسروں سے زیادہ یادداشت والا تھا۔

سانس کے ساتھ ذکر کرنے میں تکلیف ہوتی ہے تھکاوٹ اور نیند آتی ہے تو میں نے یہی جواب دیا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ آپ اس سے بھاگنے کے دروازے ڈھونڈ رہے ہیں آپ ابھی تک اس کو فیس (Face) کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہیں۔

لطائف کرانے کی اجازت

فرمایا :- یہ تو بارہا بتایا بھی جا چکا ہے اور بیشمار بار لکھا بھی جا چکا ہے۔ آپ یہ ارشاد السالکین' دلائل السلوک یہ کتابیں دیکھا بھی کریں' پڑھا بھی کریں۔ پھر سے مختصراً عرض کر دیتا ہوں کہ ذکر اگر دوسرے ساتھی کو کرایا جائے تو صرف یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ جو انوارات میرے لطیفے پہ آ رہے ہیں

اس کے لطیفے پر بھی جائیں اور یہ جاننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہر ساتھی کو خواہ وہ ایک لطیفہ قلب ہی کرتا ہو۔ گھر والوں کو یا خواتین کو ذکر کروانے کی سب کو اجازت ہوتی ہے تو چونکہ سب کو اس سے سابقہ پڑتا ہے اس لئے سب کو اجازت ہے۔

ذکر و ثواب

فرمایا :- اب ثواب ہونا الگ بات ہے اور کیفیات کو حاصل کرنا ایک الگ بات ہے۔ ایک آدمی نماز ادا کرتا ہے اس نے خواہ بے دلی سے کر لی' زبردستی کر لی اپنے وقت پر شرائط کے ساتھ پڑھ لی تو ثواب کا مستحق ہے۔ اس نے وہ حکم پورا کر دیا جو نماز کے لئے ہے لیکن اسی نماز میں ان کیفیات کو جو اللہ کی تجلیات کے منعکس ہونے سے پیدا ہونی چاہئیں نقد وصول کرنا یہ الگ بات ہے۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ اس کا ہر سجدہ اسے ایک کیفیت دے' اس کا ہر قیام اسے ایک لذت دے' اس کی ہر تسبیح اسے اس کا بدلہ دے تو اس کے لئے ایک خاص توجہ' ایک خاص محنت' ایک خاص مجاہدے کی ضرورت پڑے گی۔ یہی حال ذکر قلبی کا ہے۔ اس سے صرف ہم ثواب نہیں ثواب سے بہت آگے کی طلب اور توقع رکھتے ہیں۔ جمال باری کی تمنا رکھتے ہیں' وصول الہیٰ کی توقع رکھتے ہیں۔

ذکر کروانے کا طریقہ

فرمایا :- توجہ میں آپ کو کسی کے لطیفے پر ضرب نہیں لگانا۔ آپ اپنا ذکر کرتے رہیں ذکر کرنے والا جب یہ ارادہ کر لیتا ہے کہ میں دو بندوں کو یا دس کو یا جو بھی ساتھ بیٹھ گئے انہیں ذکر کرا رہا ہوں تو جو ذکر کرتا ہے وہ اپنے اس لطیفے پہ' انوارات منعکس ہوتے رہتے ہیں ان کے لطائف پر' اگر صاحب مجاز ہو تو اس قوت سے ہوتے رہتے ہیں اگر عام ساتھی ہو تو اس کی اپنی طاقت کے مطابق اور یہ من جانب اللہ ایک ایسا نظام ہے کہ اس کی نیت اور اس کے ارادے

کے ساتھ وہ ان کو اس طرف پہنچاتا رہتا ہے۔ اب جو لوگ پوری دنیا میں ذکر کرتے ہیں تو ہمیں تو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کس ملک میں اب دن ہے اور کس میں رات ہے اور کہاں اب تہجد کا ذکر ہو رہا ہے اور کہاں مغرب کا اس کے باوجود جب وہ ذکر کرتے ہیں تو انہیں وہ ساری برکات ساری توجہ پہنچتی رہتی ہیں۔ ہمیں تو خبر بھی نہیں ہوتی۔ کبھی ہم سو رہے ہوتے ہیں' کبھی ہم ذکر کر رہے ہوتے ہیں' کبھی ہم کھانا کھا رہے ہوتے ہیں' کبھی کسی سے بات کر رہے ہوتے ہیں تو وہ جو نظام ہے رب جلیل کا۔ وہ ان تک ان برکات کو پہنچاتا رہتا ہے اور بعض اوقات توجہ اتنی شدید ہوتی ہے کہ انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے ذکر کرانے والا ان کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرا رہا ہے۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ وہ جو رابطہ انوارات کا قلب سے اس کے قلب تک بنتا ہے وہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس میں وہ عکس یا آدمی نظر آنے لگ جاتا ہے حالانکہ بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ چونکہ رابطہ اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس میں منعکس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو ساتھی بھی ذکر کرائے وہ بے شک اپنے ذکر میں لگا رہے اس کی توجہ اتنی کافی ہے کہ وہ ذکر کرا رہا ہے۔ تو یہ نظام ہے اللہ کریم کا اور رب جلیل اسے پہنچاتے رہتے ہیں اور جتنی جس قلب میں عقیدت یا احترام ہوتا ہے اتنا ہی وہ حاصل کرتا ہے۔

فرمایا:- ذکر کروانے والے کو یہ چاہئے کہ وہ کلمات تعوذ تسمیہ پڑھنے کے بعد پہلے اپنے لطیفہ قلب کا رابطہ اس کے اصل سے کرے یعنی آسمان اول سے اپنے لطیفے کا رابطہ قائم کرے جب ہو گیا اب یہ قوت دوسروں کے لطیفے پر القاء کرے تو جتنے پانچ یا دس یا ہزار لوگ بیٹھے ہوں گے وہ وہاں تک منقسم ہوتی چلی جائے گی۔ اس طرح سے ان کو فائدہ ہو گا اور اگر آپ یہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے تو پھر انہیں ضمناً" فائدہ تو پہنچتا ہے لیکن جو پہنچنا چاہئے وہ نہیں ہو گا۔

ھو کی ضرب

فرمایا:- صرف ان کی طرف توجہ کرنے سے ضرب از خود لگتی رہے گی۔ ہر شخص

اپنے لطیفے پر ضرب لگائے گا۔ دوسروں پر ضرب لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے بھائی جو ذکر کراتا ہے وہ یہ خیال کر کے' یہ نیت کر کے کرائے کہ جو انوارات میرے دل پر آ رہے ہیں یا میرے لطائف پر وہ ان تک بھی جانے چاہئیں تو وہ از خود من جانب اللہ پہنچتے رہیں گے۔

قلب منور

فرمایا:- اللہ اگر چشم بصیرت دے تو عرب کے صحراؤں میں آج بھی وہ انوار نظر آتے ہیں اور صاحب بصیرت ہر اس راہ کو متعین کر سکتا ہے جہاں محمد ﷺ کبھی کسی زمانے میں گزرے ہیں۔ بلکہ جہاں آپ کا نقش پا ہے وہ زمین یوں نظر آتی ہے جیسے زمین سے چاند۔

فیض نبوت و ذکر قلبی

فرمایا:- جس طرح آپ ﷺ سے یہ فیوضات و برکات جاری ہیں' آپ کی تعلیمات نے چار دانگ عالم کو منور فرما دیا اسی طرح یہ منبع فیض قبر اطہر سے جاری ہوا۔ جہاں جہاں پہنچتا گیا ان سینوں کو منور کرتا گیا۔ اہلیت و استعداد سے ان کے دامن بھرتا ہوا چلا گیا۔ اگر کوئی اس دولت کو نہ پائے تو وہ اس دولت کو بھی نہیں پا سکتا۔ اگر کسی کو ذکر قلبی نصیب نہ ہو تو وہ مسلمان ہو ہی نہیں سکتا اور آپ اس بات پر حیران نہ ہوں کہ جہاں اقرار باللسان ہے وہاں ساتھ ہی ہے وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ اگر کوئی زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو اس کے دل کی تصدیق ضروری ہے ساتھ اگر اس کا دل تصدیق نہیں کرتا تو مسلمان نہیں منافق ہے۔

ذکر و دنیا

فرمایا:- اگلے دن بھی ایک ساتھی مجھ سے کہہ رہا تھا۔ جی میں تہجد بھی

پڑھتا ہوں۔ بیوی بھی تہجد پڑھتی ہے' عبادت بھی کرتے ہیں لیکن کاروبار
نقصان ہوتا ہے۔ اب عبادت اور کاروبار کا آپس میں کیا رشتہ ہے' کاروبار
کا اپنا ایک طریقہ' ایک انداز ہے ممکن ہے۔ آپ سے کہیں کوئی غلطی ہو رہی
تو وہ نفلوں سے تو پوری نہیں ہوگی۔ اسے تو اس انداز سے جانچیں کہ کہاں
قصور ہے' کہاں غلطی ہے۔

ذکر و رابطہ

فرمایا:- ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ کثرت سے کیا
مراد ہے۔ سادہ سے الفاظ میں کثرت سے مراد ہے کہ زندگی میں سب سے زیادہ
جو کام کرو وہ ذکر الہی ہو۔ سانس لینے سے ذکر زیادہ کرو۔ دل کی دھڑکنوں
اللہ کا نام بار بار دہرایا کرو اب یہ ذکر کثیر علی الدوام کرو صبح و شام
Round The Clock کرنا چاہئے یہاں مفسرین کرام نے بڑی تفصیل سے
ہے کہ ذکر الہی ایسی عبادت ہے جس کا کوئی وقت متعین نہیں' کوئی تعداد
نہیں۔

کسی شخص کو جب پہلی مرتبہ ذکر کرایا جاتا ہے تو کیا اس ذکر کرنے والے
ساتھی کو کوئی خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا:- کچھ بھی
نہیں۔ بس اسے طریقہ ذکر بتا دو اور پاس بٹھا کر ذکر کرا دو۔ باقی کام اللہ
خود جانتا ہے وہ کر لے گا۔ اکثر ساتھی کہتے ہیں کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے
مشائخ سے رابطہ کیا جائے یہ کیسے ممکن ہے جب کہ کشف بھی نہ ہو۔ اس کے
جواب میں فرمایا جسے کم از کم فنا فی الرسول ﷺ ہو جائے اگر ذکر کرنے سے پہلے
وہ مشائخ کی طرف متوجہ ہو تو انہیں خبر ہو جاتی ہے لیکن نہ کریں تو ضروری بھی
نہیں کہ از خود جب بھی آپ ذکر کریں گے تو وہ رابطہ ہے منازل کا اور
پورے سلسلہ کی توجہ کو آپ کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔

توجہ اور القاء میں فرق

توجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ ذکر شروع کرتے ہیں تو جو ذکر کرانے والا ہے وہ یہ دیکھے کہ پہلا لطیفہ کر رہا ہوں اور پہلے آسمان سے انوارات میرے قلب پہ آ رہے ہیں اور وہی ان لوگوں کے دل پر بھی جا رہے ہیں جن کو میں ذکر کرا رہا ہوں۔ تو اس کی یہ سوچ انوارات کو ڈائریکٹ کر دے گی۔ ان پر بھی جاتے رہیں گے۔ اس کو القاء بھی کہتے ہیں اور اسی کو توجہ بھی کہتے ہیں کہ وہ انوارات القاء Reflect ہوتے ہیں اور توجہ ہوتی ہے یہ سوچا جائے کہ القا (Reflection) ہو رہی ہے۔ سوچنے سے اس طرح کرنے سے توجہ ہو جاتی ہے توجہ یہ نہیں ہے کہ آپ کرتے وقت اس سے بے فکر ہیں کہ میں اپنا ذکر کر رہا ہوں میرا کسی سے کیا اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ توجہ اس نیت کا نام ہے۔ جب آپ ارادہ کرتے ہیں کہ یہ دس آدمی' پچاس آدمی یا ساٹھ میرے ساتھ بیٹھے ہیں جو انوارات مجھ پر آ رہے ہیں ان پر جائیں تو توجہ ہو گی۔

القاء اس عمل کا نام ہے جسے آپ انگریزی میں ریفلیکشن کہیں گے کہ جو ڈائریکٹ ہو کر یا ریفلیکٹ (Reflect) ہو کر' منعکس ہو کر' ادھر جانا شروع ہو جائے۔

کامیابی کا گر

تو میرے بھائی ہر گھڑی' ہر آن طالب کے لئے متوجہ رہنا شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال اور طیب ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی محفل نااہلوں کے ساتھ نہ ہو۔ ان ساری باتوں کا دھیان رکھنے کے بعد مقررہ اوقات یعنی مغرب سے عشاء اور سحری سے فجر کی ازان تک حتی الامکان ضائع نہ ہونے دیں۔ ان میں پورے سلسلے کے مشائخ برزخ بھی طالبوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ذکر و توجہ

ذکر جب ہوتا ہے تو وہ خود ہی اپنا خیال کروا لیتا ہے بس ہو جائے سہی۔ جب تک توجہ اپنے بس میں رہے تب تک یہ پتہ چلتا ہے کہ ابھی ذکر خام ہے۔ جب ذکر میں پختگی آتی ہے تو پھر توجہ اپنے بس سے نکل جاتی ہے پھر اس طرف چلی جاتی ہے۔

شرائط ذکر

فرمایا :- اول حلال کا اہتمام اور صحبت بد سے احتراز کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ پوری یکسوئی سے' نہایت پابندی سے ذکر الٰہی کریں۔ پوری قوت سے' تیزی سے سانس کے ذریعے ذکر کریں۔ اس قوت اور تیزی سے دو اثر مرتب ہوتے ہیں اول توجہ ایک مقصد پر مرتکز ہوتی ہے دوم خون میں خاص گرمی پیدا ہوتی ہے جو اخذ فیض کے لئے اور جذب انوارات کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ گرمی پیدا نہ ہو تو شیخ کی توجہ سے انوارات آتے تو ہیں مگر طالب کے قلب میں جذب نہیں ہو سکتے۔ جب تک انوارات جذب نہ ہوں منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے۔ ہاں ذکر الٰہی کا ثواب ہوتا رہتا ہے۔ محض ثواب ملنا اور بات ہے اور منازل قرب کی طرف بڑھنا اور بات ہے۔

روحانی بیعت

روحانی بیعت کے لئے جو تیاری کرائی جاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ ... زین احدیت' معیت' اقربیت' سیر کعبہ' روضہ اطہر اور مسجد نبوی تک مراقبات ... تے ہیں مسجد نبوی کے مراقبے میں کوئی قید نہیں۔ مگر مضبوطی کے لئے ایک ... تک رکھا جاتا ہے۔

راقبات ثلاثہ

فرمایا :- کسی کو ایک ذکر میرے ساتھ نصیب ہو جائے تو اسے مراقبات ثلاثہ تک توجہ مل جاتی ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ کب تک ان کو قائم رکھتا ہے۔

فرمایا :- کوئی بھی ایک دفعہ پکارے تو اس کی پکار بھی ضائع نہیں جاتی۔ شرط یہ ہے کہ اسے پکارنے میں بنیادی طور پر وہ خلوص' وہ عقیدہ یا وہ درد وجود ہو جو اللہ کو پکارنے کے لئے چاہئے۔

دوام ذکر کیسے حاصل ہو؟

فرمایا :- دوام ذکر دوام توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کثرت ذکر سے دوام توجہ نصیب ہوتی ہے' ایک کیفیت نصیب ہو جاتی ہے جیسے کسی بھی کام کو مسلسل کرنے والے دنیادار میں بھی آپ دیکھ لیں' جواری' شرابی' بٹیر لڑانے والے اتنے اس میں منہمک ہو جاتے ہیں کہ وہ کام کر رہے ہوتے ہیں' بات کسی اور کی کر رہے ہوتے ہیں' کھانا کھا رہے ہوتے ہیں غرضیکہ کوئی بھی کام کر رہے ہوتے ہیں ساتھ اپنے اس شغل کی بات بھی چل رہی ہوتی ہے۔ تو جس طرح ان کا ہاتھ کام سے انکتا نہیں اس طرح کثرت ذکر سے یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا :- اگر لطیفہ قلب جاری ہو جائے اور بفضل اللہ ایک توجہ میں ہو جاتا ہے تو ذکر میں غفلت نہیں آتی۔ قلب ذکر کرتا ہی رہتا ہے اس کی قوت کی فریکونسی الگ ہوتی ہے کہ شروع میں وہ بہت تھوڑی ہے محسوس نہیں ہوتی۔ پھر وہ مضبوط ہو جاتی ہے پھر اور مضبوط حتیٰ کہ ایک ایسے درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ آدمی عمداً" متوجہ ہو نہ ہو اس کے مادی دماغ میں سے بھی پھر اللہ کی یاد نکلتی نہیں۔ وہ اس میں اتنا مضبوطی سے جڑ جاتا ہے کہ کام خواہ دنیا کا ہی کر رہا ہو۔ عمداً" متوجہ نہ ہو تو بھی عظمت الہی اس سے اوجھل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس درجے کو نہ پہنچے تو جیسے ہی لطیفہ قلب جاری ہو جائے تو ذکر منقطع نہیں ہوتا'

لطائف کا ذکر موت سے بھی ختم نہیں ہوتا وہ مسلسل اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ بدن کے ذرات ذاکر ہو جاتے ہیں' Cells ذاکر ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ جہاں دفن ہوتے ہیں ان کی قبر کا نشان اگر مل جائے تو دیکھیں وہاں سے مسلسل ذکر کے انوارات اٹھتے رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی طاقت بڑھتی ہی رہتی ہے جسے آپ فریکونسی کہہ سکتے ہیں۔

کہ اس میں جتنا وقت مل جائے' جتنی محنت ہو جائے' وہ بڑھتی رہتی ہے۔ جتنا کوئی عمل کرتا ہے' جتنا کوئی مجاہدہ کرتا ہے' جتنا کوئی لطائف پر زور لگاتا ہے' جتنا ذکر کرتا ہے اتنی ہی اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے' اتنے اس کے اثرات بڑھتے جاتے ہیں۔ عملی زندگی پر' سوچ پر' ارادوں پر' اللہ جل شانہ کی حضوری پر' لیکن محروم وہ بھی نہیں جسے ایک توجہ نصیب ہو جائے۔

خیالات و ذکر

فرمایا :- اگر یہ خیالات آنا چھوٹ جائیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو' آدمی آسانی سے ذکر ایک روٹین میں کرنے لگے تو اسے ثواب کس بات کا۔ پھر تو ترقی فرشتوں کو ملنی چاہئے جو روٹین ورک ہمیشہ سے کرتے ہیں۔ انسان کو ملتی اس لئے ہے کہ اسے طرح طرح کے وساوس گھیرتے ہیں خیالات آتے ہیں' ضروریات ہوتی ہیں' مجبوریاں ہوتی ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر محنت اور مجاہدہ کرتا ہے تو اس کا اجر مرتب ہوتا ہے۔ خیالات کا بڑا آسان سا نسخہ ہے کہ ان کے پیچھے نہ لگو تو آنا چھوڑ دیتے ہیں۔ سوچتے رہو زیادہ آتے ہیں آدمی سوچتا ہے تو وہ بھی آتے رہیں گے ممکن نہیں ہے کہ تہجد کو اٹھتے ہوئے کبھی کوفت نہ . اگر مشکل ہی نہ ہو تو ثواب کس بات کا۔

حالات ذکر

فرمایا :- یہاں بعض لوگوں کو غلطی لگتی ہے کہ ذکر کرنے سے یا عبادت د

اطاعت سے مجھے مختلف کمالات کیوں حاصل نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اطاعت کا ثمرہ تقویٰ ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہئے کہ پہلے میرے دل کی، میرے اعمال کی اور میرے احساسات کی حالت کیا تھی اور ذکر اذکار یا عبادت کرنے کے بعد میری قلبی کیفیت اور میرے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ اگر واقعی اللہ کی نافرمانی کم ہو رہی ہے اور جذبہ اطاعت پیدا ہو رہا ہے تو جس مجلس کی یہ برکات ہیں وہ حق ہے۔ اور اگر محض وقتی ہیجان اور جوش ہے مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آ رہی جو بدن کو منہیات سے روک دے تو وقت کا ضیاع ہے۔ کشف و کمال حاصل ہو نہ کوئی مزیدار انعام تو کوئی حرج نہیں مگر تقویٰ ضرور حاصل ہونا چاہئے خواہ کسی درجے میں ہو۔ ہر شخص کا تقویٰ بھی اس کی ہمت کے مطابق ہو گا۔

فرمودۂ شیخ

فرمایا :- یہ کوئی فرض واجب تو نہیں لیکن جو چیز مشائخ سے نقل ہوتی ہے اس میں ایک خاص برکت ہوتی ہے۔ ویسے کوئی تعوذ تسمیہ پڑھ کر شروع کر دے تو ٹھیک ہے لیکن شیخ سے سنے گئے کلمات اگر اس ترتیب سے پڑھے جائیں تو ان کی ایک اپنی کیفیت ہوتی ہے اور برکت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ خواہ مخواہ اسی طرح پڑھے جائیں حصول برکت کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔

ذکر اور توجہ

فرمایا :- کام کے وقت کام میں متوجہ ہونا ضروری ہے۔ ذکر کا نظام ایسا ہے کہ جو ذکر کے اوقات ہیں جب آپ فارغ ہوں تو عمداً اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ آپ عمداً متوجہ نہ ہوں تو یہ ازخود آپ کو اپنی طرح متوجہ کئے رکھے گا۔ کام کے وقت پوری توجہ کام کو دینی چاہئے اور ذکر میں ایک کمال یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے کام کرنے کی قوت بھی آ جاتی ہے اور کام سمجھنے کی استعداد بھی

بڑھتی ہے۔ یہ جو انوارات الٰہی ہوتے ہیں یہ دماغی قوتوں کو بھی بڑھاتے ہیں۔
جسمانی قوتوں کو بھی بڑھاتے ہیں' قوت برداشت کو بھی بڑھاتے ہیں۔ بندہ
تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر سکتا ہے' زیادہ دیر تک کام کر سکتا ہے اور زیادہ
دانائی سے کام کر سکتا ہے۔ ذکر کی طرف متوجہ ہونا تب ضروری ہے جب آپ
کوئی کام نہ کر رہے ہوں' فارغ ہوں تو پوری طرح متوجہ ہو کر ذکر کر لیں۔ اگر
کام کر رہے ہوں تو اپنی پوری توجہ کام میں رکھیں۔ کام اس کو مانع نہیں ہے
بلکہ یہ دو وقت ذکر قلبی کیا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ ذکر ہی مسلسل ہوتا رہے۔

کیونکہ ذکر لسانی میں بھی رکاوٹ تب ہی آتی ہے کہ آپ کام میں لگ گئے
ذکر چھوٹ گیا۔ سو گئے تو ذکر چھوٹ گیا۔ تو ذکر قلبی ازخود سونے والے کا بھی
جاری رہتا ہے' کام کرنے والے کا بھی جاری رہتا ہے اور اس کے اثرات کام
میں بھی اور عمل میں بھی محسوس ہوتے رہتے ہیں۔

آخر سے ذکر میں شمولیت

ابتداء قلب سے کرے۔ مثلاً" آپ نے قلب شروع کیا اور آواز آئی
پانچواں لطیفہ تو آپ تھوڑا تھوڑا دوسرا' تیسرا اور چوتھا لطیفہ کر کے پانچویں
لگ گئیں۔ یہ بہتر ہے اس طرح کہ سب پہ تھوڑا تھوڑا ذکر ہو جائے۔ شیخ کا
یہ ہوتا ہے کہ اس کی توجہ آپ میں وہ قوت پیدا کر دے جو نیند کی محبت کو'
ستی کی رکاوٹ کو' دنیاوی حاجات کو' ان سب کو توڑ کر یاد الٰہی میں' اطاعت
میں لگائے رکھے۔ یہ قوت پیدا ہوتی ہے مجاہدہ اور شیخ کی توجہ سے۔ یہ نہیں
ہوتا کہ یہ رکاوٹیں ہی معدوم ہو جائیں۔ یہ اپنی جگہ رہتی ہیں لیکن آدمی کو
کریم شیخ کی صحبت یا توجہ یا اس کے مجاہدے کے ساتھ ساتھ اپنی عطا سے
قوت عطا کر دیتا ہے اور ان رکاوٹوں کے باوجود وہ اپنے کام میں لگا رہتا ہے
اگر توجہ ہٹ جائے یا شیخ سے رشتہ ٹوٹ جائے تو یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔
کیفیات فطری ہیں ٹکتی نہیں۔ دھوپ سردی جس طرح موسم بدلتے رہتے

ہیں' جس طرح رات دن آتا ہے اسی طرح کیفیات بھی آتی جاتی رہتی ہیں معدوم نہیں ہوتی۔

فرمایا :- میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ آدمی کو ذکر کا طریقہ سکھائیں تاکہ میرے پاس آنے تک کچھ استعداد پیدا ہو جائے۔ اللہ کرے ایک ہی توجہ سے اسے کچھ مراقبات نصیب ہو جائیں۔ جو یہیں آکر شروع کرتا ہے تو اسے اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ جسے آپ لوگ شروع کرا کے' محنت کرا کے لے آتے ہیں جتنا اسے ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ساتھی کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے بندے کو لطائف سمجھا سکتا ہے کرا بھی سکتا ہے۔

فرمایا :- میں بڑی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ ذکر کروانے کے دوران نہ بولنا صحیح ہے۔ اب اگر کوئی بولتا ہے تو اس کی زبان تو ہم سے نہیں کاٹی جا سکتی' محض جذبات میں لا کر تیزی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیزی وہ نافع ہے جو اس راستے پر پیدا ہو۔ آپ کسی کو شعر سنا کر' غزلیں سنا کر' اس کے جذبات میں انگیخت پیدا کر کے تیزی پیدا کریں تو وہ نافع نہیں' وہ مفید نہیں ہے۔ بندے کو آپ پاگل تو کر سکتے ہیں مگر اس سے برکات پیدا نہیں ہوتیں چونکہ یہ معاملہ جذباتی نہیں ہے اس کی بنیاد حقائق پر ہے۔ اس کا رابطہ اس طرف اتنا ہو کہ اس میں ازخود تیزی آئے' گرمی پیدا ہو۔

کار مرداں روشنی و گرمی است　　　کار دوناں حیلہ دبے شرمی است

(ہیرا پھیریاں کر کے گرمی پیدا کرنا یہ نامردوں کا کام ہے اور مردوں کا کام یہ ہے کہ توجہ سے گرمی اور تیزی پیدا ہو۔)

فرمایا :- بھئی دیکھو کتنے لوگوں سے تمہارے مراسم ہیں۔ ہر ایک سے کسی نہ کسی بات پر اصرار کرتے ہو میرے ساتھ یہ کاروبار کرو' دوائی مجھ سے خریدا کرو' میری گاڑی پہ سواری کیا کرو' میری تمہاری دوستی ہے۔ تمہیں ٹیکسی چاہیے تو میری گاڑی لے جایا کرو۔ کبھی کسی دوست سے آپ نے یہ بھی اصرار کیا ہے

کہ مجھ سے اللہ کا نام بھی سیکھو۔ میرے ساتھ تعلق ہے تو میرے اعتبار پر ہی یہ کرنا شروع کر دیں بڑے فائدے کی بات ہے۔ کبھی کیا ہے کسی نے؟ کبھی نہیں کیا۔ تو پھر کیا فائدہ؟ اس کا مطلب ہے ابھی خود آپ کو اس پر اعتماد نہیں ہے کہ اس میں کوئی فائدہ بھی ہے کہ نہیں۔

کشف و ذکر

ایک سوال تھا انوارات کی کثرت کا جو پاس بیٹھتا ہے اسے زیارت نبوی ﷺ ہو گئی یا اسے بیت اللہ کی زیارت ہو گئی یا خود پہ مدہوشی آ جاتی ہے۔ تو اس طرح کی صورتیں جب واقع ہوتی ہے تو اس وقت لکھ کر رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ جب بھی کسی ساتھی پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ انوارات آ جاتے ہیں تو یہی حالت ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اگر ہو تو اسی وقت لکھ دیں تو یہ شدت کم کی جا سکتی ہے اب انشاء اللہ کم ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ذکر کی دعوت کسی مشاہدے کے لئے دینا درست نہیں۔ ذکر محض اللہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ذکر کرنے سے مشاہدات ہو جاتے ہیں لیکن اگر ساری زندگی مشاہدات نہ ہوں تو اس میں حرج نہیں بلکہ فائدہ ہے کہ جنہیں مشاہدات ہوتے ہیں ایک حد تک وہ اپنے مجاہدے کا اجر لے لیتے ہیں۔ اور اخروی اجر جسے مشاہدہ نہیں ہوتا اسے مشاہدے والے سے زیادہ ملے گا کیونکہ اس کی ساری محنت اس میں جمع ہو رہی ہے۔ مشاہدہ غرض نہیں ہوتی' انوارات کو دیکھنا یا منازل کو دیکھنا غرض نہیں ہوتی' ان کا حصول غرض ہوتی ہے کہ منازل حاصل ہو جائیں۔ ان کا حصول غرض اس لئے ہے کہ وہ مظہر ہیں اللہ کی رضا کا' اللہ کے قرب کا۔ مقصد تو قرب الہی کا حصول ہے۔ منازل قرب الہی کا مظہر ہیں اس کے لئے مجاہدہ کرنا تو صحیح بات ہے لیکن مشاہدات کے لئے دعوت دینا صحیح نہیں۔ دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ جو بھی ہے وہ چھ دن ذکر جس طریقے سے ہم بتاتے ہیں کرتا رہے اور پھر وہ اپنی زندگی' اپنے

معمولات کو پرکھے۔ ذکر سے پہلے جس طرح اس کے معمولات تھے ان میں اگر ذکر کے بعد فائدہ ہوتا ہے' مثبت تبدیلی آتی ہے۔ اگر پہلے بھی نمازیں پڑھتا تھا اب بھی پڑھتا ہے تو ذکر کے بعد نمازیں پڑھنے میں کچھ زیادہ خشوع و خضوع پیدا ہونے لگ گیا یا پہلے خطائیں روز کرتا تھا اور ذکر کی وجہ سے آٹھ سے سات پر آ گیا پھر تو بات بن گئی۔ ذکر کی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ اس کا مزاج بدلے' اس کا دل بدلے' اس کی خواہشات بدلیں اور اس کا طرز عمل تبدیل ہو۔

کشف اور دیگر مخفی علوم کا فرق

فرمایا : اللہ کریم نے انسان میں کچھ پوشیدہ قوتیں رکھی ہیں' کچھ مخفی خزانے اسے عطا فرمائے ہیں جن کو یہ تین طرح سے استعمال کرتا ہے۔ ایک کسی قاعدے کے ذریعے مجاہدہ کر کے قوت متخیلہ کو ایک نقطہ پر مرتکز کرنے کی مشق حاصل کرتا ہے اور اس ارتکاز توجہ سے مختلف ایسے امور انجام دیتا ہے جو محیر العقول ہوتے ہیں' بڑے عجیب نظر آتے ہیں' شعبدہ بازی سے لے کر ٹیلی پیتھی تک اور یوگا سے لے کر مسمریزم تک کے اقسام اس ضمن میں آتے ہیں۔

دوسرا استعمال اس کا یہ ہوتا ہے کہ انسان برائی میں پڑ کر ابلیس کے ساتھ اپنا رابطہ اور شیاطین کے ساتھ اپنا تعلق قائم کر لیتا ہے۔ چونکہ اس میں استعداد کار ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر کچھ مخفی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں ان پر جب شیطانی اثرات مرتب ہوتے ہیں تو یہ خود مجسم شیطان بن جاتا ہے اور دنیا میں شیطان کے نمائندے کے طور پر کام کرتا ہے جو از قسم کہانت' جادو' ٹونا' وغیرہ یا جنہیں سفلی علوم کہا جاتا ہے۔ تیسرا ان قوتوں کا استعمال یہ ہے کہ جب اللہ کی طرف سے کوئی نبی اور رسول مبعوث ہوتا ہے تو آدمی مکلف ہوتا ہے اس پر ایمان لانے کا۔ جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو ان مخفی قوتوں کا یا دل کی طاقتوں کا یا روح کی طاقتوں کا یا روح کے مرکز کا تعلق قائم ہو جاتا ہے نور نبوت سے اور پھر نور نبوت کے طفیل انسانی قلب میں وہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ارشادات

نبوی کو سمجھ سکے۔ جب نور نبوت دل میں آتا ہے تو انسان کی مخفی قوتوں کو اس سے جلا ملتی ہے۔ ان مخفی قوتوں میں دیکھنے' سننے' سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ساری باتیں عام آدی سن نہیں سکتا' دیکھ نہیں سکتا۔ ہاں جس کا قلب منور ہو جائے' اللہ قوت مشاہدہ دے دیں تو پھر وہ دیکھتا بھی ہے' سنتا ہے۔

اصل مصرف ان قوتوں کا یہ ہے کہ صمیم قلب کے ساتھ نبی پر ایمان لائے اور نور ایمان سے اپنے دل کو زندہ کرے۔ اس پر مزید ترقی یہ ہے کہ ان برکات کو تلاش کرے جو صحبت نبوی سے ملتی ہیں۔ یعنی ایمان لاکر زندگی تو پیدا ہو گئی۔ جب برکات نبوی کو بھی حاصل کیا جائے گا تو صحتمندی' تندرستی نصیب ہو گی یعنی زندہ ہونا اور بات ہے اور صحت مند' جوان اور پہلوان ہونا اور بات ہے۔ ہم سب زندہ ہیں لیکن ہم میں کوئی بھی پہلوان نہیں کوئی بھی اکھاڑے میں اترنے کی جرات تو نہیں کرے گا۔ زندہ ہونا ایک درجہ ہے' صحت مند ہونا دوسرا درجہ ہے اور پہلوان ہونا تیسرا درجہ ہے۔ اسی طرح ایمان لانا ایک درجہ ہے' برکات کو تلاش کرنا' صحت مند ہونا دوسرا درجہ ہے اور برکات کو حاصل کرنا گویا میدان حیات میں پہلوان بننا یہ تیسرا درجہ ہے۔

فرمایا :- ولایت خاصہ کو پانے کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ ہر وہ شخص سربلند و سرفراز ہو گا جو سرنگوں ہو کر زندہ رہتا ہے۔ جتنا جتنا اپنے آپ کا نہ ہونا تصور کرتا چلا جائے گا' اپنے آپ کو جتنا کم تر خیال کرے گا' اللہ کریم اتنا اسے بلند و برتر بناتے چلے جائیں گے۔ قانون ہے' اصول ہے کہ جتنی کسی میں عجز و نیاز مندی آئے گی اتنی اس کو سربلندی نصیب ہو گی۔

فرمایا :- دراصل اللہ نے عقل و شعور تو بخشا ہے لیکن یہ فکر و شعور حدود الہی کے اندر رکھنے کے لئے ہے۔ یہ فکر و شعور انسان کو اس لئے نہیں دیا گیا کہ اللہ کے مقابل خود خدا بن بیٹھے۔ بلکہ یہ فکر و شعور اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کی مدد سے عظمت باری کو دیکھ سکے۔

صحبت اہل اللہ کا معیار اور کشف کی حقیقت

فرمایا :- پس میرے بھائی' اصل بات اور سب سے مشکل کام یہی ہے جس کے لئے تصوف اور سلوک اور یہ سارے اذکار اور نیک لوگوں کی محفلیں اختیار کی جاتی ہیں کہ ہم میں وہ قوت پیدا ہو جائے کہ رسوم کی قید سے نکل کر اتباع رسالت کو اپنا سکیں۔ اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنے کے فوائد جانچنے کے لئے معیار بھی یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنا معیار دیکھنا ہے کہ اس محفل میں آنے سے پہلے میری دنیا کیسے تھی۔ نماز کیا تھی' میرے خیالات' جذبات' اعمال و کردار کیلا تھے اور اس محفل میں آنے سے کوئی مثبت تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ تبدیلی ہر ایک کے حال میں اس کی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق آئے گی۔ کسی کو مشاہدات و مکاشفات ہوں تو اللہ تعالیٰ کا انعام' نہ ہوں تو اس کی اپنی مرضی۔ مشاہدہ ہو گا اور سب کو ہو گا۔ ایک وقت آئے گا جب آنکھ بند ہوتی ہے تو آنکھ کھل جاتی ہے سب کو بلکہ کافر کو بھی فرشتے نظر آتے ہیں۔ جنت دکھائی جاتی ہے۔ دوزخ بھی دکھائی جاتی ہے۔ مومن کو بھی ہر شے نظر آتی ہے۔ لہٰذا جب کشف ہو' مشاہدہ ہو تو پاس دیکھنے کو سرمایہ بھی ہو۔

ذکر کی اہمیت

فرمایا :- جیسے ذکر الہیٰ' ذکر اسم ذات کے بارے میں ارشاد ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے خطاب فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ یعنی تمام عبادات' دعوت و تبلیغ رسالت اور قرب الہیٰ کے منازل کے باوجود' حامل وحی ہونے کے باوجود' امام الانبیاء ہونے کے باوجود' ذکر اسم ذات کرتے رہو' اللہ اللہ کی تکرار ضرور کیا کرو۔ تو یہ آیت کریمہ اس پر شاہد ہے کہ اللہ کی کائنات میں کوئی مکلف انسان ہو اللہ کے نام کے بغیر اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ اپنا نقصان کر رہا ہے۔ مرد' عورت' بچہ' بوڑھا جو بھی مکلف انسان ہے جس طرح وہ باقی عقائد و اعمال کا مکلف ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کی

تکرار کا مکلف بھی ہے۔

حصول کشف

فرمایا :- بعض لوگوں میں فطرتاً یکسوئی کا مادہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں کے ذہن میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ بہت سی باتوں کی طرف متوجہ رہے۔ ان میں یہ قوت کم ہوتی ہے اور اس کمی کی وجہ سے ان میں یکسوئی زیادہ ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انہیں انکشافات ہو جاتے ہیں۔ اب جب کشف ہو گیا تو اس شخص نے یہ سمجھ لیا کہ قبولیت کی دلیل مل گئی۔ اب مجھے مزید محنت کی ضرورت ہی نہیں۔ تو بعض کے لئے کشف کا نہ ہونا حجاب بن گیا اور بعض کے لئے کشف کا ہونا حجاب بن گیا۔ تو جس طرح جسے کشف نہیں ہوتا اس کے لئے جاننا ضروری ہے اور جسے کشف ہوتا ہے اس کے لئے بھی کہ کوئی کسی بھی مقام پر پہنچ جائے اس کی ڈور شیخ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ وہاں سے جنبش ہو گی تو وہ بلندی پر چلتا جائے گا۔ اگر ایک لمحہ کے لئے کٹ گئی تو وہ آسمان میں ایک کٹے ہوئے پتنگ کی طرح دھکے کھا رہا ہو گا۔ کیا خبر کس گڑھے میں جا گرے۔ اسی طرح یہ کیفیات ہیں اور ان کا مدار ہے اس تعلق کو قائم رکھنے پر۔ تو میرے بھائی جتنا جتنا کسی کو منازل ہوتے چلے جائیں اتنا ہی زیادہ اسے محتاط بھی ہونا پڑتا ہے' اتنی ہی زیادہ اسے محنت بھی کرنی ہو گی۔ تو یہ استغناء یعنی شیخ سے حصول فیض سے مستغنی ہو جانا یہ طالب کی موت ہے۔

مشاہدہ' کشف' وجدان

فرمایا :- مجاہدے کی کمی کے باوجود بعض طبائع ایسے ہوتے ہیں کہ تھوڑے سے مجاہدے سے مشاہدات کو پا لیتے ہیں اور بعض ایسے سخت مزاج ہوتے ہیں کہ ان کے لئے بہت قوی اور بہت مضبوط مجاہدہ چاہئے۔ یہ فطری اور تخلیقی طور پر خداوند کریم نے بعض میں بعض خصوصیات رکھی ہیں ان کو بدلا نہیں جا سکتا۔

فرمایا:۔ مشاہدہ اس طرح کا ہونا چاہئے کہ اگر مراقبہ احدیت ہو رہا ہے تو آدمی احدیت کو دیکھے' اپنے آپ کو وہاں دیکھے' بلکہ اپنے ساتھ دوسرے جو لوگ وہاں پر ہوں ان کو دیکھ سکے۔ تو یہ بہت اعلیٰ صورت ہے۔ اس سے کم تر یہ ہے کہ مقامات اور کیفیات نظر آ رہی ہوں۔ اگر مقام نظر نہیں آتا ہو تو اپنی روح' اپنے آپ کو وہاں کھڑا ہوا ضرور دیکھ رہا ہو۔ دو میں سے ایک شے نظر آ رہی ہو اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو اس سے کم تر یہ ہے کہ وہاں کے انورات تو نظر آئیں۔ مقام نظر نہیں آ رہا' روح نظر نہیں آ رہی تو وہاں کے انوارات نظر آئیں اور جب احدیت سے مراقبہ تبدیل ہو تو وہ انوارات بدل جائیں۔ احدیت کی بجائے پھر معیت کے انوار نظر آنا شروع ہو جائیں۔

فرمایا:۔ بعض لوگوں کو مشاہدات کی نسبت وجدان عطا ہوتا ہے۔ وجدان کشف سے مضبوط اور قوی تر شے ہے اور اعلام من اللہ کی بہت ہی اعلیٰ صورت ہے۔ کشف میں شیطانی دخل وجدان کی نسبت بہت زیادہ ہو سکتا ہے۔ کشف میں ابلیس بھی بعض چیزیں متشکل کر کے پیش کر دیتا ہے اور صاحب کشف یہ سمجھتا ہے کہ میں حقائق ہی دیکھ رہا ہوں لیکن وجدان چونکہ اعلام من اللہ ہوتا ہے' سیدھی بات براہ راست ذات باری سے قلب پر مترشح ہوتی ہے تو اس میں اگر شیطان دخل اندازی یا وسوسہ اندازی کرنے کی کوشش کرے تو فوراً" وہاں سے نور منقطع ہو کر ظلمت آ جاتی ہے اور کشف کی نسبت اس میں بہت زیادہ حفاظت کا پہلو ہوتا ہے۔ اس کے جانچنے کی ایک عام آدمی کے لئے' ایک طالب اور مبتدی کے لئے ایک ہی صورت ہے مثلاً" کسی کو مراقبہ احدیت ہوتا ہے اس کی روح وہاں پہنچتی ہے لیکن مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس کا دل اس بات پر اعتماد کر لیتا ہے کہ میری روح احدیت پر موجود ہے اگر یہ اعتماد اعلام من اللہ ہو اور یہ وجدان ہو تو کوئی خارجی دلیل اس یقین کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ وجدان کو جانچنے کی عام حالات میں ایک مبتدی کیلئے ایک طالب کے لئے صورت یہ ہے کہ جو اعتماد اس کے دل میں کسی مقام کی نسبت پیدا ہوتا ہے اسے پھر کوئی

ظاہری' کوئی خارجی' کوئی عقلی دلیل کسی کی رائے' متزلزل نہیں کر سکتی اور اگر اس کے اعتماد میں تزلزل آ جائے تو پھر وہ اس کی ذاتی رائے ہے اعلام من اللہ نہیں ہے' وجدان نہیں ہے پھر وہ اس کے دل کی ذاتی آواز ہے اور اس کے ذہن کے جو خیالات ہیں اس کے دل پہ منعکس ہو رہے ہیں۔

فرمایا :- کوشش کریں اللہ سب کو واضح شفاف مشاہدات عطا فرمائے اور کوشش کریں کہ آپ خود اس قابل ہوں کہ آپ خود یہ کہہ سکیں کہ فلاں مقام تک میری رسائی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں بجائے اس کے کہ روایات کے سہارے پر' دوسرے کے بتانے پر یا کسی کے کہنے پہ سمجھ بیٹھیں۔

فرمایا :- پہلی صورتیں کشف' مشاہدہ' وجدان میں سے کسی نہ کسی صورت کو پانے کوشش کریں اور اس کے لئے کثرت توجہ چاہئے۔ ہر وقت احدیت' معیت اقربیت کی طرف متوجہ رہیں۔ ذکر کے دوران جو خیالات آتے ہیں ان کو ہٹانے کی' جھٹکنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش کریں کہ ہر سانس پہ نگرانی رہے کہ اللہ ھو جاری رہے' یہ نہ ہو کہ سانس صرف ایک عادت کے مطابق تیزی سے چل رہی ہے اور خیالات کہیں اور بھٹک رہے ہوں۔ اگرچہ یہ خودبخود نہیں ہوتا اس کے لئے بھی محنت اور کوشش درکار ہوتی ہے اپنے خیالات کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ ایک دشوار کام ہے جو مسلسل کرنا پڑتا ہے۔ مسلسل کرنے سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور جتنی یکسوئی حاصل ہوتی جاتی ہے اتنے ہی مشاہدات واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔

کشف میں اختلافات

فرمایا :- جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے تو صوفیاء میں بھی اختلاف کا ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ کسی بھی صوفی کا جو کشف ہوتا ہے وہ کوئی حتمی بات نبی کے کشف کی طرح نہیں ہوتی۔ اور کشف میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ولی کا کشف تعبیر کا محتاج ہوتا ہے' تشریح کا محتاج ہوتا

ہے۔ تعبیر کرتے ہوئے کبھی غلطی لگ جاتی ہے۔ پھر کشف میں کبھی اپنا ذاتی نظریہ کسی چیز کے متعلق منشکل ہو جاتا ہے۔ آدمی کی اپنی رائے' اس کے اپنے نفس کے خیالات سامنے آ جاتے ہیں۔ تو اس میں اختلاف کا ہونا بھی کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اصل میں ذکر الٰہی سے جو بہت بڑی نعمت حاصل ہوتی ہے اور جسے حقیقی کشف کہنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جو مسائل شرعی اور احکام شریعت ہیں ان سے جو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ محسوس ہونے لگ جاتی ہیں۔ اگر کشف نہ ہو تو ان پہ جو یقین ہوتا ہے وہ سن کر یقین ہوتا ہے اور اللہ کریم یہ نعمت دے دیں تو وہ یقین علم الیقین میں بدل جاتا ہے۔ محسوس کر کے آدمی یقین لاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں کہ صاحب قبر کا قبر میں کیا حال ہے یا برزخ میں کسی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ معاملات اللہ کریم کے اپنے ہیں اور انہیں سمجھنے میں غلطی بھی لگ سکتی ہے' صحیح بھی ہو سکتے ہیں۔ للذا کوئی حتمی فیصلہ ان میں ہونا کہ ہر آدمی ایک ہی سا دیکھے یہ ممکن نہیں نہ اس کی ضرورت ہے۔ صوفیاء میں بہت سے لوگ ان کو اچھا نہیں سمجھتے۔

مشاہدوں پر مختلف محافل کے اثرات

فرمایا :- ہم جو وعظ کرتے ہیں' لیکچر دیتے ہیں' تقریریں کرتے ہیں' تبلیغ کرتے ہیں' اس سے بھی مشاہدات بند ہو جاتے ہیں۔ اگلے کی نہ سنیں اپنی سناتے رہیں اور بات دین کی ہو لیکن قلبی کیفیات میں وہ کمی پیدا کرتی ہے ثواب زیادہ ہوتا ہے لیکن مشاہدات بند ہو جاتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر فرمایا کرتے تھے کہ جیسے کوئی گلی کو' محلے کو' مکان کو جھاڑو سے صاف کر دے صفائی تو ہو جائے گی لیکن صفائی کے دوران اس کے کپڑوں پر گرد ضرور پڑے گی' اس کے کپڑے گندے ہوں گے۔ یہ صفائی کا خاصہ ہے۔ تو بات نہ کر کے وہ اس کیفیت سے بچتے تھے۔

بات سنی جائے یعنی غلط بات کا جو سننا ہے وہ تو ایسی ظلمت ہے اس پر

عذاب کی وعید ہے۔ اس کا اندازہ لگا لیجئے کہ جھوٹ سننے سے اگر دل کا حال اتنا بدلتا ہے اور حق بات کہی جائے' صحیح بات کہی جائے تو اب ہم آپس میں جو باتیں کر رہے ہیں تو یہ ممکن نہیں کہ جو میرے دل کی یا میرے مزاج کی جو کیفیت ہے کسی حد تک آپ پر وہ وارد نہ ہو۔ ہر لفظ کے ساتھ وہ اثرات ضرور ہوں گے۔ تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں۔ لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ یکطرفہ ٹریفک چلتی رہے۔ جتنے سامعین ہیں اور جتنے جس طرف متوجہ ہیں اس کیفیت کے ساتھ ان سب کے اثرات مجھ پر بھی آئیں گے۔

سلسلہ عالیہ کی قوت

فرمایا :- جہاں تک ترقی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ عالیہ میں اور یہ صرف اس سلسلے کی خصوصیت ہے باقی سلاسل میں ہمیشہ ہر حال میں شیخ قدم بقدم چلاتا ہے لیکن اس سلسلہ میں جب کسی کو سالک المجذوبی سے آگے عرش کے منازل میں چلا دیا جائے تو پھر وہ جہاں بھی ہو اسے توجہ ملتی رہتی ہے۔ جتنی محنت کرے اتنی ترقی بھی کر سکتا ہے۔ زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ اللہ کریم نے یہ بہت بڑی نعمت اور سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اپنی پوری توجہ اس میں صرف کریں' پوری محنت صرف کریں۔

باب سوم

شیخ سلسلہ' مناصب اولیاء اور مقامات

آداب شیخ

فرمایا :- آداب شیخ تھری وے سسٹم ہوتا ہے یعنی تین طرح سے رابطہ رہتا ہے۔ ان تینوں میں سے کوئی ایک تار بھی کٹ جائے تو اس کا سرکٹ کٹ جاتا ہے' نامکمل ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے ہوتی ہے عقیدت جو شیخ کے ساتھ یا صاحب مجاز کے ساتھ یا جو ذکر کرا رہا ہے اس کے ساتھ۔ عقیدت نہ ہو تو رابطہ فیض نہیں ہوتا۔ کوئی آدمی اگر ساتھ بھی بیٹھ جائے جی میں نہیں سمجھتا کہ یہ آدمی صحیح ہے لیکن چلو دو دن ذکر کر کے دیکھتے ہیں۔ تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا' اس لئے کہ اس کے قلب کا اس کے قلب سے رابطہ ہی نہیں ہو گا۔ دوسرا جو مضبوط رشتہ اطاعت کا ہے اور تیسرا رشتہ ہے ادب کا۔ ادب میں یہ دنیاوی رسومات ضروری نہیں اور ادب کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات کو پورے خلوص کے ساتھ اپنایا جائے۔

تو عقیدت' اطاعت اور ادب تھری وے سسٹم ہے۔ جتنی یہ تینوں باتیں مضبوط ہوں گی اتنا رابطہ مضبوط ہو گا۔ سب سے پہلا نمبر عقیدت کا ہے دوسرا اطاعت کا اور تیسرا ادب کا۔ ادب رہ گیا تو اطاعت کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اطاعت چھوٹے گی تو رشتہ ختم ہو جائے گا۔ یہ سارا معاملہ ہی دراصل حقوق کی حفاظت کا ہے اور حقوق کی حفاظت میں حق کا ادا کرنا بنیادی بات ہے۔ اس لئے حقوق کے معاملے میں حتی الامکان اللہ کریم توفیق بخشے تو اپنی پوری کوشش' پورے خلوص کے ساتھ کرتے رہنا چاہیے کہ میں عقیدت' ادب اور اطاعت کے تقاضوں کو مکمل طور سے ادا کروں۔

فرمایا :- میں ایک دفعہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے واپس آ رہا تھا تو ان کے چند مخالفین سے ملاقات ہو گئی۔ وہ لگے قصے سنانے۔ جب ساری بات سنا

چکے۔ تو میں نے کہا ان میں سے تو کسی کام کے لئے میں نہیں آتا ہوں۔ میرا ان کاموں سے کیا؟ کون لڑتا ہے؟ کس سے لڑتا ہے؟ کب لڑتا ہے؟ کون صحیح ہے؟ میرا تو اس سے تعلق نہیں۔ تو آپ کیوں آتے ہیں میں نے جواب میں کہا میں تو تصوف سیکھنے آتا ہوں۔ تو اگر آپ میں سے کوئی آدمی سکھا سکتا ہے۔ یا جانتا ہے تو بتایئے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ مولانا کو کتنا آتا ہے اور آپ کو کتنا آتا ہے تو جو زیادہ اچھا ہو گا اس کے پاس چلا جاؤں گا۔ مجھے تو ایک چیز حاصل کرنا ہے' ایک چیز سیکھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو نہیں آتا۔ تو میں نے کہا آپ کو نہیں آتا تو جو باتیں آپ کر رہے ہیں ان کا مجھے کوئی پتہ نہیں۔ میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو چیز میں ان سے لینے آتا ہوں اسے وہ بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرا کام ہو رہا ہے۔ یہ معاملات ان کے اور آپ کے ہیں۔ ان میں میرا کیا دخل ہے میں صرف ایک بات جانتا ہوں کہ جس کام کے لئے میں آتا ہوں ایسا آدمی کوئی دوسرا نہیں۔

فرمایا: میں آپ کو ایک بات گفتۂ شیخ کی بتاؤں کہ آدمی سارے وظیفے پڑھتا رہے' ساری تسبیحیں پڑھتا رہے' کچھ نہیں ہو گا۔ لیکن اگر شیخ ایک چیز پڑھنے کو کہہ دے تو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ اگر شیخ کے کہنے سے فائدہ ہوتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کہہ دیں کہ یہ پڑھو تو کتنا فائدہ ہو گا۔ تو کیوں نہ وہ درود پڑھے جائیں جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں۔

فرمایا: شیخ کا کام یہ ہے کہ آپ کا رشتہ اللہ سے جوڑ دے' آپ کا اللہ کی نافرمانی سے بچنے کو دل چاہنے لگے۔ یہ کام ہے شیخ کا' یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے پورے خلوص سے محنت کرے' ذمہ داری شیخ کی یہ بھی ہے کہ وہ پوری دیانتداری سے ہر آنے والے کے ساتھ اتنی محنت کرے کہ یہ زیادہ سے زیادہ قرب الٰہی حاصل کرے اور اللہ سے بات کرنا یہ آپ لوگوں کا

وہ جو چند آدمیوں کو بھی یہ نعمت دیتے تھے جب باہر بات نکلتی تھی تو ان پر بے شمار فتوے لگتے تھے۔

فرمایا :۔ صحابہؓ جانتے تھے کہ جسمانی قرب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ جب تک قرب معنوی حاصل نہ ہو۔ قلبی اور روحانی' باطنی تعلق جب تک مضبوط نہ ہو محض وجود کو مکۃ المکرمہ رکھنے سے یا مدینۃ المنورہ میں رکھنے سے بات نہیں بنتی۔

اللہ جل شانہ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ان برکات کو بہت تھوڑے وقت میں روئے زمین پر پھیلا دیا۔ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر ایک دوست اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور ان برکات کو زیادہ سے زیادہ قلوب تک پہنچائے۔ یہ راستہ بظاہر بہت مشکل' بہت کٹھن' بہت دشوار ہے لیکن قلوب میں اگر اللہ کریم خلوص دے دے تو یہ آسان ترین راستہ ہے۔ بات صرف مقصد یا طلب کے تبدیل ہو جانے کی ہے۔ انسان دنیا میں رہتے ہوئے کسی طرح بھی دنیا کی طلب سے آزاد نہیں ہو سکتا تو اس کی تکمیل کے ذرائع کی طلب سے کیسے آزاد ہو گا۔ برکات نبوت کا کمال یہ ہے کہ رخ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی طلب دوسرے درجے میں اور قرب الٰہی کی طلب اول درجے میں ہو جاتی ہے۔

قوت سلسلہ عالیہ

یہ نسبت اویسیہ امت محمدیہ میں برکات نبوت ﷺ کا سمندر ہے۔ کسی بھی سلسلے میں سوائے خلیفہ مجاز اور صاحب مجاز کے کسی دوسرے کو کھوکہ وہ کسی آدمی کو ایک قلب ہی کرا دے اور وہ جو خلیفہ مجاز ہو گا وہ بھی ایک قلب کروانے کے لئے سالوں کا عرصہ لگوائے گا۔ بے شمار پابندیاں لگائے گا۔ اس سلسلہ عالیہ میں جو آج یہاں سے لطائف سیکھ کر جاتا ہے سارے گھر والوں کو بٹھا کر ذکر کرائے سب کے لطائف جاری ہو جائیں گے۔ نہ وہ صاحب مجاز ہے' نہ اسے کوئی منصب ملا ہے' نہ اس کے پاس کوئی مقامات ہیں۔ ایک دن' دو دن یا

اپنا کام ہے کریں۔ آپ کا اپنا رب ہے آپ جو چاہیں مانگیں۔

صحبت شیخ

فرمایا :- تو یہ سلاسل تصوف محض دعویٰ نہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ان انوارات اور برکات کو حاصل کیا جائے اور جس استعداد کو تخلیقی طور پر اللہ کریم نے ہمیں بحیثیت انسان عطا کیا ہے اس کو اس کی اصل جگہ پر صرف کیا جائے' اس سے نور ایمان کو اخذ کیا جائے اور نور ایمان کو مزید منور اور مضبوط کرنے کے لئے برکات کو حاصل کیا جائے جو انعکاسی طور پر صرف صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہیں اور ان کے حصول کی دلیل ہمارا ارادہ' ہماری سوچ اور ہمارا عمل و کردار ہے۔ اگر کسی شخص کو کشف نہیں ہوتا لیکن اس کا ردعمل اور کردار مثبت انداز میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا تو یقیناً اس کے سینے میں نور نبوت آ گیا جو اسے اس طرف لے جا رہا ہے۔ اگر کسی شخص کو کشف ہونا شروع ہو گیا لیکن اس کے عمل کی اصلاح نہیں ہو پا رہی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسے باطنی قوتوں کو جلا دینے کی تو مہارت ہو گئی لیکن ان میں نور نبوت داخل نہیں ہوا اور وہ شخص جسے کشف نہ بھی ہو اس کے اعمال سنت کے مطابق سدھرتے جا رہے ہیں تو وہ کامیاب ہوا۔

فرمایا :- سلاسل تصوف میں تربیت و تزکیہ کا مدار صحبت شیخ پر ہے جس کے لئے خلوص فی النیت اور خلوص فی العمل شرط ہے۔ اس کے حصول کا واحد ذریعہ اتباع شریعت ہی ہے جو اعتصام بالکتاب والسنہ اور اعتماد علی السلف سے عبارت ہے۔ کثرت ذکر اس کی وہ سمت ہے کہ جس سے آئینہ دل صاف ہوتا ہے۔ جس سے خلوص فی الدین اور للہیت کی دولت جاوید ہاتھ آتی ہے اور پھر یہی طمانیت و سکینت قلبی ہی شرح صدر اور بصیرت کاملہ کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ثمرات احسانی کے حصول اور رضائے باری کے فیضان سے قلب و روح کی دنیا کو آباد کرنے کی یہی ایک سبیل ہے اور ایک طالب صادق کے لئے منزل

مقصود کو پالینے کا یہ ایک مختصر سا کورس ہے۔

فرمایا :- لوگ بعض اوقات اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ انہیں توبہ کی توفیق نصیب کر دیتے ہیں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تصوف سے کوئی چلا گیا یا آ گیا۔ یہ اس کی حالت پہ منحصر ہوتا ہے کہ اس نے ذکر کتنی دیر چھوڑا اور اس کے مراقبات کہاں تک تھے اور کتنی دیر کے لئے چھوڑا۔ کیونکہ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم مراقبات سلب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر مراقبات سلب کئے جائیں تو ایمان تک سلب ہو جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ کا قاعدہ یہ ہے کہ مراقبات سلب نہ کئے جائیں۔ اگر آدمی خود چھوڑ بھی جائے تو اسے اللہ کے سپرد کرو' اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ گناہ کبیرہ نہ کرے تو اس کے مراقبات ختم نہیں ہوتے' کمزور ہوتے رہتے ہیں' دھیمے ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر عملی زندگی میں عمل کو بھی ضائع کر بیٹھے' گناہ کرتا رہے تو پھر جتنی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہوتی ہے اتنی ہی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے تو بحمد اللہ ہر چیز بحال ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر آدمی کے لئے ایک قانون نہیں بنایا جا سکتا کوئی واپس جب آتا ہے۔ تو وہ کتنی ٹوٹ پھوٹ لایا اتنی ہی اس کے ساتھ محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔

فرمایا :- ہر گناہ صحبت شیخ کے اثرات کے خلاف ہے۔ آپ کسی دیوار سے سوئی کے ساتھ ایک ریزہ نکال دیں تو دیوار کو ایک حد تک کمزور اس نے بھی کیا اور آپ بہت بڑا ہتھوڑا لے کر کوئی بہت بڑا پتھر توڑ دیں تو دیوار کو توڑا اس نے بھی ہے توڑا اس چھوٹے ریزے نے بھی ہے۔ ہر خطا اپنا رخنہ ضرور پیدا کرتی ہے خطا کا ہونا تو ممکن ہے لیکن اس کے ساتھ توبہ کی مرمت ہوتی رہے تو اللہ مہربانی فرماتا ہے۔ جو لوگ خطا کرتے ہیں اور اسے پیشہ نہیں بنا لیتے ہیں' توبہ کرتے ہیں تو اللہ کریم ان پر رحم فرماتے ہیں۔

فرمایا :- سوال ہوتا ہے کہ آپ پاس ہوتے ہیں تو قلبی حالت اچھی ہوتی

ہے آپ کے جانے سے اس میں تغیر آ جاتا ہے۔ یہ تو ایک فطری بات ہے کہ کسی چیز کو آپ چولہے پر چڑھا کر رکھتے ہیں تو اس میں تپش رہتی ہے' اتار کر رکھ دی تو نہیں ہوتی۔ یہ نظام ایسا ہے کہ قریب رہ کر بہت سی کیفیات آتی ہیں۔ جب آدمی الگ ہوتا ہے تو ان میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ جب پھر ملتا ہے بحال ہو جاتی ہیں۔ اب یہ سوال کہ شیخ کی ملاقات کے لئے وقت یا پیریڈ کتنا ہونا چاہئے۔ جہاں تک میرے ذاتی تجربات کا تعلق ہے تو ہم جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے الگ ہوتے تھے تو ایک حد پر آ کر ملنے کی بھوک لگ جاتی تھی۔ ہم پریشان ہو جاتے۔ اور یہ سمجھتے کہ اب اگر ہم نہیں ملیں گے تو ہم نہیں بچ سکتے۔ ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چل اٹھتے۔ کبھی زیادہ سے زیادہ وقت جو گزرتا تھا وہ تین ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد پریشانی سی آ جاتی تھی۔ ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ اب ملاقات ہی اس کو بحال کرے گی' ہماری محنت سے نہیں ہو گا۔ یہ اپنے اپنے حال کی بات ہے بھائی جتنی ضرورت کوئی سمجھے۔

فرمایا: یہ بڑی مزے کی بات ہے کہ ملاقات کتنی مدت بعد کرنی چاہیے۔ مجھے بڑی اچھی طرح اس بات کا تجربہ ہے۔ ہم جب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے تھے تو بالکل ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جیسا کسی پیاسے بندے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا ہو۔ رفتہ رفتہ ہر دن اس میں تھوڑی تھوڑی کمی ہوتی جاتی تھی پھر ایک وقت ایسا آتا تھا کہ ایک بے قراری سی لگ جاتی۔ یوں سمجھ آتا کہ پیاس بڑھ گئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی دوسرے بندے کے محسوسات کیا ہوتے ہیں' اب کس کا کیا حال ہوتا ہے وہ ہر ایک بندے کی اپنی نسبت سے ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی ساری زندگی وہیں صرف ہو جاتی ہے وہ جب اٹھتا ہے تو اس کی پیاس بڑھنے لگتی ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ ایک نگاہ دیکھ لے تو شاید سال گزارا کرے۔ بات دنوں کی نہیں میرے بھائی رشتوں کی ہے۔ کون کتنا پھنسا ہوا ہے' کون کتنا اس میں ڈوبا ہے' کون کتنا مجبور ہے۔ محبت کے پیمانے دنوں اور گھڑیوں سے نہیں ناپے جاتے' کیفیات سے ناپے جاتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک

آدمی جنوں کی حد تک محبت کرتا ہے کہ اسے ہر وقت دیکھتا ہی رہے دوسرا اسے اچھائی سمجھتا ہے اور چاہتا ہے نظر آگئی دیکھ لی نہ نظر آئی ماشاء اللہ' وقت گزر رہا ہے۔ تو کون جنوں میں کتنا پھنسا ہے یہ ہر متنفس کی اپنی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ پھر شیخ کے ساتھ جتنا تعلق' جتنی الفت' جتنی نسبت اور جتنے زیادہ لمحات نصیب ہوں ہر لمحہ اپنی ایک الگ قیمت رکھتا ہے۔ جس طرح ایک طالب علم امتحان کے لئے جان توڑ کے محنت کرتا ہے اسی طرح سالک کو بھی بہت سے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں شیخ کے ساتھ چند لمحات بسر کرنے کے لئے۔ ایک بات میں اور عرض کرتا چلوں کہ شیخ کی صحبت سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہاں بیٹھیں اور گپیں لگائیں اور ہنسی مذاق ہو تو وہ صحبت ہے۔ یہی نہیں شیخ کے ہاں پہنچ جانا' خلوص سے بیٹھ رہنا اور توجہ کا حصول اصل مقصد ہے اور شیخ کی صحبت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شیخ سے براہ راست توجہ حاصل کرے' شیخ کے ساتھ ذکر کرنا نصیب ہو جائے۔ اگر اتنی فرصت بھی نہ ملے تو چند لمحے وہاں جہاں ذکر ہوتا ہے بیٹھنا نصیب ہو جائے تو بھی بڑی حد تک پیاس بجھ جاتی ہے۔ شیخ کی مجلس بھی عجیب ہوتی ہے جہاں شور بھی خاموشی کا ہی ہوتا ہے گپوں کا نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ کیفیات کا انعکاس ہے' ایک Transmit کرنے کا عمل ہے یہ دلوں دلوں کی باتیں ہوتی ہیں۔

فرمایا :- مگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو فن سکھاتے ہیں اس کا تعلق ہی دل سے ہے اور جب دل میں اللہ آ جاتا ہے یا دل ایک خاص کیفیت کو اپنا لیتا ہے تو دماغ لا محالہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ للذا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام صرف تھیوری پر بحث نہیں فرماتے بلکہ دلی کیفیات عطا فرماتے ہیں جو نبوت کے فرائض میں سے ہے۔

فرمایا :- صحبت تو بڑی بات ہے کہ اگر شیخ کے ساتھ بیٹھنا نصیب ہو' باتیں کرنا نصیب ہو تو بھی کافی ہوتا ہے لیکن شاید اب وہ شیخ بھی نہیں رہے اور وہ

مرید بھی نہیں رہے' نہ شیخ میں وہ حوصلہ ہے اور نہ مریدوں میں وہ ہمت ہے تو ہر چند جو برکات نصیب ہوتی ہیں وہ اللہ کریم اپنی مرضی سے عطا کرتے ہیں۔ لینے والوں کو بھی دیکھ کر اور دینے والوں کو بھی دیکھ کر۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ دو وقت کا ذکر تو میں خود کرا دیتا ہوں یہ بھی اس کا کرم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے بھی ہم لوگ جاتے رہیں۔

فرمایا: صحبت شیخ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت شیخ کے ساتھ گزارے اور اگر آدمی اکثر پاس نہ بیٹھ سکے۔ پاس بیٹھنے کے لئے ضروری نہیں کہ آپ لگ کر بیٹھیں۔ جیسے آپ یہاں موجود ہیں تو یہ صحبت شیخ ہی تو ہے' صبح و شام ذکر نصیب ہو جائے تو یہ بھی صحبت شیخ ہی ہے ملاقات ہو جائے یہ بھی صحبت شیخ ہے اس کا اثر اگر آدمی سال بھر الگ بیٹھ کر ذکر کرتا رہے تو روح میں استعداد تو پیدا ہو جاتی ہے ترقی نہیں ہوتی۔ جب شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو جتنی استعداد ہوتی ہے آن واحد میں اتنی ترقی نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ طالب کے دل کو شیخ کے دل سے اخذ کرنی ہوتی ہے اور یہ تمام سلاسل میں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ عالیہ میں ایک منزل ایسی آتی ہے کہ اس پر پہنچ کر آدمی دنیا میں کہیں بھی ہو وہ صحبت شیخ میں رہنے کے برابر ہے جس سے اس کے منازل چلتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے منازل میں جو قوت ملاقات سے نصیب ہوتی ہے دور رہ کر نہیں ہوتی۔

فرمایا: آپ ایک ایک پیالہ جمع کر کے ایک مٹکا بھر لیتے ہیں اور اس پر مہینہ خرچ ہو جاتا ہے اور اگر اس میں چند قطرے پیشاب کے ڈال دیں تو وہ زیادتی کیا پائیداری کرے گی؟ اگر آپ ایک ایک قطرہ تیل اکٹھا کر کے ایک مہینے میں بتی تیار کریں اسے جلائیں جس سے ماحول میں روشنی ہو اور آپ ایک پھونک سے اسے بجھا دیں تو اس نور کی پائیداری کیا کرے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے میاں کمانا مشکل ہوتا ہے اور کھونا آسان۔ خطا کا ہو جانا یہ الگ بات ہے انسان ہے۔ خطا پہ نادم ہونا' توبہ کرنا' مغفرت چاہنا' یہ درجات کو ضائع نہیں کرتا

بلکہ اس سے ایک کیفیت حاصل رہتی ہے اور ایک ملاقات میں سب کچھ درست ہو جاتا ہے صرف شیخ کی ایک توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

فرمایا :- میں نے دیکھا ہے کہ کئی ساتھی جب مجھے ملنے آتے ہیں' میرے کمرے میں اگر اخبار پڑا ہوا ہے میں لکھ رہا ہوں اٹھا کر اخبار پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ ساری کتابیں وہاں پڑی ہوتی ہیں کوئی اٹھا کر نہیں پڑھتا۔ حالانکہ یہ اس مسلک تصوف میں قطعا" حرام ہے اور یہ جرم ہے۔ ہم نے عمریں گزاریں اپنے شیخ کے ساتھ اور ہم سارا سارا دن ساری ساری رات سفر میں رہتے تھے ساتھ والے ساتھی سے بات بھی نہیں کرتے تھے جب شیخ کی مجلس میں ہوتے تھے۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ وقت گزارا ان میں سے کوئی بتا دے کہ ہم نے کبھی کسی سے بول کر پانی بھی مانگا ہو۔ کسی کو یہ بتایا ہو کہ میرے سر میں درد ہے۔ جب تک شیخ کے پاس بیٹھے ہیں شیخ سے بات ہوتی ہے یا شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے رہیں۔ تو آپ بھی یہ چیزیں سیکھیں۔

عظمت شیخ

فرمایا :- کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک لوگ تجلیات باری دیکھتے ہیں' اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ لوگ نبی کریم صلی ﷺ کی بارگاہ سے مشرف ہوتے ہیں' زیارت نبویؐ سے مشرف ہوتے ہیں۔ لوگ دونوں جہانوں کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ دیکھ پاتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے' یہ بہت عجیب بات ہے۔ اس کا اندازہ وہ لوگ کریں گے جو ہمیں نہیں پا سکیں گے۔ انہیں اندازہ ہو گا کہ کیسے لوگ تھے اور کاش ہمیں بھی وقت ملا ہوتا۔ یہ نعمت ہم نے بھی حاصل کی ہوتی لیکن یہ بات مت بھولئے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے' میں بھی ایک مشت غبار ہوں۔ رب کریم کی مرضی کہ اس نے کس کس کے ذمے کیا کیا خدمت سپرد کر دی ہے یہ اس کی اپنی مرضی۔

فرمایا :- اس لئے میں جب کچھ کہہ دیتا ہوں اور میں اپنی طرف سے پوری دیانتداری سے کوشش کرتا ہوں کہ میں اپنی بات نہ کہوں کیونکہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے میری حیثیت ایک ذریعے اور واسطہ کی ہے۔ اللہ کریم کا شکر ہے میں شیخ سلسلہ ہوں۔ میں جو کہہ دوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مجھے اجازت ہے اور جتنے یہ صاحب کشف حضرات بیٹھے ہیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو' مشائخ سے پوچھ لو' بارگاہ نبوی ﷺ میں مراقبہ کر کے دیکھ لو تم جب بھی پوچھو گے تمہیں یہی جواب ملے گا کہ اس سے جا کر پوچھو۔ جس کا جی چاہے اور جب جی چاہے مراقبہ کر کے پوچھ لو تمہیں جواب ملے گا فیصلہ نہیں ملے گا اس لئے کہ تمہارا رابطہ میرے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح تمہیں جواب نہیں ملتا اس طرح مجھے بھی بات کرنے کی اجازت نہیں ملتی۔ جو بات وہاں سے ملتی ہے وہ آپ تک پہنچاتا ہوں۔ یہ جو آپ کو خلافتیں بانٹی گئی ہیں ان میں میری کوئی رشتہ داری نہیں' کوئی کسی نے مجھے چندہ نہیں دیا۔ میرا اس میں ذاتی انٹریسٹ (Interest) کوئی نہیں' کوئی اس میں دلچسپی نہیں جو جو لوگ کام کر رہے تھے تو حضور ﷺ نے اپنی پسند سے پسند فرما لئے۔ شاید میرے منہ سے بھی نام نکل گئے ہوں لیکن بہرحال جنہیں صاحب مجاز بنا دیا گیا ان سے برکات اتنی ہی مل سکتی ہیں۔ جتنی میرے ساتھ بیٹھ کر مل سکتی ہیں۔

فرمایا :- تیسری بات جو میں عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ شیخ کی حیثیت ایسی ہوتی ہے کہ مختلف مسائل اس سے زیر بحث لائے جا سکتے ہیں لیکن شیخ کے ذمہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کا راز دوسروں کو نہ بتائے اور جو اس سے مشورہ مانگے وہ اللہ کے لئے خلوص کے ساتھ' جس میں اس کی بہتری ہو اور شرعی اعتبار سے بھی صحیح ہو وہ اسے دے اور شیخ بھی سب سے بڑا ستر پوش ہوتا ہے کہ ایک کا راز دوسرے کو نہ بتائے۔

فرمایا :- زندگی کے دو پہلو ہیں ایک نظریہ اور دوسرا عمل یعنی تھیوری اور پریکٹیکل۔ تھیوری تو کتاب کے مطالعے سے سمجھ میں آ جاتی ہے مگر پریکٹیکل کے

لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیبارٹری' مشق اور ڈیمانسٹریٹر اور یہ اصول ہر قسم کے زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ خواہ زندگی مومنانہ ہو یا کافرانہ' ایماندارانہ ہو یا فاسقانہ' ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

فرمایا :- نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگردوں کے بعد یہ سلسلہ اس طرح چلتا آ رہا ہے یعنی اس اصول کے تحت چلتا آ رہا ہے۔ اس استاد کو جو اس طریقہ سے یہ فن سکھائے اصطلاح میں شیخ کہتے ہیں اور شیخ کی ضرورت سے انکار وہی کرے گا جسے اللہ کا بندہ بن کر رہنے کی ضرورت کا احساس نہ ہو۔ اس سلسلہ میں بھی اسی احتیاط کی ضرورت ہے جو اور فنوں کے معاملے میں ہوتی ہے اور وہ یہ کہ استاد فن کا ماہر ہو' کوئی اناڑی یا بہروپیہ نہ ہو' یعنی شیخ کامل ہو۔

فرمایا :- شیخ کامل کے لئے چند شرائط اور کچھ علامات ہیں پہلی شرط یہ کہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو دوسری یہ کہ اس کی عملی زندگی میں وہ جھلک نظر آئے جو نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگردوں میں پائی جاتی تھی۔ جس کا اصطلاحی نام اتباع ہے تیسری یہ کہ خود ہی ماہر نہ ہو بلکہ دوسروں کو سکھانے کا سلیقہ بھی آتا ہو۔

فرمایا :- ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ اسی طرح ہر عمل کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی روح یا حقیقت۔ عمل کی صورت کو دیکھ کر قانون کی نگاہ میں اور انسانوں کے معیار کے مطابق یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ یہ کام یا عمل کر دیا گیا۔ مگر مومن کا معاملہ صرف انسانوں سے یا قانون سے نہیں بلکہ اپنے خالق اور رب العالمین سے ہے اور اس کا معیار عمل کی ظاہری صورت نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے چنانچہ اصول مقرر ہے کہ اللہ تمہارے عمل کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتا کہ تم نے یہ عمل کر لیا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے کہ تم نے کس نیت سے اور کس مقصد کے تحت کیا۔ اس لئے یہاں عام استاد اور شیخ کامل کے کام میں واضح فرق نظر آ جاتا ہے۔ عام استاد کا کام عمل کی صورت سکھانا اور اس کی اصلاح کرنا ہے اور شیخ کامل کا کام

عمل کی حقیقت اور روح پر نظر رکھنا اور اس کی اصلاح کرنا ہے۔ پس یوں سمجھئے کہ شیخ کامل کا کام خاص اہمیت کا حامل ہے اسے صرف صورت عمل سکھانا نہیں بلکہ عمل کی حقیقت اور روح اس کا ٹارگٹ ہوتا ہے۔ جبھی تو کہتے ہیں کہ تصوف دراصل تصفیہ قلب کا نام ہے۔ شیخ کامل کے لئے پہلی دو شرائط تو صورت عمل سے تعلق رکھتی ہیں مگر تیسری شرط حقیقت عمل اور روح عمل سے متعلق ہے اور یہی شق دراصل شیخ کے کمال کی نشانی ہے۔ تصفیہ قلب اس مسلسل عمل اور مشق کا مقتضی ہے جس سے قلب ایک ایسا آئینہ بن جائے کہ اس میں انوارات و تجلیات کا عکس نظر آنے لگے اور صاحب دل کی عملی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا رنگ جھلکنے لگے اور یہ تب ہوتا ہے جب قلب محمد رسول اللہ ﷺ سے آشنا اور مانوس ہونے لگے۔ اس کیفیت کو اصطلاح تصوف میں مراقبہ فنا فی الرسول کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تصفیہ قلب یہاں تک ہو جائے کہ انسان روحانی طور پر دربار نبویؐ میں حاضری دینے کے قابل ہو جائے۔ اور اس دربار میں روحانی حاضری عملی زندگی پر یوں اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش اور اپنے پسند و ناپسند کے معیار سے دستبردار ہو کر حضور اکرم ﷺ کی پسند کے تحت کر دیتا ہے کیونکہ اس کے کانوں میں یہ آواز گونجنے لگتی ہے کہ ”کسی شخص کو ایمان کی حلاوت سے حصہ ہی نہیں مل سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میری سنت کے تابع نہ کر دے۔“

فرمایا :- اور یہ جو ہم شکوہ کرتے ہیں کہ کہاں جائیں۔ دنیا میں ہر بھیس میں ٹھگ ہیں' پیروں کی بھیس میں بھی ٹھگ ہیں' علماء کے بھیس میں بھی ٹھگ ہیں تو کوئی انسان کہاں جائے تو یہ شکوہ بے جا ہے۔ جب لوگوں نے خدا ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر لیا' نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر لیا تو ولایت تو اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی ولایت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر تعجب کی کیا بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم جھوٹوں کے پاس جاتے ہیں' اس لئے کہ ہمارے دل میں بھی طلب صادق نہیں ہوتی۔ جہاں طلب صادق ہو' جہاں

انابت ہو' اسے ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کا کام ہے اور جہاں خلوص نہیں ہو گا تو وہ اگر کسی اہل اللہ کے پاس پہنچا بھی' بیٹھا بھی رہا تو کیا فائدہ۔

فرمایا :- اس دنیا کے بازار میں ہمارے پاس سرمایہ ہی ہماری طلب اور انابت ہے۔ کوئی خالی ہاتھ آ جائے تو اسے کیا ملتا ہے کچھ نہیں ملتا۔ جب انابت ہی نہ ہو گی تو اسے کچھ نہیں ملے گا' دھکے ہی کھائے گا' دھوکہ بازوں کے پاس ہی جائے گا۔ جہاں بھی خلوص ہو گا اسے خداوند عالم ضائع نہیں فرماتے بلکہ یہ وعدہ ہے يَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ جہاں انابت ہو اسے اللہ کریم ہدایت فرما دیتے ہیں اور جب ہدایت فرما دیتے ہیں تو ہدایت یافتہ لوگ کون ہوتے ہیں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ جنہیں یقین کامل نصیب ہو جائے اللہ کے ذکر سے جن کے قلوب مطمئن ہو جائیں' وہ ہدایت یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔

فرمایا :- ایمان کیا ہے ٹھوس اور مستحکم یقین جس میں ریب کی کوئی دراڑ نہ ہو' جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو اور وہ یقین جو دل میں اللہ کی یاد پیدا کر دے۔ ذات باری کو عرش میں' آسمانوں میں' جنگلوں میں' صحراؤں میں' تلاش نہ کرنا پڑے بلکہ ہر لحہ' ہر آن اس کی تجلیات کو اپنے سینے میں' اپنے گوشہ دل میں موجود پائے اسی کا نام ایمان ہے۔

فرمایا :- وہ لوگ جنہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ انہیں ایمان کامل' یقین کامل اور پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے اور ان کے دل میں اللہ رچ بس جاتا ہے تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ذکر نسیان کی ضد ہے' بھولنے کی ضد ہے یعنی ایسی یاد کہ ہر دھڑکن میں اللہ کی یاد رچی بسی ہو اور اس یاد کے ساتھ ان کے دل مطمئن ہوں۔ اطمینان قلب کا کوئی دوسرا نسخہ رب کریم نے بنایا ہی نہیں۔ جس طرح پانی پینے سے پیاس مرتی ہے' کھانا کھانے سے بھوک مرتی ہے اسی طرح جب اللہ کی یاد دل میں آ جائے تو دل کو قرار آتا ہے۔ سوائے اہل اللہ کے دنیا میں کوئی شخص مطمئن نظر نہیں آتا۔ جنہیں یاد الٰہی نصیب ہو انہیں ایمان کامل اور عمل صالح نصیب ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے میرا

دل ذاکر ہے اور اتباع شریعت نہیں کرتا تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرمایا ذاکر قلب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر رہ نہیں سکتا۔

فرمایا :- سب سے زیادہ محنت شیطان اس بات پر کرتا ہے کہ ایک شخص کو شیخ ہی سے بدظن کر دے' مختلف قسم کے اوہام' تہمتیں شیخ پر لگا کر اسے بدظن کر دے تو وہ تحفظ جو اسے اس نسبت سے حاصل ہے اس سے محروم ہو جائے گا تو پھر اسے میں عمل میں بھی پکڑ لوں گا' عقیدے میں بھی گھسیٹ لوں گا۔ اگر اللہ مہربانی کرے اور آدمی اس سے بھی بچ جائے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے پھر کتے کی طرح بھونکتا ہے۔ کبھی کسی بچے کو دھکا دے کر گرا دیا' کبھی کسی پڑوسی کو جو کہنا مانتا تھا۔ اسے کہہ دیا کہ اسے گالیاں دے دو۔ کبھی کسی رشتہ دار کو بھڑکا دیا' کبھی حکومت کو' اگر ملازم ہے کہیں' تو افسر اگر شیطان کا دوست ہے تو اس کے ذہن میں کھلبلی پیدا کر دی کہ یار اسے ڈانٹ پلانی ہے۔ کبھی بچے کو رلا دیا' کبھی برتن ہلا دیا کبھی کوئی چیز یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دی تو یہ جن نہیں کرتے۔ شیطان کرتا ہے محبت میں یا جنگ میں تو ایسی باتیں ہوتی ہیں' تو کوئی بات نہیں یعنی اللہ اس کو ہمارے عقائد پر دسترس نہ دے' ہماری عقیدت پر اس کی رسائی نہ ہو' اللہ ہمارے اعمال کو اس کی پہنچ سے باہر رکھے تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ کھانے میں نمک مرچ نہ ہو تو کوئی مزا نہیں رہتا۔ اللہ کریم کی معیت حاصل ہو' اس کی یاد نصیب ہو' اللہ کا ذکر نصیب ہو تو اس کی ہر ایذا ہماری بے شمار خطاؤں کی بخشش کا سبب بن جاتی ہے' ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہے۔

فرمایا :- ہاں میں یہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ میں ایک نگاہ میں ایک شخص کے وجود کے ایک ایک ذرے کو اللہ کا ذکر سکھا سکتا ہوں۔ یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ جس کام کے لئے برسوں لگتے ہیں۔ جس کے لئے بڑے بڑے صوفی برسوں وقت طلب کرتے ہیں۔ مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے کہ وہ بات میں ایک لمحے میں کر سکتا ہوں۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔ اگر آپ اس کے طالب ہیں تو یہ اس راستے کی ایک منزل ہے۔

ماحول میں پھیلی ہوئی دلدل میں آپ کو ایک مضبوط چٹان مل سکتی ہے جس پر آپ پاؤں رکھ کر انشاء اللہ ' اللہ کی بارگاہ تک تو پہنچ سکتے ہیں لیکن اس سے بت نہیں تراش سکتے۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص مجھے غیر ضروری اہمیت دے۔ مجھے یہ بھی پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص میرے ہاتھ کو بوسہ دے۔

فرمایا :- متوجہ رہنا ہر گھڑی' ہر آن' دکھ تکلیف ہو' صحت ہو' بیماری ہو' سفر ہو' حضر ہو طالب کے لئے متوجہ رہنا شرط ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا کھانا حلال اور طیب ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی محفل نااہلوں کے ساتھ نہ ہو۔ اگر کوئی ساتھی نہیں ملتا تو مطالعہ کرتا رہے' کوئی نہیں ملتا تو ذکر الٰہی کرتا رہے وہ اکیلا نہیں ہو گا اس کے ساتھ اللہ کی بے شمار مقرب مخلوق ہو گی اور اگر یہ بھی نہیں کرتا تو نالائقوں کے پاس بیٹھنے سے سو رہنا بہتر ہے اس میں نقصان نہیں ہو گا۔

فرمایا :- کسی صاحب دل کو تلاش کرو' اس کے پاس بیٹھنا شروع کر دو۔ کوئی ایسی محفل مل جائے جس میں کوئی صاحب دل ہو اور وہاں صرف بیٹھنا شروع کر دو اور کچھ نہ کرو۔ صرف وہ صحبت ہی دل کا درد عطا کر دے گی۔

فرمایا :- یہ سلاسل تصوف جتنے ہوتے ہیں یہ سارے ہی دراصل اللہ کی طرف سے برکات نبوت کی تقسیم کے ذرائع ہیں۔ یہ سارا کمال نبی رحمت ﷺ کی ذات بابرکات کا ہے۔ یہ ساری صفات آپؐ کی ہیں' سارا جمال آپؐ کا ہے' سورج آپ ﷺ کی ذات ہے ہم سب دیواریں ہیں۔ جو دیوار ذرا چمکا دی جاتی ہے اس سے منعکس ہو کر شعاعیں آگے پہنچنا شروع ہو جاتی ہیں بات صرف اتنی ہے ان کی بارگاہ میں اپنی ایک قدر و قیمت ہوتی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی عزت کے مستحق ہیں۔

آپ مجھے دیکھ لیجئے۔ بحمد اللہ مجھے تیس برس سے اوپر اب عرصہ جا رہا ہے اس سلسلہ عالیہ میں' لیکن مجھے یاد نہیں کہ ان تیس اکتیس برسوں میں کوئی ایسا ذکر ہو۔ جس میں میں نے مشائخ سے اجازت طلب نہ کی ہو۔ حالانکہ اللہ نے

مجھے تاریخ تصوف میں وہ ذمہ داریاں عطا فرمائی ہیں اور یہ احسان ہے مجھ پر اللہ کا کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہو۔ بہت مشکل ہے کہ پورے روئے زمین کے انسانوں سے کوئی کہہ دے کہ میرے پاس آؤ میں تمہیں فنا فی الرسول کراتا ہوں۔ یہ آسان نہیں ہے۔ اللہ نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ میرے ساتھ اگر کافر بھی اسلام قبول کر کے دس دن رہا ہے تو اسے بھی فنا فی الرسول حاصل ہو گیا اور ایسے لوگ موجود ہیں بحمد اللہ۔ اس کے باوجود مجھے یہ جرات نہیں ہوتی کہ میں اپنے آپ کو کوئی شے سمجھوں یا میں اپنے برتے پہ کوئی کام کروں یا میں اپنے پسند سے کوئی قدم اٹھاؤں۔ اس لئے کہ ازخود میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ یہ جو کچھ ہے یہ سب عطا ہے اللہ کی اور کسی کے طفیل' کسی کی وساطت سے کہ برکات نبوت کا ہم ذریعہ بن گئے ہیں۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور وہ کسی دوسرے کو بھی بنا سکتا ہے۔ اس لئے تصوف کا قانون یہ ہے کہ شیخ کا کام ہے وہ کہہ دے سننے والے کا یہ کام ہے کہ عمل کرے اسے فائدہ ہو گا۔ جو نہیں مانے گا وہ اپنا نقصان کرے گا یہ اس شیخ کا درد سر نہیں ہے ماننے والے کا درد سر ہے۔ چونکہ استفادہ کرنے کے لئے دل کو دل کے روبرو کرنا پڑتا ہے جتنا زاویہ ترچھا ہو گا اتنی روشنی کم پڑے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے ایک سورج نکلا ہوا ہے' ہم شیشے میں شعاع منعکس کرنا چاہتے ہیں تو جتنا شیشے کا رخ اس کی طرف سیدھا ہو گا روشنی اتنی زیادہ آئے گی۔ جتنا ترچھا کر لیں گے اتنی کم ہوتی جائے گی۔ اگر الٹ دیا جائے تو بالکل اٹھ جائے گی خواہ زندگی کے کسی سٹیج پر بھی ہو۔

فرمایا :- صوفیاء کے نزدیک شیخ کہلانے کا مستحق وہ شخص ہے جو اگر کچھ بھی نہیں کرا سکے تو طالب کو روحانی طور پر اس قدر بلندی تک لے جائے کہ اسے برزخ میں لے جا کر بارگاہ رسالت میں پیش کر سکے۔ یہ تصوف کی بیعت کے لئے کم از کم شرط ہے۔ جو شخص تصوف کی بیعت لیتا ہے اس میں کم از کم یہ استعداد ہونی چاہئے اگر اس میں یہ استعداد نہیں تو اصلاح کی بیعت لے سکتا ہے تصوف کی نہیں۔

فرمایا :- اور توجہ شیخ یہ ہے کہ ایک طالب کو اپنے پاس بٹھا کر اللہ کا ذکر کرائے اور اپنے دل کی قوت' اپنے دل کے انوارات' اس کے دل تک القاء کر کے اس کے دل کو اس طرح روشن کرے کہ وہ زینہ بہ زینہ ترقی کرتا ہوا ہر آن فنا فی الرسول کے قریب ہوتا چلا جائے اور کم از کم فنا فی الرسول نصیب ہو۔

فرمایا :- مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ سے اگر فائدہ حاصل نہ کر سکو تو ان کی تکذیب اور تردید کا جرم نہ کرو کہ دنیا میں جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں ان کی برکات غیر شعوری طور پر لوگوں کو ملتی رہتی ہیں۔ ہم ظاہری اسباب تلاش کرتے ہیں اور وہ ظاہری اسباب میں ہمیں نہیں ملتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ اگر اہل اللہ کی تردید شروع کر دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غائبانہ پہنچنے والی برکات سے بھی آدمی محروم ہو جاتا ہے یعنی اگر استفادہ نہ کر سکے' ان کی مجالس میں نہ جا سکے تردید تو نہ کرے۔ کیونکہ تردید کرنے سے وہ برکات جو غائبانہ طور پر پہنچتی ہیں ان سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور پھر فرماتے ہیں۔ اہل اللہ کا انکار اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن انکار کرنے والے مرتے عموماً" کفر ہی پر ہیں۔ یہ بجائے خود کفر نہیں ہے لیکن جب اہل اللہ کی برکات سے کوئی شخص محروم ہو جاتا ہے تو وہ گناہ کرتے کرتے اس حد پر چلا جاتا ہے کہ موت یعنی اس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے۔

فرمایا :- ایک عجیب بات ہے الحمدللہ کہ جو کیفیات' جو واردات منجانب اللہ ہوتی ہیں وہ میرے اور میرے رب کا ذاتی معاملہ ہے میں اس پہ بات نہیں کیا کرتا اور یہی توقع میں ساتھیوں سے بھی رکھتا ہوں کہ یہ مشاہدات و مکاشفات اور یہ واردات و کیفیات ذاتی شہرت کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ بندے اور اس کے رب کے مابین ایک معاملہ ہوتا ہے۔

اور یہ ہوتی ہیں بندے کی رہنمائی و ہدایت کے لئے' استقامت کے لئے جو اسے قائم رکھنے کا سبب بنتی ہیں تو اس کا اصل مقصد حاصل کیا جانا چاہئے' نہ یہ کہ اپنے مشاہدات بیان کر کے آدمی شہرت حاصل کرتا پھرے۔ میں اسے ان

کے ضیاع کا سبب اور ناقدری سمجھتا ہوں۔

فرمایا :- آپ کا یہاں تشریف لانا' ملنا بیٹھنا' نہ میری بڑائی کے لئے ہے نہ آپ حضرات کی۔ میں خود سوچتا ہوں یار یہ عجیب بات ہے اللہ نے مجھے کہاں پھنسا دیا۔ یہاں ہم تو آئے تھے اپنے گناہ بخشوانے لیکن روزے گلے پڑ گئے' پیر صاحب بننا پڑ گیا۔ اللہ گواہ ہے کہ جس زندگی کو چھوڑ کر میں آیا تھا آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ آسان نہیں تھا۔ ہر آدمی اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ غرض یہ تھی کہ خدایا تیری امان مل جائے۔ کوئی پیری' کوئی فقیری' کوئی خلافت' کوئی درجہ' کوئی رتبہ' کسی چیز کی نہ اہلیت تھی نہ استعداد۔ ایک آدمی جو گناہ میں غرق ہو بھلا وہ کب مطالبہ کر سکتا ہے کہ فقیر بن جائے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ پیری فقیری غرض نہیں ہے یہ میرے رب کی مرضی ہے کہ اس نے چوکیداری پہ کھڑا کر دیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی ذرہ نصیب ہوا ہے تو ہر آنے والے کو بھی پتہ دیتے جاؤ۔ اتنی سادہ سی بات ہے بلکہ اللہ گواہ ہے۔ مجلس میں بیٹھا ہوا میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آج بھی کوئی ساتھی یہ جگہ لے تو میں تو اس کا بڑا شکریہ ادا کروں گا کیونکہ یہ آسان زندگی نہیں ہے کہ آپ گوشے میں بیٹھ کر یاد محبوب میں بسر کریں۔ گلیوں میں پتھر کھانا آسان نہیں ہے' بات بات پر اعتراض سننا' ہر آدمی کی تلخ کلامی کو برداشت کرنا اور ترشروئی کا سننا' عجیب و غریب طعنے سننا' کیا یہ تھوڑا ہے اس سے جو ایذا آتی ہے وہ کئی گنا زیادہ ہے۔

فرمایا :- مجاہدہ فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل اور اذکار میں بقدر ہمت محنت کرنے کا نام ہے۔ عملی زندگی میں پوری طرح شرکت' حرام اور جھوٹ سے بچے' فضول باتوں سے بچے' نوافل ادا کرے اور ذکر کثرت سے کرے۔

فرمایا :- اس سوال کے جواب میں کہ جس شخص کو اپنے نفس کی کوئی بات اچھی لگتی ہے تو وہ شخص اپنے نفس کا عیب نہیں دیکھ سکتا۔ یہ نفس کیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ قانون صرف اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ عام ہے۔ آپ جسے پسند کرنے لگیں وہ انسان ہو یا جانور یا کوئی گھر یا مکان اس کے عیوب

کم نظر آئیں گے۔ ایسے ہی نفس کی خواہش یا آرزو اگر پسندیدہ نظر آئی تو اس کے عیوب کم نظر آئیں گے۔ نفس کیا ہے وہ شے جو انسان کے اندر خواہشات کو جنم دیتی ہے اگر یہ خواہش تابع شریعت ہو گی تو درست کہ یہ خواہش نفس کی ذاتی نہیں بلکہ اطاعت اللہ کی آرزو ہے۔ اگر یہ خواہش شریعت کے خلاف ہے تو وہ نفس کی اپنی ذاتی خواہش ہو گی جو کبھی پسندیدہ نہیں ہوتی لیکن عموماً" انسان اسے پسند کرتا ہے۔

حیثیت شیخ

فرمایا :- علماء حق کا فیصلہ ہے کہ کسی بھی ولی اللہ کی ولایت کا ماننا شرط ایمان تو نہیں لیکن بلاوجہ انکار کرنا نقصان دہ ضرور ہوتا ہے اور کم از کم نقصان اس کا یہ ہوتا ہے کہ آدمی ساری زندگی ان کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ یہ کوئی نمبرداری قسم کی چیز تو ہے نہیں۔ دنیاوی مناصب میں صاحب منصب جو ہوتا ہے اس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے سارے ماتحتوں کی خواہشات و ضروریات کو کچلا جاتا ہے' قربان کیا جاتا ہے لیکن یہ جو حصول برکات کا اور سلاسل تصوف کا معاملہ ہے اس میں جتنے لوگ بھی ہوتے ہیں اس دور کے یا جہاں تک اس شخص کا دائرہ کار ہوتا ہے وہاں تک' انسانیت کے مفادات کے تحفظ کے لئے اسے' اپنی خواہشات' اپنا آرام' اپنی ضروریات تک قربان کرنا پڑتی ہیں۔ محاسبہ یہ ہو گا اس کا پوچھا اس سے یہ جائے گا کہ اس نے حتی الامکان اپنا وقت' اپنی قوت' اپنا سرمایہ' اپنا علم' اپنی محنت' اپنا مجاہدہ قربان کر کے کتنے لوگوں تک یہ بات پہنچائی اور کتنے لوگوں کو بچانے کا سبب بن سکا۔ کتنے لوگوں کے مفادات کا تحفظ کر سکا۔

تلاش شیخ

فرمایا :- تلاش شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ پھر ان لوگوں کی طرف بڑھے جن

کے سینے منور ہوں' جو اس استعداد پر قائم ہوں' جو نہ صرف مادی زندگی بسر کرتے ہوں بلکہ عالم امر سے متعلق ان کے لطائف بھی روشن ہوں۔ جب یہ ان کی محفل میں پہنچے گا تو اس کے کمالات و لطائف اور اوصاف سے زنگ اتر کر انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا۔

فرمایا:- یہ انہیں لوگوں کا کام ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کریں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ دل کا تعلق گنبد خضریٰ سے ہو' اس روشنی سے جس کے امین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ لہٰذا ذکر بہت ضروری ہے۔ تمام عبادات کی روح ذکر ہے۔ انسانی زندگی کی تعمیر کے لئے ذکر الٰہی لازمی ہے۔ اللہ کریم سے تعلقات استوار کرنے کے لئے ذکر الٰہی انسانی ضروریات میں سے ہے۔ اس لئے اہل اللہ فرماتے ہیں کہ ذاکرین کو تلاش کرنا اور ان سے ذکر سیکھنا واجب ہے۔

فرمایا:- ویسے تو یہ ممکن نہیں کہ ایماندار اپنا دل آپ کے پاس لے آئے اور پھر اسے ترقی نصیب نہ ہو اور یہ اثر صحبت رسول ﷺ میں ہے۔ اسی لئے شیخ کی صحبت میں کثرت سے رہنا حصول مقاصد کا سبب ہے۔

فرمایا:- تاریخ گواہ ہے کہ اللہ والوں کے لئے یہ دنیا بھی ایک جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی زندگی کا برزخ یا آخرت کی زندگی کے ساتھ بھی گہرا ربط ہوتا ہے۔ دنیاوی زندگی کی انتہا برزخ کی زندگی کی ابتدا ہے۔ جس طرح ہماری اخروی زندگی تعمیر ہو رہی ہے اس کے اثرات یہاں بھی پہنچتے رہتے ہیں' براہ راست نہ سہی بالواسطہ ضرور منتقل ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بدکار شاہی محل میں بیٹھ کر بھی تڑپتا ہے اور اللہ کا اطاعت گزار بندہ جھونپڑی میں بھی مطمئن و مسرور ہوتا ہے۔

فرمایا:- تلاش شیخ کی صورت یہ ہے کہ تزکیہ اس باطنی طہارت کا نام ہے جو اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرے اگر کسی کی مجلس میں شعبدہ بازی حاصل ہو جائے اور احکام دین ہاتھ سے چلے جائیں تو یہ رہزن ہو گا۔ رہبر نہیں ہو گا رہبر وہی ہو گا جو مومن کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن شفقت میں پہنچا دے۔

ولایت کے لئے کوئی خاص قوم یا صنف مخصوص نہیں بلکہ ہر مومن کو چاہئے کہ اسے حاصل کرے۔ وہاں دلی خلوص اور عملی اطاعت ہی شرط ہے تو یہاں بھی یہی ہو گا غرض حصول تزکیہ باطن کے لئے کاملین کی صحبت کو تلاش کر کے اس سے استفادہ کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ جو بات نکلی ہے کہ چند مخصوص افراد ولایت خاصہ حاصل کر سکتے ہیں' سب مسلمان نہیں' یہ درست نہیں ہے بلکہ ہر انسان میں قدرتی ملکہ موجود ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کافر بھی ایمان لے آئے اور کامل کی صحبت اختیار کرے تو اللہ کریم کا فضل پا سکتا ہے اور ولایت خاصہ حاصل کر سکتا ہے۔

جسے بھی ایک بار توجہ یا سلسلہ میں داخلہ نصیب ہو جائے تو شیخ خود سلسلہ میں داخل کرلیتا ہے یا کوئی صاحب مجاز سلسلہ میں داخل کر لیتا ہے تو وہ جہاں بھی ذکر شروع کرتا ہے ازخود اسے توجہ نصیب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ متوجہ الی اللہ ہو کر ذکر شروع کر دے۔ اس نسبت اویسیہ میں اور باقی سلاسل میں فرق یہی ہے۔ باقی تمام سلاسل میں صرف غائبانہ متوجہ ہونا ہی شرط نہیں بلکہ حصول فیض کے لئے شیخ کی صحبت میں پہنچنا بھی شرط ہے۔ اس نسبت اویسیہ میں یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ داخل سلسلہ ہو جائیں' دخول سلسلہ اس لئے شرط ہے کہ جسے کوئی صاحب مجاز داخل کرے گا یا شیخ کرے گا وہ باقاعدہ سلسلہ میں ہو گا اس کے علاوہ کوئی بھی ایسا ساتھی اسے داخل کر لیتا ہے تو بھی اس کے لطائف میں انوارات آ جائیں گے لیکن وہ مستقل نہیں ہوں گے۔ ذکر کرے گا آ جائیں گے چھوڑ دے گا' چلے جائیں گے۔ سلسلے میں داخل ہونے کے بعد پھر اسے کسی تکلف کی ضرورت نہیں جب بھی وہ تعوذ و تسمیہ پڑھ کر ذکر شروع کر دے اور دنیا کے جس حصے میں ہو اور کہیں بھی ہو دن ہو یا رات سنگ میں ہے یا بازار میں جہاں ہو ذکر شروع کرے گا' وہیں اسے یہ برکات ملنا شروع ہو جائیں گی۔

فرمایا:- شیخ سے اخذ فیض اور توجہ شیخ سے سارے مقامات بیک وقت طے

ہو سکتے ہیں۔ ہم نے تو بحمد اللہ ایسے ہوتے دیکھا ہے۔ اس میں دو چیزوں پر
۔۔ر ہوتا ہے ایک چیز وہ ہوتی ہے جو فیض دے رہی ہے جیسے نبی علیہ الصلوۃ
واسلام کی ذات والا صفات بے مثل و بے مثال تھی' منبع نور تھی۔ دوسرے
طالب میں فطری استعداد اور اس کا خلوص' یہ دو باتیں طالب میں ہونی چاہیں۔
لیکن بنانے والے نے استعداد کی ایک حد رکھی ہوتی ہے۔ جیسے ایک آدمی یوں
تو صحت مند ہے لیکن اس کی آئی سائٹ کی ایک حد ہے۔ ایک آدمی تین میل
تک دیکھ سکتا ہے دوسرا ڈیڑھ میل تک دیکھتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز کو حاصل
کرنے کے لئے' ہر شخص میں ایک فطری استعداد ہے جس کو بروئے کار لانے
کے لئے اس کا اپنا خلوص چاہئے۔ تو یہ دو باتیں طالب میں اگر ہوں اور دینے
والے میں' فیض بانٹنے والے میں بھی دینے کی اتنی استعداد ہو تو یہ ہو جاتا ہے۔

شیخ کون؟

فرمایا: شیخ تصوف کی اصطلاح ہے آپ ماسٹر کو ماسٹر کہہ دیتے ہیں استاد
کہہ دیتے ہیں تو شیخ بھی اسے کہہ دیا جاتا ہے جو تصوف سکھاتا ہے۔

توجہ شیخ از برزخ

فرمایا: یاد رکھیں توجہ شیخ از برزخ ہوتی ہے۔ اہل اللہ پردہ تو فرما جاتے
ہیں لیکن یہ لوگ مرا نہیں کرتے۔ دنیا سے چلا جانا موت نہیں ہے۔ موت اللہ
کے نزدیک دین سے نکل جانے کا نام ہے۔ فیوضات و برکات اس عالم کی نسبت
برزخ سے بہت قوی اور بہت زیادہ طاقت کے ساتھ مترشح ہوتے ہیں کیونکہ وہاں
ارواح قید بشری سے آزاد ہو جاتی ہیں اور ہمہ وقت متوجہ الی اللہ رہتی ہیں۔
اور اگر وہاں سے کسی کی طرف نگاہ کریں تو وہ توجہ دنیا کی توجہات سے بہت
زیادہ طاقت ور ہوتی ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ برزخ میں جا کر مزاج بہت
نازک ہو جاتا ہے اور نگاہ بہت وسیع ہو جاتی ہے۔

فرمایا : برزخ میں ان حضرات کی نگاہ بہت وسیع ہوتی ہے اور روح کی نگاہ براہ راست روح پر' قلب پر اور باطن پر پڑتی ہے۔ زبان کی وہاں بات ہی نہیں ہوتی۔ برزخ کی زبان لفظی نہیں ہے وہ کلام نفسی ہے۔ زبان لفظی دنیا میں ہے اور صرف مادی اجسام کے لئے ہے۔ روح کے لئے برزخ میں کلام ہمیشہ نفسی ہوتا ہے اس میں الفاظ نہیں ہوتے لیکن بات ہو جاتی ہے یعنی جو کچھ ایک دل میں ہوتا ہے وہی کچھ دوسرے دل پر روشن ہو جاتا ہے۔ جو کچھ اس کا جواب شیخ کی طرف سے ہوتا ہے وہی اس کے دل میں آ جاتا ہے۔ اگر الفاظ ہوتے تو پاس بیٹھنے والے دوسرے لوگ بھی سنتے۔ الفاظ ہوتے تو یہ کان سنتے لیکن برزخ کی زبان کان نہیں سنتے دل سنتا ہے۔ کلام نفسی میں کوئی بناوٹ نہیں ہو سکتی چونکہ جو کچھ دل میں' جو کچھ ذہن میں ہے وہ مترشح ہو گا وہ پیش ہو گا۔

توجہ شیخ کے کمالات

فرمایا : میرے بھائی! شیخ کی توجہ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اگر شیخ کی توجہ نہ ہو تو آپ ساری زندگی لگا کر تب بھی ایک لطیفہ قلب ہی روشن نہیں کر سکتے۔ شیخ کی توجہ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ری فلکشن سے یا انعکاس سے اسے روشن کر دیتا ہے اس لئے کہ شیخ بھی امین ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے لطائف کو اس طرح سے روشن کیا ہوتا ہے۔ اور یہ دولت آتی ہے جناب نبی کریم ﷺ کی ذات سے اسی طرح جس طرح حدیث کی روایت کرتے ہیں اسی طرح تمام سلاسل کا شجرہ جو آپ دیکھتے ہیں تو یہ ایک طرح سے ایک قسم کی روایت ہے کہ کس نے کہاں سے یہ توجہ حاصل کی' اس نے کہاں سے حاصل کی۔ جس طرح حدیث کی روایت حضور ﷺ تک پہنچتی ہے اسی طرح تمام سلاسل کے شجرے حضور ﷺ تک پہنچتے ہیں کہ پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ سے کس نے اکتساب فیض کیا' پھر اس سے آگے کس نے کیا۔ تو شیخ کے پاس بھی یہ امانت ہوتی ہے اور یہ اسی کی توجہ ہے بلکہ کرامات کے باب میں بھی علماء حق لکھتے ہیں کہ اگر کسی کی

توجہ سے کسی ایک فرد کو احدیت نصیب ہو جائے تو جاہل ہے جو اس سے مزید کسی کرامت کا طالب ہو کہ اس سے بڑی کسی کرامت کا تصور ممکن ہی نہیں۔

شیخ سے دنیاوی توقعات

فرمایا۔ اسی طرح اہل اللہ جب ایک طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ان کا اکثر اپنا وقت اللہ کے لئے' اللہ کی یاد کے لئے' اللہ کے دین کے کاموں کے لئے رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے اپنے دنیاوی امور ادھورے پڑے ہوتے ہیں۔ ہم بھی ایسے عجیب لوگ ہیں کہ جو اپنی دنیا نہیں سنوار سکتے ان کے پاس ہم اپنی دنیا لے جاتے ہیں کہ ہماری بھی سنوار کر دے دیجئے کتنی عجیب بات ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں جو بڑے دنیادار ہوتے ہیں' جن کی اپنی دنیا خوب جمع ہو چکی ہوتی ہے اور دنیادار سے دنیا حاصل کرنا محال ہے وہاں جو جاتا ہے اپنے پلے سے کچھ دے کر ہی آتا ہے کیونکہ انہیں ہماری اصلاح کی نسبت اپنی دنیا عزیز ہوتی ہے۔

اطاعت شیخ

فرمایا۔ یہاں ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ جیسی عظیم ہستی قدم قدم پر اللہ کا حکم پہنچاتی ہے اور ہمارا دل ماننے کے لئے تیار نہیں۔ یہ جو کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر مانتے تو اس پر عمل بھی کرتے۔ جو عمل نہیں کرتا وہ کہتا ہے' میں مانتا ہوں' اس کے ماننے نہ ماننے کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیا دلیل ہے اس کے ماننے نہ ماننے کی۔ ایک شخص ہے وہ آپ کو بتاتا ہے کہ یہ زہر ہے اور آپ اس کی بات مانتے ہیں اور زہر کھانے کو بھی لپکتے ہیں تو کیا آپ نے اس شخص کی بات مانی۔ جن کاموں سے اللہ کا حبیب ﷺ منع فرماتا ہے کہ ان کاموں سے اللہ ناراض ہو گا' ان سے شامت آئے گی' میری ذات سے دور کر دیئے جاؤ گے' میری رحمتوں سے ہٹا دیئے جاؤ گے' تمہیں

میرے دروازے پر کوئی نہیں آنے دے گا اور ہم کہتے ہیں ہم حضور ﷺ کے عاشق بھی ہیں آپ ﷺ کو مانتے بھی ہیں آپ ﷺ کی بات کو بھی مانتے ہیں لیکن کام وہی کرتے ہیں جس کے بارے میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ کام تجھے مجھ سے دور کر دے گا؟

رابطہ شیخ کا ایک نکتہ

فرمایا:۔ شیخ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو یہ رابطے عطا کرتا ہے آپ کے دل میں جتنا شیخ کے ساتھ خلوص ہوتا ہے اللہ کریم شیخ کے دل سے اتنے انوارات آپ کے دل میں بغیر آپ کو بتائے انڈیل دے گا اور یہ ربط ازخود قائم رہے گا۔ آپ اپنی طرف سے صرف سچی اور کھری طلب اور خلوص پیش کر سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اب اس کو جانچنا کہ یہ خلوص کس پائے کا ہے' کس درجے کا ہے' اس کی سمجھ شیخ کو بھی نہیں ہوتی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک آدمی طالب کی حیثیت سے آیا اور چند دن رہا اور اسے کتنے مراقبات نصیب ہو گئے۔ اور ایک شخص کے ساتھ سات برسوں سے تعلقات ہیں' اس کے ساتھ ذاتی مراسم بھی ہیں میں چاہتا ہوں اسے مراقبات ہو جائیں لیکن نہیں ہوتے اور فرمایا کرتے تھے یہ عجیب بات ہے۔ اللہ کا کام ہے دلوں کے حال وہی جانتا ہے کسی کے دل کی کیفیت کیسی ہے' کتنی دیر میں وہ کیا کچھ لوٹ لیتا ہے یہ اس کا کام ہے۔ شیخ کو کیا خبر' شیخ چونکہ ایک ذریعہ ہے اس کے دل میں وہ نعمت موجود ہے اور آپ کے دل کو اس کے دل سے حاصل کرنی ہے آپ کی طلب میں جتنا خلوص پیدا ہو گا اتنے ہی خلوص سے شیخ بھی متوجہ ہو گا۔

تصور شیخ اور انعکاس

فرمایا:۔ تصور شیخ ہمارے ہاں نہیں ہے۔ تصور شیخ دیگر سلاسل میں ہے

اور اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یکسوئی پیدا ہو جائے اور پھر بعد میں مشائخ اسے ہٹوا بھی دیتے ہیں تو اس کی جگہ اللہ کا تصور دیتے ہیں۔ تصور سے انعکاس نہیں ہوتا ہے وہ تو عملی طور پر ہوتا ہے۔ جب آپ کو سلسلہ میں لیا گیا تو سلسلے میں داخل کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ توجہ آپ کے لطائف پر منعکس کی جائے۔ اب اس کی ابتداء ہو گئی اس کے بعد آپ کا ایک ربط قائم ہو گیا اس کے ساتھ آپ کہیں بھی ذکر شروع کریں گے تو وہ توجہ منعکس ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس کے لئے تصور کی ضرورت نہیں۔

مانع فیض رویہ کی وضاحت

فرمایا : ہر خطا فیض میں نقصان تو کرتی ہے لیکن مانع فیض ہونا اور برکات میں نقصان ہونا یہ دو الگ الگ شعبے ہیں۔ مانع فیض وہ چیز ہوتی ہے کہ شیخ کی طرف سے آنے والے انوارات کو روک دے۔ برکات میں نقصان آپ اسے کہیں گے کہ جو کچھ آپ کے پاس ہے اس میں سے نقصان کا ہو جانا یہ ایک دوسری بات ہے تو یہ نقصان تو ہر خطا سے ہوتا ہے اور کوئی خطا بھی مانع فیض نہیں ہوتی' فیض آتا رہتا ہے۔ خطا سے نقصان ہوتا ہے توبہ کرنے سے وہ کمی پوری ہوتی رہتی ہے یا پھر ایک ملاقات پر ساری کمی ایک توجہ سے پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر شیخ کے ساتھ تعلق اور عقیدت میں دراڑ پڑ جائے تو یہ مانع فیض ہوتی ہے پھر آنے والا فیض مجروح ہو جاتا ہے۔ جتنی بڑی دراڑ ہو گی اتنی ہی بڑی اس میں دیوار بن جائے گی۔

فرمایا : بات یہ ہے کہ تمام سلاسل سلوک میں سب سے پہلے رابطہ شیخ کرایا جاتا ہے جب یہ مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر اسی رابطے پر فنا فی الرسول کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ صرف سلسلہ عالیہ ہے جس میں سالک کو تصور شیخ اور رابطہ بالشیخ سے نکال کر براہ راست فنا فی الرسول تک لے جانے کا کام کیا گیا ہے۔

طلب و اخذ فیض از شیخ

فرمایا :- آپ نے دیکھا ہو گا۔ کہ رات جس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی سارے اس دورے میں آپ نے ایسی کبھی نہیں فرمائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سے طلب کی کیفیت اس رات آپ نے پیدا کی تھی ایسی کیفیت آپ نے کبھی پیدا نہیں کی۔ تو جیسے جیسے آپ کی طلب بڑھتی جائے گی ویسے ویسے پیاس بڑھتی جائے گی اسی طرح اوپر سے بھی ٹونٹی کھلتی چلی جائے گی۔ جتنی جتنی جگہ بنتی چلی جائے گی اتنا ہی وہ کیفیات بھی آنا شروع ہو جائیں گی اور بغیر یہ کہنے کے کہ حضرت توجہ فرمایئے آپ توجہ فرمانا شروع کر دیں گے۔ یہ اصول ہے' ایک ضابطہ ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچہ جب بھوک سے روتا ہے تو خواہ مخواہ ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے۔ یہی حال شیخ کا ہوتا ہے۔ جب طالب میں طلب یاقوت اور استعداد جذب کرنے کی بڑھتی ہے شیخ کی توجہ خودبخود مرکوز ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی بے ذوق ہو کر بیٹھا رہے تو ساری عمر بیٹھا رہے شیخ کا قلب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور پھر محض طلب سے کام نہیں چلتا طلب اگر ہے تو پھر وہ استعداد وہ کیفیت بھی پیدا کرنی ہے۔ یہ جو قوت سے سانس لیا جاتا ہے یہ دونوں باتیں اس میں شامل ہیں تیزی سے بھی ہو۔ قوت سے بھی ہو۔ ایک تو یہ ذہن کو پراگندگی سے بچا لیتا ہے' پوری توجہ اس طرف ہو جاتی ہے تو پھر اس کا تعلق سانس سے نہیں رہتا۔ اس کا تعلق اسم ذات سے ہو جاتا ہے کیونکہ انسان متوجہ اس طرح ہوتا ہے کہ ہر سانس میں لفظ اللہ دل میں جا رہا ہے اور جب یہ توجہ قائم ہو جائے تو پھر شعلے اٹھتے نظر آتے ہیں' اندر جانے والے سانس کے ساتھ بھی اور باہر آنے والے سانس کے ساتھ بھی۔ یہ ایک مسلسل اور پیہم عمل بن جاتا ہے اور جس سے خون میں ایک خاص حدت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ان انوارات کو جذب کرنے کی استعداد ہے جو عالم بالا سے نازل ہوتے ہیں۔

فرمایا :- اخذ فیض کے لئے طالب کا متوجہ ہونا بھی ضروری ہے اور پھر اس

متوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال میں' اپنے وجود میں' اپنے خیالات میں ایک خاص استعداد پیدا کرے۔ اس کے لئے اکل حلال بھی شرط ہے جو طیب بھی ہو۔ حلال کے ساتھ طیب کی بھی شرط ہے۔ پھر دوسرا اثر جو مرتب ہوتا ہے وجود انسانی پر وہ صحبت کا ہوتا ہے ایک انسان رات بھر اگر اللہ اللہ کرتا رہے اور چند لمحے نااہلوں کے صحبت میں گزارے تو یہاں تعمیر کی نسبت تخریب آسان ہوتی ہے۔ رات بھر میں جو اس نے تعمیر کی ہے اسے اس کی ایک بات ضائع کرنے کے لئے کافی ہو گی۔ نااہلوں کی صحبت کے لئے ایک اصول ہے۔ وہ شخص ان کی صحبت کی اہلیت رکھتا ہے جو ان میں جائے تو ان کو بھی اپنا جیسا کر دے لیکن اگر کوئی شخص ایسی صحبت میں جا کر خود مغلوب ہو جائے اور ان کا حال اس پر غالب آ جائے تو اس سے اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔

فرمایا :- یہ دونوں باتیں ایک بنیادی ستون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر غذا میں فرق آ جائے تو عبادت میں فوری بے ذوقی آ جاتی ہے اور پھر اس کا ذکر میں جی نہیں لگتا' اس طرف توجہ نہیں ہوتی اور اس طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ کیوں نہیں ہوتی کہ جس طرح انسان کو بخار ہو جائے تو غذا کو جی نہیں چاہتا' کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا اس طرح اس کا اثر براہ راست روح پر پڑتا ہے اور روح بیمار پڑ کر اپنی غذا کو چھوڑ دیتا ہے۔ ورنہ یہ ذکر' یہ اخذ فیض' یہ اخذ انوارات جو اس کی اصل غذا تھی اس کی زندگی کا سبب تھا تو اس سے پھر بے رغبتی کیوں ہے۔

فرمایا :- اس طرح روح پر یا تو حرام خون کی آمیزش آ جائے یا انسان مجلس اور صحبت میں نااہلوں کو شامل کرے تو ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔ ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا اور اس کی وہ جو حقیقی غذا تھی یا ضرورت تھی اس سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔ تو میرے بھائی ان باتوں کے ساتھ' اکل حلال کے بعد' صحبت صالح کے بعد پھر یہ ضروری ہے کہ انسان پوری توجہ سے ذکر کرے' پوری قوت سے کرے اور پوری تیزی سے کرے۔ سانس تیزی سے لینے میں دو باتیں ہوتی

ہیں۔ ایک تو توجہ بھٹکتی نہیں بلکہ اسی طرح مرتکز ہو جاتی ہے اور یکسوئی یا ایک طرف متوجہ ہو جانے کو اس فن میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اگر متوجہ نہیں ہو گا' اگر اسے اس طرف یکسوئی نہیں ہو گی' اگر اس کا ذہن پراگندہ رہے گا تو وہ کچھ اخذ نہیں کرے گا اس سے ایک تو یکسوئی اور توجہ حاصل ہوتی ہے اور دوسری جو خاص ضروری شے ہے وہ خون میں ایک خاص درجہ حرارت پیدا کر دیتا ہے تو جس طرح روح کے لئے' وجود کے لئے' ایک خاص درجے کا اور ایک خاص کیفیت کا ہونا ضروری ہے اس طرح اخذ فیضان کے لئے اور انوارات کو جذب کرنے کے لئے خون میں ایک خاص درجہ حرارت کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو انوارات آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں' وجود میں جذب نہیں ہوتے' وہاں اپنا ٹھکانہ نہیں بناتے' وہاں اپنی جگہ نہیں بناتے اور جب تک وہ وجود میں جگہ نہ بنائیں تب تک منازل سلوک کی بنیاد نہیں بنتی۔ تو اس سب کے لئے میرے بھائی ضروری ہے کہ ہم چند لمحات جو ذکر میں بسر کرتے ہیں ان میں اپنی پوری محنت' پوری کوشش صرف کر دیں۔

توحید مطلب اور فیض شیخ

فرمایا: آپ جس شخص سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں جب تک اس کے ساتھ کلی طور پر آپ اپنے قلب کو وابستہ نہیں کریں گے وہ کیسے فیض دے گا اور یہ اس صورت میں ہو گا کہ جب آپ کو یقین ہو کہ میرا یہ شیخ منازل سلوک کرا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں تو حال یہ ہے کہ خانہ پری کی جاتی ہے خود شیخ کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ سلوک کس جانور کا نام ہے' منازل کس بلا کو کہتے ہیں۔ لطائف تک کی خبر نہیں ہوتی۔ ایک عالم شیخ بنے ہوتے ہیں نہ اپنا پتہ ہوتا ہے نہ دوسروں کا پتہ ہوتا ہے۔ بیعت تصوف کے لئے کم از کم شرط صوفیاء کے نزدیک یہ ہے کہ اس شخص سے بیعت کی جائے جو دوسرے کو فنا فی الرسول کرا سکتا ہو۔ اگر نہیں کرا سکتا تو اسے تصوف میں بیعت لینا ہی نہیں چاہئے۔ اس کی دلیل یہ

ہے کہ اس کے گرد ایسے لوگ ہوں جو یہ کہتے ہوں کہ ہمیں فنا فی الرسول اس کی صحبت میں نصیب ہوا۔ خود دعویٰ تو بڑی بات نہیں ہر کوئی کہہ سکتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے کو کرانا یہ بچوں کا کھیل نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص نصیب ہو تو پھر مکمل طور پر اس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر دے اور جہاں تک وہ منازل کرا سکتا ہے وہاں تک ضرور کرائے۔ کسی بھی اچھے آدمی کی عزت کرنا' احترام کرنا' یہ مانع فیض نہیں ہے۔ مانع فیض یہ بات ہے کہ آپ کا کوئی شیخ ہو اور دل کہیں اور بھٹک رہا ہو۔ تو ادھر سے بھی نہیں ملے گا ادھر سے بھی نہیں ملے گا۔

سلسلہ اور عقیدت شیخ کا ایک تصور

فرمایا:- دراصل مصدر سلاسل جو بزرگ بنتے ہیں ان میں بھی انوارات تو براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ سے آتے ہیں لیکن ان کی اپنی نسبت سے ان میں مختلف کیفیات کا اتار چڑھاؤ اور مختلف رنگوں کی آمیزش ہوتی ہے جو ان کے نام سے منسوب ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا زمانہ بھی آتا ہے کہ اللہ کریم کوئی ایسا بندہ یا کسی ہستی کو ایسی توفیق دے دیتے ہیں کہ بارگاہ نبوت سے جو آتا ہے اس ایک آدمی کو سیراب کرتا ہے اور باقی سربراہ سلاسل جو اس عہد کے ہوتے ہیں وہ بھی براہ راست حاصل نہیں کرتے بلکہ وہ اسی سے حاصل کرتے ہیں۔ تو اللہ کی یہ نعمت اس سلسلہ عالیہ کو عطا ہوئی۔ اگر کوئی اس شعبے کا آدمی ہو تو اسے ازخود سمجھ آ جاتی ہے چونکہ وہ ان چیزوں' ان فنون سے' ان کے حصول سے واقف ہوتا ہے اور اگر اس کی فنا فی الرسول تک یا بارگاہ نبوی ﷺ تک رسائی ہے تو اسے سمجھ بھی آ جاتی ہے اور یہ جو غیر مرئی مخلوق یا جنات ہیں انہیں چونکہ یہ انوارات اور برکات نظر آتی ہیں تو یہ مخلوق ان کو سب سے زیادہ جانتی ہے۔ ایسے وجود جو ہوتے ہیں ان سے پھر ساری انسانیت سیراب ہوتی ہے لیکن میرے خیال میں چونکہ اس کا منوانا ضروری نہیں ہے اور یقیناً ضروری نہیں ہے تو پھر

اس کے لئے کسی بحث میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جو لوگ طالب ہوتے ہیں' جو لوگ اخذ فیض کرتے ہیں ان کے لئے جاننا ان کی بہتری' ان کی بھلائی اور ان کو ایک احساس کہ مجھے یہاں سے کیا کچھ مل سکتا ہے یا کیا کچھ اللہ نے مجھ پر رحم کیا ہے یا میں کتنی برکات حاصل کر سکتا ہوں۔ اس راستے کو اور مزید خالص کرنے کے لئے ان کے جاننے میں یہ بہت زیادہ نافع ہوتا ہے اور جو لوگ طالب نہیں اور اس سے برکات حاصل نہیں کر رہے ہیں تو وہ نہ بھی جانیں اور نہ بھی مانیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

فرمایا :- یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب اللہ زندوں پر شفقت کرنے سے بہت زیادہ دیتا ہے' بن مانگے دیتا ہے تو آپ قبر میں جا کر کیوں مانگتے ہیں۔ تو میرے بھائی پہلے تو زندوں کے ساتھ معاملہ کرنے کی تربیت حاصل کرو۔ اس کے بعد بھی اگر آپ قبر والے سے برکات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کا شیخ وہ مراقبات نہ کرا سکتا ہو۔ اب کوئی صاحب قبر آپ کو نظر آئے جو ان مراقبات کا حامل ہے اس صورت میں کہ آپ برزخ میں جا سکتے ہیں' آپ دیکھ سکتے ہیں کہ واقعی اس کے منازل ہیں اور وہ آپ کو کرانا بھی چاہے۔ تو یہ اس میں اتنے مرحلے ہیں کہ یہ ناممکن بن جاتا ہے۔ اور سب سے پہلی بات یہ ہے رب جلیل نے ہمیں جو نعمت عطا کی ہے یہ آج تک کسی ولی اللہ کو عطا نہیں ہوئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے' اس میں کسی بڑائی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اللہ کے اپنے احسانات ہیں لیکن یہ نعمت جو اللہ نے ہمیں دی ہے یہ ایسی ہے کہ آپ کسی بڑے سے بڑے ولی اللہ کی لائف ہسٹری یعنی سوانح میں دیکھ لیں تو واضح ہو گا کہ آج تک کوئی ایک ولی پوری دنیا کا شیخ کبھی مقرر نہیں کیا گیا۔ تاریخ اسلامی میں یہ پہلی دفعہ ہے کہ جو ذکر آپ کر رہے ہیں' جو طریقہ آپ سیکھ رہے ہیں' کر رہے ہیں اور ان سب کا مرکز ایک ہے' شیخ ایک ہے تو پھر آپ کو کیا ضرورت ہے کسی قبر والے سے جا کر پوچھنے کی۔

آپ کا اپنا شیخ موجود ہے پھر اس سوال کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو اللہ

توفیق دے تو آپ زیادہ سے زیادہ برکات اپنے مرکز سے' اپنے شیخ سے سیکھیں اور حاصل کریں اس لئے کہ اللہ نے آپ کو یہ نعمت دی ہے۔ آپ اگر وقت لے کر یہاں آتے ہیں تو اسے باتوں میں نہ لگائیں' اسے ضائع نہ کریں۔ اپنے ایک ایک پل کا حساب کریں۔ آپ کا صرف کام اپنے برتن کو مانجنا ہے' صرف آپ نے محنت کرنی ہے اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ میں اگر چار آنے کی استعداد ہو گی تو آپ کو روپیہ ملتا نظر آئے گا۔ اور اس سلسلے کو اللہ نے یہ فوقیت دی ہے کہ ایک آدمی یہاں آکر لطائف سیکھتا ہے' اسی دن گھر جاکر بیوی کو بچوں کو لطائف کراتا ہے' ان کو بھی انوارات نظر آتے ہیں یعنی جس نے ایک دن ذکر کیا وہ جاکر کرواتا ہے جس نے خود صرف لطائف سیکھے ہیں تو اگلوں کے لطائف روشن ہو جاتے ہیں۔ تو یہ آپ کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کسی صاحب قبر سے مراقبات یا برکات حاصل کرنے کے لئے جائیں۔

حقیقی صوفیاء کے کردار کے ثمرات

عام مسلمانوں کے اعمال میں اصلاح کا مدار صوفی کے کردار پر ہوتا ہے بالارادہ طلب رکھنے والے صوفی تو ہوتے ہی ہیں لیکن جو لوگ اس طلب سے محروم ہوں وہ بھی غیر معلوم طریقے سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اگرچہ صوفی نہیں ہوتے لیکن متعلقین صوفیاء ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو برکات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام سے اہل تصوف کے سینوں میں آئی ہیں۔ وہ ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ تمام امت مسلمہ کی امانت ہوتیں ہیں اور بغیر جانتے ہوئے بھی وہ دل جو ایمان کا کوئی بھی شمہ رکھتا ہو ان برکات نبوی سے خود بخود مستفیض ہوتا رہتا ہے۔

اب اگر یہ حضرات اپنے مجاہدات میں سستی لائیں گے تو نتیجہ پوری امت کے بداعمال ہونے کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اپنی ذات کا جواب تو پھر بھی دیا جا سکتا ہے' کسی حد تک کوتاہی ہو گئی' غلطی ہو گئی' تو معافی کی درخواست ہو

سکتی ہے لیکن جب اپنی سستی اور بداعمالی سے دوسروں کے حقوق ضائع ہو
اس کا جواب مشکل ہے۔

عظمت صوفیاء

فرمایا:۔ جس دور میں کوئی صوفی ہوتا ہے اس زمانے کے لوگوں کے
اس کی زندگی سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ اثرات پھیلتے جاتے ہیں۔ آپ
زندگی پورے ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے بسر کرنی چاہئے۔ اپنے کردار میں
میں' سونے اور جاگنے میں' کھانے اور پینے میں' زندگی کے معمولات میں وہ
اختیار کریں جو آپ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں' وہ انداز جو آپ میدان
میں رب العالمین یا بارگاہ نبوت کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔
فرمایا:۔ اخذ فیض کے لئے طالب کا صرف متوجہ ہونا کافی نہیں بلکہ
کی بھی ضرورت ہے کہ اعمال کے ذریعے اپنے اعضاء اور جوارح میں'
وجود میں اخذ فیض کی استعداد پیدا کرے۔ ان اعضاء اور جوارح سے
صالح کے لئے اکل حلال شرط ہے' طیب غذا درکار ہے تاکہ اس سے خون
پیدا ہو جو جسم میں اعمال صالح کی تحریک پیدا کرے۔ حرام غذا سے جو خون پید
ہو گا وہ لازما" اعمال بد کے لئے محرک ہو گا۔

تصور مرد کامل

فرمایا:۔ تصوف کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان عملی زندگی سے
زار ہو کر گوشہ نشین ہو جائے۔ کسی کے ساتھ اس کا تعلق نہ رہے' کسی
ساتھ اس کی بات نہ رہے' کسی میدان میں وہ کام کرنے کے اہل نہ رہے ہرگز
نہیں۔ یہ تصور غیر اسلامی ہے۔
فرمایا:۔ دراصل تصوف اس قوت کا نام ہے' اس جذبے کا نام ہے
مردہ تنوں میں حیات نو پیدا کر دے' جو بے عمل کو باعمل بنا دے' جو نااہل

اہلیت عطا کر دے' جو دل مردہ کو آتش فشاں کا دہانہ بنا کر چھوڑے۔ فرمایا ہم اس کو صوفی مانیں گے خواہ اس معیار پر ہم بھی فیل ہو جائیں تو ہمارا نام تصوف کے رجسٹر سے کاٹ دینا آسان ہے لیکن تصوف کو بدنام کرنا آسان نہیں۔ یہ بہتر ہے کہ مجھے بدکار کہہ دیا جائے لیکن نیکو کاروں کو بدنام نہ کیا جائے۔ ہمارا تصوف ہرگز رواجی نہیں۔ جو شخص اپنی نان شبینہ کائنات میں پیدا نہیں کر سکتا وہ کسی طرح بھی کسی تصوف کے دعویٰ کا مستحق نہیں۔ جو شخص عملی زندگی سے پہلو تہی کرتا ہے اسے کبھی اللہ اللہ راس نہیں آئے گی۔ مقصد حیات یہ ہے کہ انسان جس گزرگاہ سے گزر جائے صدیوں تک اس کے نقوش کف پا لوگ تلاش کرتے رہیں۔ بندہ وہ ہے جو سراپا انقلاب ہو' جو دلوں کو بدل دے' جو روش زمانہ کو بدل دے' جو لوگوں کو زندگی کے مقاصد سے آشنا کر جائے۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں عملی زندگی میں آج کے دور کے کسی جوان کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اگر کسی کو غلط فہمی ہو تو میرے ساتھ کاشت کاری کر کے دیکھ لے' کسی میدان میں مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ میں سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک چلا سکتا ہوں۔ اللہ کا احسان ہے مجھ پر' میں اپنی روزی اللہ سے لیتا ہوں اور اپنے ہاتھوں سے پیدا کرتا ہوں۔ میں آج بھی کاشت کرتا ہوں اور ہزاروں اللہ کے بندے اسے کھاتے ہیں' مجھے اللہ نے نہ رزق کے لئے کسی کا محتاج کیا ہے نہ عملی زندگی کی جدوجہد کے لئے۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ میں نے کسی اللہ والے مرد کامل کی جوتیاں اٹھائی ہیں۔

اہل اللہ کے اثرات

فرمایا :- میں ایک چھوٹی سی بات کی طرف اشارہ کرتا چلا جاؤں کہ من جانب اللہ جب کچھ لوگ مقرر ہوتے ہیں تو ان کے وجود کے ساتھ عجیب برکات وابستہ ہوتی ہیں جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو جتنے اولیاء اللہ کے مناصب ہیں یہ مجازیب کو دیئے جائیں گے جنہیں اپنا ہوش

نہیں ہو گا ان میں سے کوئی غوث ہو گا' کوئی قطب ہو گا' کوئی کچھ ہو گا' کوئی کچھ ہو گا' نتیجہ یہ ہو گا کہ سب کو تباہ کر دیں گے۔ یہ جو مناصب اہل اللہ کے بدلتے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں تو کام دینی اعتبار سے ڈھیلا پڑ جاتا ہے بعض لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں تو آپ دیکھ لو۔ اس زمانے میں کسی ایسے شخص کو عظمت نصیب ہوئی ہے کہ پوری دنیا میں غیر شعوری طور پر ہر مسلمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اب وہ نہیں جانتا وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اگر کشمیری میں ہمت آ گئی تو پچاس سال پہلے بھی تو کشمیری یہی تھا اگر روس کی ریاستوں میں دین کا نعرہ لے کر مسلمان کھڑے ہو گئے تو پچھتر سال پہلے بھی تو وہ یہی تھے۔ ایک دو دن تو نہیں پچھتر سال ہو گئے ہیں انہوں نے کبھی اف نہیں کی۔ اور صرف یہ نہیں آپ اس ملک سے باہر روئے زمین پر جہاں دیکھیں تو برے سے برا' بدکار سے بدکار' جاہل سے جاہل مسلمان بھی واپسی کی سوچ رہا ہے یعنی غیر شعوری طور پر ہر قلب و نظر میں دین کی طرف جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی ہے اور یہ ہوتے ہیں وہ اثرات جو اہل اللہ سے مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ نہیں جانتے ہمارے علم میں نہیں ہے وہ آدمی کون ہے وہ کہاں ہے وہ کیسا ہے لیکن یہ اثرات دیکھ کر سمجھ آتی ہے کہ کوئی بہت ہی بڑا انسان ہے۔ اللہ نے کسی کو بہت ہی بڑی عظمت دی ہے کہ غائبانہ طور پر بھی جس کی جرات و ہمت میں اتنا اثر ہے کہ پوری دنیا حیرت میں ہے کہ یہ ایک دم سے کیسے ہو گیا۔ یعنی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روس کی حکومت اپنا سارا فوجی زور صرف کر دے اور وہ ریاستیں کہیں کہ ہم نہیں مانتے۔ اور عجیب بات ہے انہیں کلمہ نہیں آتا' نماز نہیں آتی' اذان نہیں آتی تیسری پشت جا رہی ہے نمازیں چھوڑے ہوئے اور حکماً" مساجد بند تھیں' اذان بند تھی لیکن وہ کہتے ہیں ہم اپنی اسلامی ریاست بنائیں گے' ہم اسلام سیکھیں گے۔

مذاہب باطلہ اور مروجہ تصور پیر

بنیادی طور پر یہ سارے غلط تصورات مذاہب باطلہ کے ہیں جو وہ اپنے

باطل خداؤں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ چونکہ مذاہب باطلہ کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیاوی فوائد کو لوگوں کو الجھانے کے لئے اپنی عبادات کے ساتھ نتھی کر لیتے ہیں اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ طے ہو چکا ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ جسے صحیح سمجھتے ہیں اس کے لئے محنت کریں' اللہ سے بھی اس کی مانگیں اور اس سے دعا کریں کہ یہ کام اسی طرح کر دے۔ لیکن ہو گا وہی جو اس نے طے کر دیا یہ اس کی مرضی ہے۔ یہی حال وہاں پر ہے کہ دیوی دیوتا جو چاہے کر دیتا ہے ہمارے ہاں یہ تصور آ گیا کہ پیر جو چاہے کر دیتا ہے۔ حالانکہ پیر بے چارا تو خود اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا' اپنی پسند سے مرتا نہیں' اپنی مرضی سے بیمار نہیں ہوتا' اپنی مرضی سے باصحت نہیں ہوتا' وہ خود محتاج ہے' کسی نے اس کو پیدا کیا' کوئی اسے زندگی دے رہا ہے' کوئی اسے زندہ رکھے ہوئے ہے' وہ کیا کرے گا کسی کے لئے' اس کی پسند کی کیا حیثیت ہے۔

اصل و نقل کی حقیقت

ہر اصل کے ساتھ نقل کا وجود ہے یہاں تک کہ اللہ کے مقابلے میں خدائی کے جھوٹے دعویدار موجود' انبیاء کے مقابلے میں کذاب اور اولیاء کے مقابلے میں نقال ہمیشہ رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی بابرکت حکومت نے جو جن و انس ہی کو نہیں بلکہ درندو پرند حتیٰ کہ ہوا تک محیط تھی جذبہ نقالی کو ہوا دی اور کئی ایسے شوقین پیدا ہوئے جن پہ جنات تسخیر کرنے کا خبط سوار ہوا۔ شیاطین نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور بعض کفریہ کلمات لوگوں کو تعلیم کئے۔ جو کوئی ان الفاظ کو دھراتا' امکانی حد تک شیاطین اس کی مدد کرتے ۔۔ یہ کفر سازی قائم رہے یہی سحر کی اصل بنی جو آج تک مروج ہے۔

فرمایا :- صحبت بد سے صرف بچنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ صالح لوگوں کی تلاش کر کے ان کے صحبت میں بیٹھنے کا بھی اہتمام کیا جائے کیونکہ صرف تخریب سے بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ تعمیر کا عمل جاری رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ قرب

د ترقی کی طرف قدم بڑھتے رہیں۔

سلوک میں مروجہ خرابیوں کا ذکر

فرمایا :- اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے۔ اگر اس شعبہ میں کچھ لوگوں نے زیادتیاں کی ہیں تو حق تو یہ تھا کہ اس شعبہ کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی' اس کی حفاظت کی جاتی اور صاف ستھری جو بات تھی وہ ایک ایک آدمی تک پہنچائی جاتی تاکہ اس پہلو پر اگر کوئی آدمی زیادتی کرتا ہے یا غلطی کرتا ہے تو اس کا تدارک ہوتا۔ لوگوں کو حق بانٹتا کہ میں یہ سیدھی بات پہنچانا چاہتا ہوں پوری قوت اور پورے اعتماد کے ساتھ کہ قرآن کریم صرف واحد کتاب ہے جو بات کہتی ہے پوری تحکیم کے ساتھ کہتی ہے اس کی ہر بات حتمی اور یقینی ہوتی ہے ناقابل تقسیم' لیکن اس یقین کو دل میں اتارنے کے لئے برکات نبوت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کوئی شخص ازخود ان برکات کو اپنے اندر نہیں سمو سکتا۔ جس طرح تعلیمات نبوت صحابہؓ سے تابعینؒ نسلاً بعد نسلاً' علماء سے' مدارس سے' کتابوں سے' نصابوں سے' ہم تک پہنچتی ہیں اسی طرح برکات نبوت و صحبت' سینہ بہ سینہ اہل دل سے' بزرگان سلاسل سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچتی ہیں اور جب تک اللہ نے چاہا یہ قائم رہیں گی۔

پیر اور تعویذ

فرمایا :- میں تنگ آ چکا ہوں اس بات سے کہ لوگ مجھ سے تعویذ حاصل کریں۔ میرا یہ طریقہ نہیں ہے۔ میں اللہ کے راستہ میں دیوار نہیں ہوں' میرے پاس کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ اللہ کی مخلوق کی تعداد بڑھا یا گھٹا سکوں۔ کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ جسے اللہ پیدا کرنا نہیں چاہتا' میں تعویذ لکھ دوں اور اللہ اپنا پروگرام بدل دے اور وہ پیدا ہو جائے۔ جسے اللہ بیمار کرنا چاہتا ہے اسے میں شفا نہیں دے سکتا۔ جسے رب شفا دینا چاہتا ہے میں اسے بیمار نہیں کر سکتا۔ جسے

اللہ دولت دینا چاہتا ہے میں اس کا دست قدرت نہیں روک سکتا۔ جس پر وہ مفلسی بھیجنا چاہتا ہے میں اس کے خزانے سے چھین کر اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اگر آپ یہ امیدیں لے کر میرے پاس آتے ہیں تو میرا اللہ گواہ ہے میں آپ کے کسی کام نہیں آ سکتا آج بھی کہہ رہا ہوں میدان حشر میں بھی کہہ دوں گا۔

فرمایا :- میں تعویذ کے خلاف نہیں ہوں لیکن میں اس بات کے خلاف ہوں کہ اللہ کو بھول کر مخلوق پر بھروسہ کر لیا جائے۔ تعویذ کو بھی اس حد تک رکھیں جس حد تک آپ میڈیکل سائنس سے مدد لیتے ہیں' جس حد تک آپ حکیم سے مدد لیتے ہیں اس حد تک۔ کسی نے دم کر دیا یا تعویذ لکھ دیا۔ ہو سکتا ہے ٹھیک ہو جائے' ہو سکتا ہے ٹھیک نہ ہو۔ میاں اللہ اللہ کر لو یہ جنس نایاب ہے۔ بندے کو پیدا کرنا' مارنا اس کا اپنا کام ہے وہ کسی کے تعویذوں کا محتاج نہیں ہے۔

مروجہ پیر خانوں اور تعویذ خانوں کا تصور

میں ان پیر خانوں اور پیروں کو مافوق الفطرت سمجھنے کی بجائے ان سب باتوں کے خلاف ہوں۔ نہ میں خود پیر ہوں اور نہ میں کوئی منی پیر خانے بنانے کی اجازت دیتا ہوں۔ سیدھا سیدھا' ہمارا کام ہے ڈانگ سوٹے کا' جس سے ہو سکتا ہے وہ کرے جس نے پیر بننا ہے تعویذوں کی اجازت لینی ہے وہ کہیں اور سے لے۔ مجھے اگلے دن بھی کسی کا خط آیا کہ لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے فلاں قسم کے تعویذ کی اجازت دے دیں میں نے کہا بھئی تمہیں پیر بننا ہے تو کوئی اور دروازہ تلاش کر لو۔ نہ میں نے کسی کو تعویذوں کی اجازت دی ہے۔ دو چار ساتھیوں کو اگر دی تھی تو ان کی اپنی کسی خاص مجبوری یا کسی خاص ضرورت کے لئے تھی پیر بننے کے لئے نہیں۔ میں اس کا ذمہ دار نہیں کسی کو فائدہ ہوتا

ہے یا نہیں ہوتا۔ کسی کا عقیدہ خراب ہوتا ہے یا صحیح ہوتا ہے لینے والا اور دینے والا آپس میں ذمہ دار ہیں۔ نہ میں تعویذ لکھ کر دینے کی اجازت کے حق میں ہوں۔ میں خود جو لکھ دیتا ہوں یہ بھی انتہائی مجبوری میں کہ بعض لوگ اگر انہیں تعویذ نہ دیئے جائیں تو اللہ پر بھروسہ کرنے کو ان کا جی نہیں چاہتا کسی نہ کسی ساحر کے پاس سے لینے چلے جائیں گے۔ پھر یہ ایک مسنون طریقہ علاج بھی ہے' دعا" اس کی اجازت بھی ہے لیکن ہر ایک کو اجازت دی جائے تو اس شرعی حد سے لوگ آگے چلے جاتے ہیں اور تعویذ سے زیادہ اپنی ذات کو اہم بنا لیتے ہیں اور اپنے گرد ایک حلقہ بنا لیتے ہیں اور خود ایک مٹی پیر بن جاتے ہیں۔ اور میں اپنے ادارے کو بھی پیر خانہ نہیں بنانا چاہتا۔ سیدھا سیدھا سا جیسے استادی شاگردی کا رشتہ ہوتا ہے لوگ آئیں سیکھیں اور اپنا اپنا کام کریں۔

بعد از وصال تصرف اہل اللہ کی وضاحت

فرمایا :- اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ تصرف سے مراد ہے فیض پہنچانا۔ جہاں تک فیض پہنچانے کی بات ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قبر اطہر میں تشریف فرما ہیں اور نبوت انہی کی جاری و ساری ہے۔ کائنات میں سارا فیض انہی کا ہے۔ اگر فیض سے مراد برکات ہیں دین ہے ۔۔۔ہے تو پھر رابطہ شرط ہے جیسے کلمہ پڑھنے والا خواہ کوئی کافر بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لیتا ہے تو رابطہ اس کا ہو گیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات اسے پہنچیں وہ مسلمان ہو گیا' ایمان نصیب ہو گیا۔ اہل اللہ بھی تو آپ ﷺ کی نعلین مبارک کی خاک ہیں اور آپ ﷺ ہی کے فیض کو آگے پہنچانے والے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر فیض سے مراد دنیاوی امور لئے جائیں تو میں اس کا قائل نہیں ہوں۔ ہم نے اہل اللہ کو دیکھا ہے وہ زندگی میں دنیا کے کاموں کی ۔۔۔ نہیں کرتے تھے۔

مناصب اولیاء

فرمایا :- صاحب مناصب اولیاء وہ انسانی ارواح ہوتی ہیں جن کے ساتھ بعض امور دنیا متعلق کر دیئے جاتے ہیں۔ اب صاحب منصب کو خود علم ہو یا نہ ہو اس کے وجود کے ساتھ جو چیزیں یا امور وابستہ کر دی جاتی ہیں وہ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ اسے پتہ ہو تو بھی ٹھیک ہے پتہ نہ ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ مرنے کے بعد سب کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اسے پتہ چل جائے گا۔ اور یہ جتنے اس قسم کے قصے آپ کو کتابوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں یہ کوئی دلیل نہیں سوائے حسن ظن کے کہ ہم اپنے حسن ظن پر کہتے ہیں یا بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے متعلق بعض صوفیوں نے "کشفاً" اطلاع دی ہو کہ فلاں صاحب کا یہ منصب ہے ورنہ اکثر تو لوگوں نے اپنے طور پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں ان کی ترتیب ہی کوئی نہیں ہوتی۔ بلکہ ترتیب ہی ایسی لکھتے ہیں تو سمجھ آ جاتی ہے کہ انہیں کیا پتہ منصب ہے کہ نہیں۔

تکوینی امور کے اصحاب اور ان کے اختیارات

فرمایا :- یہ جو اختیار اور اس قسم کی بات کا تعلق ہے تو دراصل یہ الفاظ کا گورکھ دھندا ہے۔ اختیار اور تصرف جسے کہا جاتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ اللہ کریم نے بعض فیصلے ایسے ہی کر دیئے۔ دعا بھی ایک تقدیر اور فیصلہ شدہ عمل ہے کہ فلاں شیخ جب فلاں کام کے لئے دعا کرے گا تو قبول ہوگی نتیجتاً" بارش ہوگی یا کسی کی اولاد ہوگی یعنی اللہ کے لئے Un Known نہیں ہے۔ تقدیر میں واقعہ وہ غیر متوقع نہیں ہے کہ تقدیر کسی اور طرف جا رہی تھی کسی نے راستے میں دعا کا پتھر پھینکا' تقدیر کا دھارا بدل گیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ دعا بھی اسی تقدیر کا ایک حصہ ہے۔ یہ اس کے مقدر میں پہلے ہی تھا کہ اس کے لئے فلاں دعا کرے گا۔ جو کچھ ہوتا ہے اس کے لئے اس کا واقف ہونا ضروری نہیں ہوتا' تکوینی طور پر اس کی روح سے وابستہ ہوتی ہے اور از خود من جانب اللہ

وہ عمل چلتا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ دنیا میں ہر کام کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے۔ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے پیدا فرمایا۔ تو کیا ضرورت تھی جبرائیل علیہ السلام کے دم کرنے کی لیکن اللہ نے اپنی سنت پوری کی کہ دنیا میں ہر کام کا کوئی سبب ہوتا ہے اسی طرح اقطاب جو ہوتے ہیں یا صاحب منصب اولیاء جو ہوتے ہیں ان کے وجود کے ساتھ امور دنیا کو وابستہ کر دینا محض ایک سنت اللہ پورا کرنا ہے کہ دنیا میں سبب ان محرکات کا ہونا چاہیے۔ ب اس سبب کو اختیار کرنا اس مسبب الاسباب کا اپنا کام ہے۔ قطب بھی خود بااختیار نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ اس سے بھی وہ جو چاہے کراتا ہے۔ رتا وہی ہے۔ اس کا تصرف بھی یہی ہوتا ہے۔ ایک محقق نے بھی تصرف کے وضوع پر لکھا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صاحب منصب کو خود بھی علم ہو کہ یرے پاس یہ منصب ہے۔ جب وہ برزخ میں پہنچتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ یرے پاس یہ منصب بھی تھا اور اس کے منصب کے کام اس کے جاننے کے بغیر ھی انجام پاتے رہتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق اس کی روحانی استعداد کے مطابق تا ہے۔ تو وہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو وہ انجام پاتے رہتے ہیں کیونکہ انہیں انجام نا اللہ کریم کا اپنا کام ہے۔

نصب غوثیت اور اُس کا فنکشن

فرمایا ہر زمانے میں غوث ہوتا ہی ایک ہے اور اپنے عہد کے سارے لیاء اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ الحمدللہ ہمارے پاس تو اس کا یقین موجود ہے' ہر عہد ، ہر دور میں ہوتا ہے۔ دو میں سے ایک منصب ہر دور میں خواہ مخواہ رہتا ہے ، زمانے میں غوث نہ ہو تو قطب مدار ضرور ہوتا ہے اور بعض اوقات قطب ہیں ہوتا تو اس کا کام بھی غوث کرتا رہتا ہے۔

آپ دنیاوی حکومت کو دیکھتے ہیں کہ جو حکمران ہوتا ہے اس میں کوئی ی طاقتیں نہیں ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹے سے بندے کو آپ کمانڈر بناتے

ہیں۔ ہر حکم اس کا مانتے ہیں۔ اس سے کانپتے رہتے ہیں ایک سسٹم ہر ایک کو مصروف (Engage) رکھتا ہے۔ تو یہ جو مناصب روحانی ہیں ان میں بھی اتنا مضبوط ایک رشتہ اللہ کریم بنا دیتے ہیں کہ کوئی بندہ کہیں ہو اس سارے نظام میں وہ کام چلتا رہتا ہے۔ کسی کی محنت یا کوشش یا طاقت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ یہ اتنا مضبوط نظام ہے کہ اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص صاحب منصب ہو وہ قطب ہو یا اس کے پاس کوئی اور منصب ہو یا غوث ہو اور ممکن ہے ساری زندگی خود اسے پتہ نہ چلے کہ میں غوث ہوں۔ لیکن اس کی جو روحانیت یا روحانی نظام ہے تو تمام دنیاوی نظام اس کے مزاج کے ساتھ ڈھلتے چلے جائیں گے جیسا اس کا مزاج ہو گا ویسا زمانہ بدلنا شروع ہو جائے گا یعنی اگر وہ خود جرات مند اور دلیر آدمی ہے تو دین دار طبقہ پوری دنیا میں جرات مند ہوتا چلا جائے گا۔ اگر وہ خود زیادہ پڑھنے لکھنے والا علمی آدمی ہے تو پوری دنیا میں مسلمانوں میں پڑھنے' لکھنے اور دین سمجھنے کا شوق پیدا ہو جائے گا۔ تو اس طرح ایک نظر نہ آنے والا سسٹم غوث کی سوچ کے ساتھ زمانے کو بدلتا رہتا ہے کبھی کبھی صدیوں بعد غوث سے اوپر کے لوگ آ جاتے ہیں جیسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا منصب بغیر کسی شک و شبہ کے صدیق کا تھا۔ غوث اگر ترقی کرے تو قیوم بنتا ہے۔ قیوم کو اگر ترقی نصیب ہو تو فرد بنتا ہے فرد کو ترقی نصیب ہو تو قطب وحدت بنتا ہے اور اس سے اگر کسی کو اوپر کا منصب نصیب ہو تو وہ صدیق بنتا ہے۔ صدیقیت آخری منصب ہے' نبوت میں بھی صحابیت میں بھی اور ولایت میں بھی۔ نبی صدیق ہوتا ہے باعتبار نبوت کے' اس شان کا صحابی صدیق ہوتا ہے باعتبار ولایت کے تو صدیقیت آخری منصب ہے۔ تو اس طرح کے لوگ جب آتے ہیں تو وہ جس مزاج کے ہوتے ہیں' جس سوچ کے ہوتے ہیں زمانہ سارا اسی کے مطابق کروٹ لیتا رہتا ہے جیسے آپ آج دیکھتے ہیں ہمارے زمانے میں اللہ ہمیں بھی ملائے' کوئی بڑا ہی تگڑا بندہ ہے۔

کہ میں نے دنیا کو پھر کے دیکھا ہے کہ ایک سرے سے دوسرے تک ہر

سلمان کو دین کی فکر لگ گئی ہے چاہے اس سے کچھ ہوتا ہے یا نہیں۔

منصب صدیقیت کی وضاحت

فرمایا :۔ اب جو باتیں قلبی اور باطنی ہیں ان کو ماننے کے لئے پھر آنکھ بھی قلب کی چاہئے۔ اب جس کے قلب کی آنکھ ہوگی وہی مانے گا دوسرا کیسے ان لے۔ تو حق یہ ہے کہ صدیقیت ایک منصب ہے۔ جب یہ منصب نبی کو نصیب ہوتا ہے تو نبوت کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی صدیق ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہے کہ و جعلنه صدیقا نبیا یعنی ابراہیم علیہ السلام نبیوں میں صدیق ہیں۔ جب صحابہؓ کے متعلق اسی منصب کی بات ہوتی ہے تو وہ ہستی صحابیوں میں صدیق ہوتی ہے۔ نبی کے برابر ہرگز نہیں ہوتی۔ ابراہیم علیہ السلام کی برابری نہیں ہے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ لیکن کوئی غیر صدیق صحابیؓ آپ کے برابر نہیں۔ آپ صحابہؓ میں صدیق ہیں۔ اسی طرح کسی ولی اللہ کو جب منصب صدیقیت نصیب ہوتا ہے تو وہ اولیاء اللہ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ اب اس کا تقابل صحابہؓ سے کرنا یا صحابہؓ کی صدیقیت کا تقابل نبوت سے کرنا یہ نادانی ہے اور نہ جاننے کی بات ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک صدیقیت منصب ہوتا ہے اور ایک دائرہ صدیقیت جو منازل ولایت میں سے ہے۔ ولایت کے جو منازل چلتے ہیں ان میں ایک منزل بھی ہے دائرہ صدیقیت ۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ایک ولی دائرہ صدیقیت کی حد تک نہ پہنچا ہو لیکن اسے منصب صدیقیت دے دیا گیا ہو۔

جس قدر غوث حضرات کی بابت ہم تک علم پہنچا ہے یا ہم جانتے ہیں کبھی بھی کسی غوث کے عالم امر کے نیچے منازل نہیں ہوتے ہیں اور غوث کے منصب کے لوگ جو ہیں ان کے منازل عالم بالا کے' عالم امر کے ہوتے ہیں۔ لیکن غوث بہاؤ الحق رحمۃ اللہ علیہ کے منازل ساتویں عرش تک ہیں۔ اب یہ رب کی مرضی کہ انہیں

وہاں غوثیت دے دی اور حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے منازل عالم امر میں ہیں اور وہ قطب ہیں برزخ میں بھی ایک دن بات ہو رہی تھی کہنے لگے اللہ کی عطا ہے محنتیں ہم نے کیں۔ مجاہدے ہم کرتے رہے غوثیت بہاؤ الحق زکریا رحمۃ اللہ علیہ لے گئے۔ تو منصب کی عطا الگ شعبہ ہے۔ منصب ہوتا ہے ذمہ داری یا عہدہ۔ اور رسائی کس دائرے تک یہ ہوتی ہے کوالیفکیشن جو ایک الگ شعبہ ہے۔ جہاں تک منازل کا تعلق ہے تو جس طرح آسمان زمین کو محیط ہے کہ ساری ایک زمین نہیں سارے فضائی کرہ میں جتنے ستارے' سیارے' جتنی زمینیں' جتنی اس میں خلقت ہے سب کو آسمان محیط ہے اسی طرح عرش الٰہی ساتوں آسمانوں سمیت نچلی ساری کائنات کو محیط ہے۔ بالائے عرش کا ہر دائرہ اپنے سے نچلے کو اسی طرح محیط ہے حتیٰ کہ عرش کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عرش کے مقابلے میں آسمانوں' زمینوں اور اس ساری کائنات کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں کوئی انگشتری پھینک دی جائے۔ تو بالائے عرش جتنے دائرے چلتے ہیں وہ نچلی ساری کائنات کو اس طرح محیط ہیں۔ اور اگر کسی ایک دائرے میں بھی رہنمائی کے لئے شیخ نہ ہو۔ یا عبور کرنے کے لئے شیخ نہ ہو تو ہزاروں زندگیاں نصیب ہو جائیں تو پھر بھی آدمی اس کی وسعتوں ہی میں کھویا رہتا ہے اسی میں پھ[illegible]تا ہے۔

صدیقیت عالم امر کا چوبیسواں دائرہ

فرمایا :۔ دائرہ صدیقیت جو بحیثیت کوالیفکیشن ہے' چوبیسواں دائرہ ہے۔ اب آپ اس کا اندازہ کر لیں کہ وہ کتنی منزلوں' کتنے فاصلوں اور کتنی رفعتوں کے بعد ہے اور کائنات کی اس کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے۔ لیکن کوالیفکیشن میں یہ چوبیسواں دائرہ صدیقیت منازل اولیاء کی انتہا ہے۔ اس پر ولی اللہ کے منازل ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن منازل اس سے آگے چلتے ہیں اور وہ منازل ہیں ولایت نبوت کے۔ ولایت نبوت وہ حال ہے جو نبی کو بعثت سے پہلے

نصیب ہوتا ہے۔ جہاں اولیاء اللہ کی ولایت ختم ہو جاتی ہے وہاں سے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے۔

فرمایا :۔ جو بیسواں دائرہ انتہا ہے ولایت کی۔ نویں عرش کے اوپر جو پہلا دائرہ ہے عالم امر کا اس سے لے کر چوبیسواں انتہا ہے اور پچیسویں دائرے سے لے کر چھیالیس ولایت انبیاءؑ کے دائرے چلتے ہیں۔ چھیالیسویں دائرہ سے اوپر ولایت انبیاء علیہم السلام کے ذاتی منازل شروع ہو جاتے ہیں جس میں کوئی امتی قدم نہیں رکھتا۔ بیشتر صحابہؓ کا ولایت انبیاء علیہم السلام ہی کا مقام تھا۔ خواجہ حسن بصری ؒ حجابات الوہیت میں فوت ہوئے اس میں ولایت انبیاء کے بھی تین حصے گزر جاتے ہیں۔ حضرت ؒ کے وصال سے کوئی ایک سال پہلے یا کچھ کم عرصہ آپ ولایت انبیاء علیہم السلام کے چھیالیسویں دائرے میں داخل ہوئے تھے اور جب حضرت کا وصال ہوا تو اللہ کی عطا سے اور حضرت ؒ کی توجہ کے طفیل میں اس وقت چالیسویں دائرہ میں تھا۔ ان دوائر کے نام ہیں جو میں اس لئے نہیں لیتا کہ سننے والا نام سن کر دعویٰ کر سکتا ہے۔ تعداد میں نے بتا دی۔ جو دعویٰ کرے گا وہ ان کی کیفیات اور وہاں کے حالات اور اس کے نام بتائے گا تو پتہ چلے گا کہ اس کا گزر وہاں ہے۔ میں نے صرف ضمنی تعداد بتا دی۔ اب یہ اللہ کریم کی اپنی عطا ہے کہ وہ کیا دیتے ہیں۔

فرمایا :۔ یہ جو منازل ولایت ہیں یہ بھی اللہ کی عنایت ہیں۔ اپنی پسند سے بانٹتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم ایک آدمی کو بالکل پسند نہیں کرتے اللہ اسے پسند کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم ایک آدمی کو بہت محبوب رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھتا ہے یا نہیں کیونکہ اللہ کی پسند ہماری پسند کی محتاج نہیں۔

فرمایا :۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک مشاہدات کا' مکاشفات کا تعلق ہے' ان میں کوئی ایسا نظام نظر نہیں آتا کہ کسی وجود یا ایک قلب کے ساتھ پوری دنیا کے قلوب کو وابستہ کر دیا جائے۔ یہ پہلے نہیں ہوا تاریخ کو ہر ایک سمجھتا ہے تاریخ تصوف میں پہلے نہیں ہوا۔ اور بعد کی بھی سمجھ یوں آتی ہے کہ

اس سلسلہ عالیہ سے استفادہ کرنے والے لوگ کم و بیش ہر ملک میں اس قابل ہو جائیں گے کہ وہاں بیٹھ کر وہاں کے لوگوں کو اللہ اللہ کرا سکیں اور یوں بات پھر بہت سے لوگوں میں تقسیم ہوتی جائے۔ کام شاید اس سے زیادہ ہو' محنت شاید اس سے زیادہ ہو' فائدہ شاید اس سے آج کی نسبت زیادہ ہو لیکن آج والی کیفیت جو ہے شاید اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

مقامات

فرمایا :۔ اس راہ میں ابتداء یا ابجد فنافی اللہ' بقا باللہ والا اس قابل ہو جاتا ہے کہ راہ سلوک میں قدم رکھے۔ آگے کی پہلی منزل سالک المجذوبی ہے جس کی سات منازل ہیں۔ ان سات میں تقریبا" سوا لاکھ نورانی حجابات ہیں جو سالک کو طے کرنے پڑتے ہیں اور پھر دریائے رحمت عبور کر کے پہلے عرش کے منازل میں داخل ہو جاتا ہے۔ پہلے عرش کے اندر تقریبا" سوا لاکھ منازل ہیں اور یہ شمار حتمی نہیں ہے بلکہ ہم نے اندازہ اسی طرح لگایا تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ میں نے ایک سال پہلے عرش کی منازل شمار کیں تو اول سے لے کر سولہ ہزار تک طے کر سکا پھر تین سال اور لگے تب جا کر عرش طے ہوا۔ یاد رہے کہ جوں جوں روح آگے بڑھتی ہے اس کی قوت اور رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب حساب کے قاعدوں میں نہ پھنسیں بلکہ مجھ بے نواہی پر بھروسہ کریں۔ میں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف چیزوں کا جائزہ لے کر حساب جوڑا تھا تو اندازا" سوا لاکھ شمار ہوا تھا۔ ان منازل کے درمیان فاصلہ اس قدر ہے کہ ہر نیچے والی منزل سے اوپر والی منزل اس قدر بلند ہے کہ اگر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے جیسے زمین سے کوئی اتنا دور ستارہ معمولی سا ٹمٹماتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب پورے عرش کی اندرونی وسعت کا خیال کر لیں کہ سمند عقل یہاں تھک کر گرتا ہے۔ عرش کی تعداد نو ہے۔ پہلے اور دوسرے عرش کا درمیانی فاصلہ عرش اول کی موٹائی سے زیادہ ہے' پہلے پھر دوسرے عرش کی

موٹائی اس فاصلے اور خلاء سے زیادہ۔ علی ہذا القیاس ہر عرش کے بعد خلاء بھی ہے اور اسی نسبت سے خلاء اور عرش کی موٹائی بڑھتی بھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نویں عرش کی انتہا عالم امر کی ابتدا ہے' جسے عالم حیرت بھی کہا جاتا ہے' یہاں سے وہ دائرے شروع ہوتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی وسعت میں جہاں گم ہو سکتا ہے۔

فرمایا :۔ ان دائروں کی تعداد چھتیس ہے اور ان کی وسعت بے کراں۔ پہلا دائرہ مقام تقرب ہے جس کی پہنائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ نو عرش اور دنیا و مافیہا اس کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک مندری۔

فرمایا :۔ چوتھا دائرہ مقام تسلیم ہے جہاں مقامات اولیاء کی انتہا ہے۔ اس سے آگے ولایت انبیاء شروع ہوتی ہے جو نبی کو وہبی طور پر حاصل ہوتی ہے اور قبل نبوت بھی حاصل ہوتی ہے جس میں امتی صرف اتباع پیغمبر کی وجہ سے بازیاب ہوتا ہے ورنہ یہ منازل امتی کے لئے نہیں بالکل اسی طرح جس طرح شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام بھی رہتے ہیں۔ یہاں سے چھ دائرے عبور کرنے کے بعد ساتواں دائرہ مقام رضا ہے۔ آگے دائرہ مقام افراد ہے۔ اس سے اگلا دائرہ قطب وحدت کا ہے اور اس کے بارے میں مناسب ہو گا کہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک الفاظ نقل کر دوں۔ "یہ وسیع دائرہ ہے ڈیڑھ سال بندہ اس میں سرگرداں رہا۔" اگلا مقام دائرہ صدیقیت ہے اور پھر قرب نبوت' قرب رسالت' قرب اولوالعزمی' قرب محمدیؐ وصال محمدی' رضائے الٰہی' قرب الٰہی' وصال الٰہی' قرب رحمت' بحر رحمت' خزانہ رحمت اور منبع رحمت یہ بارہ دائرے ہیں جن کی وسعتیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً" ایک چوتھائی سلوک یہاں طے ہوتا ہے۔ میری ناقص رائے میں جو اصحاب یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے سلوک مکمل طے کر لیا شاید وہ کچھ اندازہ کر سکیں۔ اس سے آگے حجابات الوہیت ہیں جن کا شمار ممکن نہیں یہ 19

اکتوبر 1962ء کی بات ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ بدکار سوم حجاب میں ہے۔ حجابات الوہیت ختم ہو کر قرب الٰہی شروع ہوتا ہے وہاں مقامات و منازل کی تعین نہیں ہو پاتی۔

مجازین کے منصب کی وضاحت

فرمایا :۔ صاحب مجاز حضرات کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ فنا بقا تک مراقبات کرا سکتے ہیں۔ کسی کو حلقے میں لے کر فنا بقا تک نئے سرے سے بھی اگر اس میں استعداد پیدا ہو جائے اور وہ محنت کرواتے جائیں تو کرا سکتے ہیں' صرف روحانی بیعت نہیں کرا سکتے اور فنا بقا سے آگے نہیں کرا سکتے۔

فرمایا :۔ اس کے لئے جو میری حیثیت ہے۔ وہ بحمداللہ اپنی ہے۔ آپ کی حیثیت مجھ سے کم نہیں ہے اسی اہمیت کے اعتبار سے کہ جتنا آپ کے پاس ہے آپ اسے دوسروں تک پہنچائیں' دوسروں کو بتائیں' دوسروں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور دوسروں کو نیکی پر کاربند رہنے اور گناہ سے بچنے کا فلسفہ سمجھائیں' انہیں اللہ کے ذکر کی تلقین کریں۔ یہ دل کی روشنی اللہ کی ملاقات کی طلب پیدا کر دیتی ہے۔

مجازین کو انتباہ

ہمیں جو سلسلہ اللہ کریم نے عطا فرمایا ہے یہ بہت زیادہ طاقتور ہے' بہت ہی زیادہ' ایک عام آدمی جو ایک مجلس میں لطائف پر توجہ لیتا ہے وہ باہر جا کر کسی دوسرے کو لطائف پر توجہ دے تو اس کے بھی لطائف روشن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ باقی سلاسل میں بڑے بڑے لوگ ایک ایک لطیفے پر دو دو سال یا چار چار سال لگواتے ہیں۔ تو جس قدر یہ زود اثر اور طاقتور ہے اسی طرح اگر اس کو سلب کیا جائے تو پھر یہ ہر چیز ساتھ ہی کھینچ لاتا ہے۔ جس کے منازل سلب ہوئے اس کا ایمان بھی نہیں بچا۔ اس لئے ہمارے ہاں منازل سلب نہیں کئے جاتے۔

میرے خیال میں نصف صدی میں دو تین آدمیوں کے منازل سلب کئے گئے ان میں سے کوئی ایمان پر نہیں مرا۔ وہ بھی اس لئے سلب کئے گئے کہ وہ خود تو گمراہ ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر گوشہ نشین ہو جاتے۔ انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ وہ بھی مشائخ بالا نے سلب فرمائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی سلب نہیں فرماتے اور میرا بھی یہ قطعاً" طریقہ نہیں ہے۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو ہم وہ مقدمہ اٹھا کر مشائخ بالا کے سامنے رکھ دیتے ہیں کہ یہ بندہ اس سلسلے کی آڑ لے کر لوگوں کے عقائد خراب کر رہا ہے۔ یہ فیصلہ ان پر ہوتا ہے کہ وہ سلب کر لیں یا نہ کریں۔ جس کے سلب ہوئے اسے ایمان پر مرتے نہیں دیکھا۔

اب اگر کوئی صاحب مجاز یہ کہے کہ تو نے فلاں کام نہ کیا تو منازل کم ہو جائیں گے یہ صاحب مجاز والی بات تو نہ ہوئی۔ صاحب مجاز یا شیخ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ منازل کم کرے وہ اس لئے ہوتا ہے کہ ہم سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں اور جو کمی آ جاتی ہے منازل میں یا حالات میں وہ اس کو پورا کرے۔ وہ کم کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ مجازین اس لئے نہیں بنائے جاتے کہ لوگوں پر رعب جھاڑتے پھریں۔ یہاں یہ پیری فقیری نہیں ہے کہ پیسے دو نہیں تو کھرل کر دوں گا یہ کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارا کام میرے سمیت یہ ہے کہ جہاں کمی ہوتی ہے' کوتاہیاں ہوتی ہیں' خطائیں ہوتی ہیں اور منازل میں کمی آتی ہے وہاں دعا بھی کروں اور آپ کی رہنمائی بھی کروں اور توجہ بھی دوں کہ وہ کمی پوری ہو جائے اور احباب آگے بڑھتے رہیں۔ یہ ہماری ڈیوٹی اور ذمہ داری ہے اور یہ ہم نہیں کر سکتے کہ میرے لئے گڑ لے آؤ ورنہ منازل سلب ہو جائیں گے۔ یہ جائز نہیں ہے اگر کوئی صاحب مجاز اس طرح کرتا ہے تو وہ خوب توجہ سے سن لے کہ یہاں ایسا نہیں چلتا۔ میں تو سلب نہیں کرتا اور میں گرفت بھی نہیں کرتا لیکن میں خود بھی آزاد نہیں ہوں جو جی چاہے کرتا پھروں۔ پیچھے دیکھنے والے بہت ہیں اور جن لوگوں کا رشتہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا مضبوط ہے کہ وہ دوسروں کو پکڑ

کر فنا فی الرسول کرا دیتے ہیں وہ اتنے آزاد نہیں ہوتے۔ ان کو بہت توجہ سے' بہت غور سے دیکھا بھی جاتا ہے کہ یہ کیا کرتے پھرتے ہیں۔ یہ معاملہ الگ ہے کہ صاحب مجاز کی توہین کی جائے وہ تو شیخ کی توہین کے برابر ہوتی ہے اور شیخ کی توہین کرنے والے اللہ کی گرفت سے یا منازل کے ضیاع سے نہیں بچ سکتے۔

تصوف و منازل

فرمایا :۔ تصوف اور سلوک اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی اس حیثیت میں اگرچہ یہ سارا کیفیات سے مرکب ہے اور سارا کیفی ہے لیکن ابتداء سے انتہا تک اس میں بے شمار مدارج و منازل ہیں۔ اور جس طرح باقی کمالات جنہیں آپ کتابوں میں یا الفاظ میں یا بعض علوم میں اور بعض فنون میں حاصل کرتے ہیں اور ان کے مدارج اور ان کے اندازے ہیں اسی طرح اگرچہ یہ سلوک و تصوف کیفیات ہیں لیکن اس کے بھی مدارج و منازل ہیں۔

فرمایا :۔ میرے پاس یہ بھی ایک کسوٹی ہے کہ کوئی ان منازل کو جانتا بھی ہے یا کوئی ان سے واقف بھی ہے۔ جب زبان سے نکل جائیں گے تو شاید کئی اور دعویٰ کرنے والے بھی ہوں گے۔ لیکن آج تک میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کا نام بتانے والا کوئی نہیں۔ اگر تحریر میں آ جائیں یا بیان میں آ جائیں تو ممکن ہے کوئی شخص کل کو کہہ دے' آج نہ سہی کوئی دس سال بعد کہہ دے کہ یہ چیز میرے پاس بھی ہے۔ چونکہ جہاں تک لوگوں نے سن رکھا ہے وہاں تک لوگ دعویٰ کرتے رہتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی تک ان منازل کے ناموں کی خبر نہیں اور نہ کوئی "کشفا" انہیں جان سکا ہے۔

فرمایا :۔ تو جس طرح مادی نعمت خداوند عالم نے تقسیم کی ہے اسی طرح سے یہ روحانی دولت حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اور اس سلسلہ عالیہ نے اتنی حاصل کی کہ اس کی نظیر اس سے پہلے کے سارے سلاسل تصوف میں نہیں ملتی۔ جس طرح آج کی مادی ترقی کی نظیر معلوم تاریخ انسانی میں آپ کو نہیں ملتی اسی طرح

جو منازل، جو مدارج روحانی تقسیم ہوئے ان کی نظیر بھی پہلے تاریخ تصوف میں نہیں ملتی۔ اب جس طرح آپ مادی ترقی میں کسی قوم کا یا کسی ملک کا نام لیتے ہیں یا کبھی کوئی کہتا ہے روس آگے نکل گیا یا کوئی کہتا ہے امریکہ نے زیادہ ترقی کرلی کوئی کسی اور کا نام لیتا ہے اسی طرح جب ہم روحانیت کے بارے میں کہتے ہیں تو صرف ایک نام آتا ہے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا۔

باب چہارم

کشف و مشاہدہ

کشف و مراقبات کا باہمی تعلق

فرمایا :- اچھے کام کے لئے دعا کرنا اچھا ہے مثلاً" اگر کوئی تجلیات باری کے لئے یا مقامات کے لئے' دین کے شوق کے لئے کشف کی دعا کرتا ہے تو اچھی بات ہے۔ لیکن اگر کوئی تماشا دیکھنے کے لئے' لوگوں کے عذاب و ثواب دیکھنے کے لئے دعا کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ ایک تو قرب الہی کی ہے اور ایک تماشہ دیکھنے کی ہے۔ اچھے کام کے لئے کرتا ہے اچھی بات ہے اور اگر محض دیکھنے کے لئے کرتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ خرافات سے بچنے اور ذکر پر دوام سے کشف ہو جاتا ہے اور ایسے بہت بزرگ گزرے ہیں جنہیں شریعت مطہرہ کی پابندی کے سبب یا بعض اوقات ہر وقت اللہ اللہ کرنے یا قرآن و حدیث کی تعلیم میں لگے رہنے سے انہیں کشف ہو جاتا ہے مراقبات نہیں ہوتے کشف ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ انہیں برزخ نظر آنے لگتا ہے یا وہ ملائکہ کو دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کو مراقبات نہیں ہو سکتے اور یہ برزخ میں جا کر ان پر بھی راز کھلتا ہے کہ کشف ہونا اور شے تھی' مراقبات کا حصول دوسری شے تھی۔ کیونکہ کشف و مراقبات لازم و ملزوم نہیں ہیں' ایک آدمی کو کشف ہو سکتا ہے بغیر مراقبات کے۔ دوسرے کو مراقبات کا ہونا درجات کا بلند ہونا ہے اور کشف کا ہونا نیکی اور صفائی قلب کا نتیجہ ہے۔ تو صرف قلب کا صاف ہونا ایک اور بات ہے اور اس کی روح کی پرواز کا مختلف منازل تک حصول ایک اور بات ہے۔ یہ جو حضرت جی کا ارشاد ہے کہ اچھا صوفی وہ ہے جو اندھا ہو اس سے مراد یہ ہے کہ کشف از قسم ثمرات ہے' ایک طرح کا اجر ہے اور کشف میں بہت سے خطرات بھی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو آدمیوں کو احدیت نصیب ہے۔ ایک کو احدیت نظر آتی ہے اور دوسرے کو نظر نہیں آتی۔ تو نظر آنے والے کے درجات' نظر

نہ آنے والے کے درجات سے اس طرح کم ہوں گے کہ اس نے ایک حصہ ثواب کا لے لیا' بدلے کا ایک حصہ مشاہدہ کی صورت میں حاصل کر لیا۔

مراقبات کا تصور اور کشف

فرمایا:- تو یہ خیال یا تصور ہندوؤں کی یوگا میں ہے۔ اسلامی تصوف میں جو مراقبات ہیں' یہ حق ہیں اور حقیقت ہیں اس میں تصور کی ضرورت ہی نہیں ہوتی' نہ یہ تصور کرایا جاتا ہے کہ تصور کرو مجھے یہ ہو رہا ہے' کسی کو کہا گیا ہے آج تک کہ تصور کرو۔ پھر تصور کیسے ہے؟ میرے بھائی میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس میں تصور کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر آپ کو احدیت نصیب ہو گئی' ایک ساتھی توجہ دیتا ہے' شیخ توجہ دیتا ہے تو جب آپ کی روح وہاں محسوس کرنے کے قابل ہو گی تو دو میں سے ایک بات آپ کو حاصل ہو گی مشاہدہ نصیب ہو گا تو احدیت نظر آئے گی یا احدیت کے انوارات نظر آئیں گے یا احدیت پہ کھڑی ہوئی اپنی روح نظر آئے گی یا کسی خوش نصیب کو تینوں چیزیں نظر آ جائیں گی یا کسی کو تینوں میں سے دو نظر آ جائیں گی۔ اور احدیت کا مقام اور احدیت کے انوارات بھی نظر آ جائیں گے یا صرف روح یا احدیت کا مقام اور روح یا انوارات اور روح وہاں کھڑی نظر آ جائے گی یا روح دوسرے ساتھیوں کی کھڑی ہوئی نظر آ جائے گی۔ یہ نظر نہیں آئیں گے مشاہدہ نہیں ہو گا تو وجدان نصیب ہو جائے گا۔ دو میں سے ایک چیز نصیب ہو جاتی ہے' وجدان کی صورت میں نظر کچھ نہیں آ رہا ہوتا ہے لیکن دل مان رہا ہوتا ہے کہ میں وہاں کھڑا ہوں' وہاں یہ چیزیں ہیں اور وجدان کی شناخت یہ ہے کہ وہ دل میں اتنی شدت سے اللہ کی طرف سے آتا ہے کہ کوئی عقلی دلیل اسے رد نہیں کر سکتی' کوئی اس سے یہ نہیں منوا سکتا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور یہ وجدان مشاہدے سے مضبوط چیز ہوتی ہے۔ چونکہ مشاہدے میں ایک نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے کہ شیطان آسمان سے اوپر تو جا نہیں سکتا لیکن جو انوارات جا رہے ہوتے ہیں ان میں کوئی تصویر پرنٹ

کر دیتا ہے' کوئی اپنا رنگ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جسے نوٹ کرنا یا محسوس کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن جسے وجدان ہوتا ہے انوارات اُدھر سے اس کے دل کی طرف آ رہے ہوتے ہیں' اس میں القاء ہو رہا ہوتا ہے۔ تو اس میں اگر وہ مداخلت کرے تو وہ بات فوراً" دل پہ آتی ہے' بال بال کھڑا ہو جاتا ہے' رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پتہ چل جاتا ہے کہ کچھ راستے میں گڑ بڑ ہے۔ تو وجدان جسے نصیب ہوتا ہے محفوظ راستہ ہے لیکن اس میں نہ میری مرضی ہے نہ آپ کی پسند۔ وہ اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ کسی کو وجدان دے دیتا ہے' کسی کو مشاہدہ دے دیتا ہے' خالی کسی کو بھی نہیں رکھتا' دیتا ضرور ہے۔ اگر دیر لگتی ہے تو اس میں بھی وہ جانتا ہے کہ کسی کو دیر سے کیوں دیا ہے۔ اگر بہت جلدی ہوتی ہے تو یہ بھی وہ خود ہی جانتا ہے کہ کسی کو کس وقت کیا دینا ہے۔ آپ کا کام محنت کرنا ہے' ہمارا کام توجہ کرنا اور آپ کے لئے کوشش کرنا ہے' اس کے بعد اس پہ ثمرات مرتب کرنا اُس کا اپنا کام ہے۔

مراقبات کا مشاہدہ

فرمایا :۔ مراقبات میں جو کچھ نظر آتا ہے اس میں سے اسی چیز کو دیکھنا چاہئے جس چیز کا تعلق ہمارے دین کے ساتھ ہے۔ جیسے دنیا میں ہمیں بے شمار چیزیں نظر آتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ راستہ جدھر ہم جا رہے ہوتے ہیں اس کے اردگرد باغات بھی ہیں' پہاڑ بھی ہیں لیکن آدمی جو سٹیرنگ پہ بیٹھا ہے وہ صرف سڑک ہی دیکھتا ہے اس لئے کہ اسے اپنی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ تو مراقبے میں بھی اگر آدمی دائیں بائیں دیکھنا شروع کرتا ہے تو بے شمار چیزیں نظر آتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ مراقبے میں خود کو سٹیرنگ پہ محسوس کرے اور اپنے کام پہ توجہ رکھے' اپنے مقصد کی چیزوں کو دیکھے۔ تو کوئی دوسرا بھی اگر صاحب حال ہے جسے خود انکشافات ہوتے ہیں اس سے بات ہو سکتی ہے' جسے نہیں ہوتے اس کی سمجھ سے باہر ہو جاتی ہے' اس سے بات کرنا اسے پریشان کرتا ہے۔

مراقبات ثلاثہ

فرمایا :- بھلا یہ آپ سے کس نے کہا کہ معیت کو بھی دروازہ ہونا چاہئے اقربیت کو بھی دروازہ ہونا چاہئے۔ اگر آپ حویلی کے ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں تو اگلا کمرہ کس کا دروازہ' اس سے اگلا کمرہ کس کا دروازہ ہے' اس سے اگلا کس کا دروازہ ہے تو یہ بے تکی سی بات ہے۔ میرے بھائی منازل جو ہیں تصوف کے اور قرب کے یہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اتباع میں ان کے متبعین کو نصیب ہوتے ہیں' نبی اکرم ﷺ کا وجود مسعود ان بلندیوں پر تشریف لے گیا آپ ﷺ کا وجود پاک اتنا لطیف' اتنا منور اور اس قدر تجلیات باری سے مصفٰی تھا کہ وہ اس سے آگے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا یہ تشریف لے جانا' آپ ﷺ کے متبعین کی ارواح کے لئے قرب الٰہی کے منازل کا راستہ بنا گیا۔ پھر قدرت باری کی بات تو اور ہے۔ اس کمال کا پرتو جب کسی کو نصیب ہوتا ہے' کسی کی روح میں آتا ہے تو ان بلندیوں تک پہنچنے کی سعادت حاصل کرتی ہے۔ اب ان میں جو راستے' جو جگہیں ہیں ان کی جو کیفیات ہیں ان کے اعتبار سے ان کے نام رکھ دیئے گئے ان کے نام مَنزّل مِنَ اللہ نہیں ہیں۔

تعددِ امثال

فرمایا :- احادیث میں مختلف انبیاء علیہم السلام کا مختلف آسمانوں پر موجود ہونا ثابت ہے۔ انبیاء علیہم السلام ان آسمانوں پر اگر تشریف رکھتے ہیں تو اپنے وجود پاک کے ساتھ ان کی اپنی منازل ہیں کہ کس کو اللہ کریم نے کہاں پر مقرر کر دیا۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو موت جسم سے الگ نہیں کرتی اس لئے ان کے وجود بھی زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے وجود کا عرش پر' آسمان پر یا زمین پر ایک وقت میں مختلف جگہ میں ہونا ممکن ہے۔ پھر یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اسے تصور میں تعدد امثال کہتے ہیں کہ ایک وجود کی متعدد

صورتیں ایک وقت میں متعدد مقامات پر موجود ہوتی ہیں۔

معیّت ذاتی و صفاتی

فرمایا:۔ معیّت باری ہر نبی کو ہر آن حاصل ہوتی ہے' نبوت کا خاصا یہ ہے کہ نبی اور رسول کو معیّت باری ہر آن ہر لمحے اور ہمیشہ حاصل ہوتی ہے لیکن وہ معیّت صفاتی ہوتی ہے۔ معیّت صفاتی وہبی طور پر' قدرتی طور پر' ہر لمحے' ہر آن' ہر نبی کو حاصل رہتی ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کسی کا آسرا نہیں لیتے' کسی سے نہیں ڈرتے' کسی کے ساتھ اپنی امیدیں وابستہ نہیں کرتے۔ یہ اثرات ہوتے ہیں معیّت کے۔

اب یہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو معیّت ذات حاصل نہیں ہوتی وہ حاصل ہوتی ہے اور سب سے کامل اور اکمل درجہ میں ہوتی ہے لیکن معیّت صفاتی ان کے وجود یا ان کی ذات کا حصہ بن جاتی ہے۔ ہر لمحے بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد بھی' نبی منتخب ہونے سے ابدالاباد تک معیّت صفاتی حصہ بن جاتی ہے نبی کی ذات کا۔ تو کوئی بھی حال اس کی ذات سے نبوت کی نفی نہیں کرتا۔ تو معیّت صفاتی کی نفی بھی کسی آن' کسی لمحے نبی سے نہیں ہوتی۔ جب وہ نبی مبعوث ہوتے ہیں اور جب وہ نبوت کا کام کرتے ہیں تو انہیں معیّت ذاتی ہر ایک کی اپنی شان کے مطابق حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ معیّت ذاتی کا تعلق کسب سے ہے اور انبیاء علیہم السلام جب مبعوث ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے اس بعثت کے ساتھ' پھر اس کی تکمیل کے ساتھ اور ان عبادات کے ساتھ جو انہیں بتائی جاتی ہیں یا اس حلت و حرمت یا اس دین کے ساتھ جس کی وہ ترویج کرتے ہیں اس لئے اس پر خود بھی ہر آن دوسروں سے زیادہ عمل کرتے ہیں کہ وہ معیّت ذاتی کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے الگ ابتداء ہی سے معیّت ذاتی حاصل تھی۔ اس معاملے میں جتنے انبیاء علیہم السلام کو معیّت ذات باری نصیب ہوئی وہی رشتہ جو ان کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ

ایمان کا تھا وہ اس کا سبب بنا۔ اور انبیاءؑ کے بعد مخلوق میں سے جس جس کو نصیب ہوتی ہے بوساطت حضرت ابوبکر صدیق ؓ پہنچتی ہے۔ اسی لئے پہلی امتوں میں بھی صرف حضور ﷺ پر ایمان لانے پر بس نہیں کیا بلکہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کو ساتھ رکھا۔ اس کو اللہ نے پہلی کتابوں میں بھی نازل فرما کر پہلی امتوں سے بھی منوایا کہ انبیاءؑ معیّت ذات کا جو استفادہ کرتے ہیں وہ براہ راست نبی کریم ﷺ سے ہوتا ہے اور غیر نبی جب مجاہدہ کرتا ہے تو اس کی ترسیل کا جو مصدر ہے وہ غیر نبی کی ذوات میں سے ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ اور یہی باعث ہے کہ یہ سلسلہ عالیہ چونکہ براہ راست ابوبکر صدیق ؓ سے مستفید ہوتا ہے تو ایک آدمی اگر ایک دن یہاں ذکر کرتا ہے پھر کسی دوسرے کو ساتھ بٹھا کر ذکر کراتا ہے تو اس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں۔ اس میں کمال میرا یا آپ کا یا کسی ساتھی کا یا کسی صاحب مجاز کا نہیں ہوتا۔ اس چشمہ صافی کا جس کے ساتھ جوڑنے کا ہم سبب بن جاتے ہیں ہم ایک لنک یا واسطہ یا تعلق درمیان میں بن جاتے ہیں چونکہ اس کا تعلق ایک ایسے چشمہ صافی سے جڑتا ہے جس کی ذات کا خاصہ معیّت ذاتی ہے اور معیّت ذاتی مقصود حیات ہے۔ معیّت صفاتی اس دنیا میں کافر کو بھی ایک گونہ نصیب رہتی ہے۔ کیا رزق اسے نہیں دیتا' صحت اس کو نہیں دیتا' دنیاوی امور کی ساری نعمتیں اسے نہیں دیتا یہ ساری تو صفات باری کے طفیل حاصل کرتا ہے لیکن وہ وقتی اور لمحاتی ہوتی ہیں اور وہ منسوب ہوتی ہیں رحمانیت باری کی طرف۔ تو تجلیات ذات میں سے اگر حصہ ملتا ہے تو بنیاد اس کی ایمان بنتا ہے' مجاہدہ بنتا ہے' کسب بنتا ہے۔ کسب پر بھی ثمرات وہی ہوتے ہیں۔ کسب کی حد تک آدمی مکلف ہوتا ہے لیکن کسب میں بھی جو ثمرات ہوتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں وہ من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ تو جو ثمر عطا ہوتا ہے یہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ فرق معیّتِ ذاتی اور معیّتِ صفاتی میں ہے۔

تجلیات ذاتی و صفاتی اور رویت

فرمایا :- تجلیات صفاتی میں ہر صفت کی الگ تجلی ہوتی ہے۔ اس کا رنگ'

کیفیت' طاقت الگ ہوتی ہے اور جس صفت کی تجلی ہو اس صفت کا ظہور ہوتا ہے مثلاً" اللہ کریم کی صفت ہے کہ وہ سارے جہان کا رازق ہے تو اگر تجلی اس صفت سے متعلق ہو گی تو جسے مستفید کرے گی اس پر رزق کی فراخی ہو جائے گی۔ اسی طرح جتنی بھی صفات باری تعالیٰ قرآن حکیم میں مذکور ہیں' جتنے بھی صفاتی نام ہیں ہر صفت کی تجلی کے رنگ الگ ہیں اور اثرات اپنے اپنے ہیں۔ لیکن جس صفت سے وہ تجلی متعلق ہو گی اس صفت کے نتائج و اثرات کا ظہور ہو گا۔ تجلیات ذاتی' ذات باری کی تجلی ہے اور اگر یہ رائی برابر بھی نصیب ہو جائے تو ہمہ اوصاف ترقی نصیب ہوتی ہے' یعنی کوئی بھی ایک پہلو ترقی نہیں کرتا بلکہ ہمہ اوصاف ترقی نصیب ہوتی ہے' ہر معاملے میں' دنیا و آخرت کے تمام امور میں' ہر طرح سے وہ دستگیری فرماتی ہے۔ رویت باری سے مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کا دیدار نصیب ہو کہ جس طرح اس کی ذات کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا' کوئی مثال نہیں دی جا سکتی' کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا اور یہ جو علماء میں اختلاف ہے کہ اس عالم میں رویت باری نہیں ہو سکتی اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ آخرت کی جو قوتیں یا آخرت کے ادراکات یا آخرت کی نگاہ وہ اور شے ہے اور دنیا میں جو استعداد ہے وہ باعتبار اس عالم کے ہے۔ اور جو قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جنہیں یہ ہوتی ہے انہیں اس دنیا میں رہتے ہوئے نگاہ کی ایک حد تک ایسی قوت مل جاتی ہے جو دوسروں کو آخرت میں جا کر ملے گی۔ یہی فرق ہے کہ جو حضرات قائل ہیں وہ اس طرح سے قائل نہیں کہ عام آدمی کو رویت ہو جاتی ہے وہ بھی اس طرح سے قائل ہیں کہ اللہ کے ایسے بندے' جنہیں اس طرح کے ادراکات نصیب ہو جاتے ہیں جیسے فرشتے سے بات کر لینا' جنت دوزخ کو دیکھ لینا' آخرت کا مشاہدہ کر لینا تو انہیں قوت ادراک بڑی حد تک دوسروں سے بہت زیادہ مختلف عطا ہوتی ہے۔

دوائر ثلاثہ

فرمایا :- دوائر ثلاثہ کے بارے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک

اقربیت پر ہو جاتے ہیں' بعض کہتے ہیں کہ یہ فنا فی الرسول کے بعد اقربیت پر ہوتے ہیں۔ سلوک میں بعض کی روایات نہیں ہوتی' سلوک میں بات مانی جاتی ہے شیخ کی۔ سلوک میں کوئی روایت ایسی نہیں ہوتی کہ بعض یہ کہتے ہیں بعض وہ کہتے ہیں سلوک میں ذمہ دار شیخ ہوتا ہے اور اسی ایک بندے کی بات چلتی ہے۔ دوسرا اگر کوئی بتاتا ہے تو اسی کے حوالے سے بتا سکتا ہے۔ کسی کی اپنی رائے اس میں کام نہیں کرتی۔ یہ بڑی مضبوط قسم کی ڈکٹیٹر شپ ہوتی ہے۔ اس میں تو کرانے چاہئیں یا نہیں کرانے چاہئیں کی بات نہیں ہوتی۔ طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ کسی کو مراقبات ثلاثہ ہو جائیں اور اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ اسے ان کی فیلنگز (Feelings) یا ان کے محسوسات ہونے لگیں' اللہ کشف دے دے' اسے مشاہدات ہو جائیں۔ تو کشف کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی ہر مقام کے انوارات نظر آتے ہیں اور کچھ نظر نہیں آتا۔ کبھی اپنا آپ وہاں نظر آتا ہے مقام نظر نہیں آتا۔ تو اس طرح ہر آدمی کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں مشاہدات میں بھی' اگر کسی کو مکمل مشاہدہ ہو جائے تو پھر اسے انوارات بھی نظر آتے ہیں' وہ مقام بھی نظر آتا ہے' اپنا آپ بھی وہاں نظر آتا ہے مراقبات ثلاثہ ہو جائیں تو استعداد ہو جاتی ہے وہ روح اس قابل ہو جاتی ہے کہ سیر کعبہ اور فنا فی الرسول کرا دیا جائے۔ مراقبات ثلاثہ نہ ہوں تو روح میں استعداد نہیں ہوتی کہ اسے یہ منازل کرائے جائیں اس لئے ہوتا یہ ہے کہ جب مراقبات ثلاثہ کسی کو ہو جائیں اور وہ مضبوط ہو جائیں اور اس کی روح میں طاقت آ جائے تو پھر اسے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول کرا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد باقی مراقبات کرائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے یہ سمجھا کہ اچھی بات ہے اقربیت کے بعد دوائر ثلاثہ بھی کر لئے جائیں تو یہ جو راہ سلوک میں دوائر ثلاثہ ہیں' جتنی طاقت روح اخذ کرتی ہے' قوت پرواز اخذ کرتی ہے یہ مظہر ہے محبت الہیہ کا یُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ محبت رب کریم کی طرف سے ہے۔ انسان جو محبت کرتا ہے وہ اس کا جواب ہوتا ہے یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو

وہ جواب میں آپ سے محبت ہی کرے گا۔ تو انسانی استعداد علمی یا عقلی یا شعوری یا روحانی یا فکری جو ہے اس ساری سے اللہ کی ذات ماوری ہے تو محبت کیسے کرے گا۔ اس محبت کا سلیقہ ہی یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کسی کو پسند کرتے ہیں تو اس سے محبت کرتے ہیں اور جب اللہ محبت کرتا ہے تو بندہ پھر محبت کے جواب میں محبت کرتا ہے۔ سمجھ پھر بھی نہیں پاتا' اس کی ذات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن چونکہ محبت الہیہ کے انوارات آ رہے ہوتے ہیں تو اس کا دل ان انوارات کا جو جواب دیتا ہے وہ اللہ سے محبت ہوتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) تو دوائر ثلاثہ میں جو تجلیات اور انوارات ہوتے ہیں وہ اسی محبت الہیہ کے ہوتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اصل روح کے جو پر نکلتے ہیں جس طرح کسی پرندے کے اڑنے پھرنے کے لئے بچپن کے بعد پر مکمل ہوتے ہیں پھر وہ اڑتا پھرتا ہے تو وہ یہ دوائر ثلاثہ ہیں۔ پھر آگے روح جتنی بھی بلندیوں پر چلی جائے تو اس کی قوت پرواز کی اساس یہی ہوتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تلقین فرمایا کرتے تھے کہ پوری توجہ سے اور بہت محنت سے ان پر پوری قوت لایا کرو اور پوری محنت کیا کرو۔ اب اگر کسی صاحب مجاز کو یہ خیال گزرا کہ اس نے سمجھا کہ شاید دوائر ثلاثہ کرانے سے اس کی قوت پرواز بہتر ہو جائے گی' بہتر طور پر مراقبات کرا سکے گا تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں جو اس نے پہلے کرا دیئے یا بعد میں کرا دیئے۔

فرمایا :- طریقہ یہ ہے کہ مراقبات ثلاثہ ہو جائیں تو استعداد ہو جاتی ہے روح میں فنا فی الرسول کی اور سیر کعبہ کی۔ یہ جو مراقبہ احدیت ہوتا ہے اس سے پہلے رابطہ کرایا جاتا ہے۔ جب آپ ذکر ختم کر کے قلب پر متوجہ ہو کر بیٹھتے ہیں تو قلب سے جو انوارات اٹھ کر عرش عظیم تک جاتے ہیں یہ رابطہ بنتا ہے' ایک راستہ بنتا ہے' ایک تعلق' ایک لنک اسٹیبلش (Link Establish) ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ کریم مشاہدہ کی طاقت دیں تو سفید روشن رنگ کے انوارات قلب

سے اٹھتے ہیں اور عرش عظیم تک جاتے ہیں' ایک لائن بنتی چلی جاتی ہے اور جب یہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ روح اس پر سفر کر سکے تب توجہ دینے سے روح احدیت پر پہنچتی ہے۔

فرمایا :- اللہ کریم جب کسی سے راضی ہوتے ہیں تو مراقبات کے لئے کوئی مدتیں' کوئی عمریں نہیں چاہئیں۔ وہ ایک آن میں سارے منازل قرب کسی کو عطا کر دے تو کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ترقی درجات یا منازل از قسم ثمرات ہیں' یہ پھل ہے اور پھل کسی بھی چیز کا وہی ہوتا ہے۔ ہم جو عمل کرتے ہیں' جو کسب کرتے ہیں اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ولایت کی ضرورت ہے لیکن کسب کا تعلق ولایت سے منسلک رہنے میں ہے۔ ترقی درجات ثمرات ہیں۔ ہو سکتا ہے ایک آدمی ایک سال محنت کرتا رہے اس کو وہ درجہ نصیب نہ ہو جو دوسرا آدمی ایک سجدے میں پالے' یہ عطا اس کی ہے۔

فرمایا :- اور پوری طرح متوجہ ہو کر لطائف کیا کریں' پوری طرح متوجہ ہو کر مراقبات کیا کریں۔ ایک بات اور میں ضرور عرض کر دوں کہ بعض لوگوں کو میں توجہ دے دیتا ہوں' بعض لوگوں کو کچھ صاحب مجاز توجہ دے دیتے ہیں' مقامات کرا دیتے ہیں جس سے یہ ہوتا ہے کہ ان کی روح اس مقام پر پرواز کر سکتی ہے یا اس مراقبہ کو وہ ایک دفعہ سیکھ لیتی ہے' کر سکتی ہے لیکن حاوی نہیں ہوتی' اس پر عبور نہیں ہوتا' خود کو سمجھ نہیں آتی۔ اب وہ پوچھتے پھرتے ہیں بھئی تم چیک کر دو میرا مراقبہ صحیح ہے یا صحیح نہیں ہے۔ اس پر اتنی محنت کرو کہ خود تمہیں محسوس ہونے لگے کہ اب یہ مراقبہ مجھے ہو گیا ہے۔ چیک کرنے والے کے کہنے سے نہیں ہو گا یا پوچھنے سے نہیں ہو گا کہ جناب فنا بقا میں کیا سوچنا ہے' کیا محسوس کرنا ہے۔ جس کو محسوس ہوتا ہے تو پوچھنا نہیں پڑتا کہ کیا محسوس کرنا چاہئے۔ بندہ بتاتا ہے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں۔ جسے سردی لگتی ہے وہ یہ نہیں کہتا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے سردی لگ رہی ہے' جسے گرمی محسوس ہوتی ہے اسے یہ سوچنا نہیں پڑتا کہ میں سوچوں کہ گرمی لگ رہی ہے۔ گرمی جب لگتی

ہے تو منہ سے نکلوا دیتی ہے کہ گرمی لگ رہی ہے۔ اس طرح یہ ضروری نہیں کہ اسے مراقبہ ہی نہیں ہوا توجہ دی اس میں استعداد ہو گئی یا ایک آدھ بار اگر اس نے کرا بھی دیا تو اب اسے چاہیے کہ اس پہ اتنی محنت کرے کہ پھر اسے کسی دوسرے سے پوچھنا نہ پڑے۔ اتنا وقت لگائے اس پہ کہ خود اسے محسوس کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

عورتوں کے مراقبات

فرمایا :- صاحب مجاز حضرات کو جب فنا فی الرسول سے آگے کسی کو مراقبات کرانے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ خاص اس کام کے لئے ہوتی ہے۔ ہاں جن صاحب مجاز حضرات کو پیر بننے کا شوق ہو تو یہ اور بات ہے۔ ایک تو یہ نوٹ فرما لیں خواتین میں بھی سالک المجذوبی انہیں عورتوں کا معتبر ہے جنہیں یہاں کرایا گیا ہے یا جن کو آگے کسی کو کرانے کی اجازت دی گئی ہے کہ انہیں آپ کروا دیجئے۔ اور دوسری بات عورتیں ذکر کروا سکتی ہیں طریقہ ذکر بتا سکتی ہیں پاس بیٹھ کر ذکر کروا سکتی ہیں لیکن عورت کے توجہ دینے سے نہ کچھ ہوتا ہے نہ اسے توجہ دینے کی استعداد رب العالمین نے دی ہے۔

مراقبات میں تصور

فرمایا :- ایک بات یہ یاد رکھئے کہ ہمارے سلسلہ میں تصور کا کوئی شعبہ ہی نہیں کہ یہ سوچو۔ وہ سوچو نہیں جو محسوس ہو ا اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ نہیں ہوتا تو اللہ اللہ کرتے رہو جب محسوس ہونے لگ جائے گا پتہ چل جائے گا۔ یہ سوچ کر بیٹھنا کہ یہ ہو رہا ہے اس کا سلوک و تصوف کے ساتھ کیا تعلق۔ یہ ٹیلی پیتھی ہو سکتی ہے یا یوگا کا شعبہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ یہ ہو رہا ہے۔ اس پر اس کی دماغی قوتیں مجتمع ہو جاتی ہیں اور اس طرح کی کوئی شکل متشکل کر دیتی ہیں اس کے سامنے جو ساری ذہنی کدوکاوش ہوتی ہے ہم تو یہ

کہتے ہیں کہ ساری سوچ کو اس بات پر لگا دو کہ اللہ ھو چل رہا ہے میرے سانس
میں' اللہ اللہ خیر سلا' کوئی دم خالی نہیں جا رہا' کوئی لمحہ خالی نہیں جا رہا' سوچ کو
مصروف اس لئے رکھا جاتا ہے کہ اور کچھ سوچنا نہ پڑے اور جب اللہ جل شانہ
کی طرف سے قلب منور ہوتا ہے' ذاکر ہوتا ہے تو وہ محسوس ہونے لگتا ہے۔
اگر مشاہدہ نہ ہو تو عملی زندگی میں وہ احساس دلانے لگتا ہے کہ جو برائیاں پہلے
آدمی عام زندگی میں کرتا تھا ان کی تلخی و کڑواہٹ بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تو
یہ اصل چیز ہے یعنی عملی زندگی کا سنورنا' باقی رہے مشاہدات وہ چونکہ ذکر الٰہی کا
خاصہ ہیں جب آدمی مسلسل ذکر کرتا رہتا ہے تو دل صاف ہوتا ہے تو اسے
نصیب ہو جاتے ہیں۔ وہ اگر نصیب نہ ہوں تو جو محسوس ہو اسے تو محسوس کرنا
پڑتا ہے اگر محسوس نہ ہو تو ہمارے ہاں یہ سوچنے کی کوئی بات نہیں۔

ظاہری بیعت ایک مبارک سنت

ظاہری بیعت ایک مسنون عمل ہے۔ اس کی ایک اپنی برکت ہے لیکن
اگر بیعت ظاہری نہ بھی کی جائے تو بھی ساری تربیت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بیعت کا
جو مفہوم ہے وہ نسبت قلبی یا رشتہ دلی یا تعلق' یہ ظاہری بیعت تو نبی کریم ﷺ
کی سنت ہے' بہت مبارک ہے اور اس کا ایک اپنا اثر ہے کہ انسان کو ذہنی طور
پر ایک طرح کی زنجیر پہنا دیتی ہے۔ ایک عام آدمی جسے کوئی شعور نہیں وہ ظاہری
بیعت کرے تو وہ اپنے اندر سے اپنے آپ کو متعلقین میں شمار کرنے لگ جاتا
ہے' یہ کیفیت اس پہ آ جاتی ہے اس کا ایک نتیجہ ہے' لیکن اس کے بغیر اپنے
آپ کو متوسلین اور متعلقین میں شمار کرنے کے لئے بہت گہرے شعور کی
ضرورت ہے جو ہر آدمی کے پاس نہیں ہوتا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما دی
لیکن اگر استعداد ہو تو شیخ توجہ دے اور تعلق ہو تو اس کے بغیر بھی سارا کام
ہوتا رہتا ہے۔

کثرت مراقبہ توجہ کی یکسوئی کا ضامن

فرمایا :- تو جہاں تک تعلق ہے کہ توجہ کی یکسوئی کم ہوتی ہے تو اس کو کیسے دور کیا جائے۔ اس کا سب سے اچھا علاج کثرت مراقبہ ہے۔ ذکر کے بعد طویل مراقبہ کیا جائے۔ اگر آپ کے مراقبات ثلاثہ ہیں تو اقربیت پر دھیان کر کے سو جائیں۔ اگر صرف لطائف یا رابطہ ہی ہے تو قلب پر توجہ کر کے سو جائیں ہر طرف سے انقطاع کر کے کچھ لمحے فرصت مل گئی ہے تو بیٹھ کر مراقبہ کر لیں۔ زیادہ سے زیادہ مراقبہ کرنا دل میں قوت پیدا کرتا چلا جاتا ہے تو وہ رسائی پر تگڑا ہو جاتا ہے۔

مراقبات کرتے وقت سوچ

فرمایا :- مراقبات کرتے وقت کچھ نہ سوچا جائے۔ سوچنے کی بات ہی نہیں۔ میرے بھائی بات یہ ہے کہ مراقبات کرتے وقت آپ جب کوشش کرتے ہیں کہ اللہ ھو کر رہا ہوں تو باقی باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوری توجہ اللہ ھو پر ہی رہے۔ جب مراقبہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے رابطہ ہوتا ہے۔ قلب سے انوارات اٹھ کر عرش تک جا رہے ہوتے ہیں تو توجہ اس طرف رہے۔ اگر مراقبات نصیب ہوں' احدیت' معیت تو جس مراقبے کا کہا جائے پوری توجہ اس پر رہے۔ مراقبے کی تسبیحات روح پڑھتی رہے زبان سے اگر دھرائی جائیں تو بلند آواز میں نہیں دہرانا چاہئے ورنہ خلل (Disturbance) ہوتی ہے۔ تو دل میں زبان سے بھی دہرائیں تو اسے سپورٹ مل جاتی ہے ورنہ مراقبات کی تسبیحات روح پڑھتی ہے۔

ارتکاز توجہ یا خیالات کی یکسوئی کے مراقبات و مشاہدات پر اثرات

فرمایا :- میرے بھائی یہ جو پانچ حواس خمسہ ہیں۔ چھونے کی' چکھنے کی'

سونگھنے کی، دیکھنے کی، سننے کی صلاحیت اس طرح سوچنے کی بھی ایک صلاحیت ہے اور یہ ساری صلاحیتیں جو کچھ محسوس کرتی ہیں اس کا اثر براہ راست دل پر مرتب ہوتا ہے۔ آنکھ اگر کوئی خوبصورت چیز یا اچھا پھول یا تصویر یا اچھے گھر کو دیکھتی ہے تو اس سے بھی دل خوش ہوتا ہے کوئی بُرا دیکھتی ہے تو اس سے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ کان اچھی بُری آواز سنتا ہے اس کا اثر دل پر ہوتا ہے۔ زبان سے اچھے بُرے الفاظ نکلیں تو دل پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی طرح دماغ کی سوچیں بھی دل کو متاثر کرتی ہیں۔ یہ جو ذکر کے وقت کہا جاتا ہے کہ آنکھ بھی بند ہو اور سوچ بھی اس پر مرتکز کر دی جائے کہ اللہ ھو ھو رہا ہے یا اس کے ساتھ تھوڑی سی جسم کو حرکت بھی دینا شروع کر دیں تو یہ سارے وہ حیلے حوالے ہیں کہ خارجی اثرات دل پر کم سے کم مرتب ہوں اور ذکر قلب کرے گا۔ جب خارجی اثرات اس پر آئیں گے اور اس طرف متوجہ ہو گا تو اس طرف سے اس کا رابطہ کم ہو جائے گا۔ اس طرف متوجہ ہو گا تو اس طرف سے کٹ جائے گا۔ جب ذکر میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے تو سمجھ نہیں آتی کتنی دیر لگ گئی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس طرف جب متوجہ ہوتا ہے تو ادھر سے بے خبر ہو جاتا ہے اور جب اُدھر کی خبر اسے پہنچنے لگتی ہے تو پھر اِدھر اس کی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں جو توجہ یا یکسوئی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ دل کے جو حواس ہیں ان کی نگرانی کی جائے۔ دل پر جو ان کی مداخلت کی وجہ سے اثرات آتے ہیں وہ نہیں آنے چاہئیں۔ ہمارا اصل معاملہ دل کے ساتھ ہے لیکن اگر اس میں توجہ و یکسوئی نہ آئے دماغ کچھ اور سوچنا شروع کر دے یا آپ آنکھ کھول کر کسی اور کو دیکھنا شروع کر دیں۔ کان سے کوئی گانا سننا شروع کر دیں تو یہ دل کی حالت میں خلل ڈالتا ہے دل ہمارا وہ اخذ نہیں کرتا۔ ہمیں توجہ کی یکسوئی کی صرف اتنی ضرورت ہوتی ہے کہ ہمارے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائے۔

استغراق کا مفہوم

فرمایا:- استغراق ایک کیفیت ہوتی ہے جو پہلے تو باقاعدہ کرائی جاتی تھی

اور کبھی ازخود بھی لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے چھوڑ دی تھیں اور کانٹ چھانٹ کر کے ان کی اصلاح کر دی تھی۔ اس لئے کہ بہت سے مراقبات جو صوفی کرتے ہیں اور ایسے لوگ جو معاشرے سے ہٹ کر رات دن صرف اللہ اللہ ہی کرنے والے ہوتے ہیں ان کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ اور جب اس چیز کو عام کیا جائے اور معاشرہ کے ہر فرد کو سکھایا جائے تو پھر بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہر آدمی کے لئے مفید نہیں ہوتیں۔ ان میں سے ایک استغراق بھی ہے۔ استغراق ایک کیفیت ہوتی ہے کہ آدمی کی ہوش تو سلامت رہتی ہے لیکن بظاہر وہ بے ہوش نظر آتا ہے۔ جتنی زیادہ استغراق ہو گی اس قدر اس کے روح کا رابطہ مقامات کے ساتھ یا مراقبات کے ساتھ ہو گا بظاہر آدمی کا وجود بے حس ہو جاتا ہے۔ لیکن آوازیں سنتا ہے' احساس ہوتا ہے' ظاہری چیزوں کا بھی اور دنیا کی نسبت اس طرف توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ باضابطہ کرایا جاتا تھا۔ درختوں سے' پتھروں سے کلام کرنے کا ایک طریقہ تھا اس طرح کی بہت سی باتیں تھیں جن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرمائی۔ اب چونکہ کرایا نہیں جاتا تو میرے خیال میں اس کی ضرورت ہی نہیں۔ جب ہم کراتے ہی نہیں' ہوتا ہی نہیں کسی کو' تو اس پر بحث کرنے کا کیا فائدہ۔

جنگ احد میں استغراقی کیفیت

فرمایا:- تمہیں غم دیکھنا پڑا۔ اصلی غرض تربیت تھی تاکہ کامل فنا حاصل ہو جائے اور کسی بھی کام کے ہو جانے پر تمہاری قلبی کیفیت میں فرق نہ آئے یعنی جو واقعہ بھی سامنے آئے تم اس کے پیچھے اس ذات کو دیکھ سکو جو افعال کی خالق ہے اور تمہارے اعمال سے بہت باخبر۔ اس لئے تو اس واقعہ کے بعد تم پر اونگھ سی نازل کر دی جس نے مخلصین کو ڈھانپ لیا اس سے مراد ایک استغراقی کیفیت ہے جو نزول تجلیات پر پیش آتی ہے اور صوفی پر جب بھی انوارات کی کثرت ہو تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بیدار بھی ہوتا ہے اور بے حس بھی ہو جاتا

ہے۔

محبت شیخ اور مقامات

فرمایا :- مقامات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے شیخ کے ساتھ رہتے ہوئے شیخ کی قوت پر روح کہیں پہنچ جائے۔ ایک ہوتا ہے کہ روح کی اپنی ذات کا خاصہ بن جائے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ روح کی اپنی ذات میں استعداد پیدا ہو کہ وہ اس چیز کو جذب کر کے اپنا خاصہ بنا لے۔ اس کے لئے یہاں جتنا وقت آپ گزارتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ذکر پہ لگنا چاہیئے۔

خلوص نیت اور مقامات

فرمایا :- اللہ جل شانہ کی عطا کسی کے مشورے کی محتاج نہیں ہے اور کسی وقت کی پابند نہیں ہے۔ بہت آگے نکل جانے والے لوگ بعض لغزشوں کی وجہ سے بہت نیچے گر جاتے ہیں۔ بہت نیچے بیٹھے ہوئے لوگ بعض اوقات ایک نگاہ میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اس راستے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ زندگی بھر شیخ کو تلاش کرتے رہے اور شیخ کی تلاش میں دنیا سے گزر گئے۔ مقامات کا حاصل کرنا تو دوسری بات ہے کوئی بتانے والا نہ مل سکا لیکن ان کی طلب ایسی صادق تھی کہ وفات کے سالوں بعد اور بعض اوقات صدیوں بعد کوئی ہستی ان کے مزار سے گزری کہ جس کے طفیل انہیں برزخ میں بھی منازل بالا بلکہ عالم امر تک مقامات نصیب ہوئے۔

علیین، سجین اور بیت المعمور

فرمایا :- علیین و سجین دو ایسے مقام ہیں جہاں دنیا سے جانے کے بعد اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ارواح کا ٹھکانہ ہے۔ علیین ان ارواح کا ٹھکانہ ہے جو ایماندار ہیں، جو نجات یافتہ ہیں، جو اللہ کے مقرب ہیں تو درجہ بدرجہ

علییں میں بھی اسی طرح درجے ہیں علماء تفسیر کے نزدیک سطح زمین سے بالا علیین شروع ہو جاتا ہے ساتویں آسمان تک اور سطح زمین سے نیچے زمین کی ساتویں تہہ تک سجین چلا جاتا ہے۔

فرمایا :- بیت المعمور بیت اللہ شریف کے اوپر ساتویں آسمان پر اسی طرح بیت اللہ ہے جسے بیت المعمور کہا گیا ہے بیت اللہ شریف وہ نقطہ ہے جس سے ساری زمین پھیلائی گئی اور یہ مرکز ہے روحانی اعتبار سے بھی اور مادی اعتبار سے بھی کرہ ارض کا۔ پہلے آسمان کے اندر ایک کعبہ جسے بیت العزا کہتے ہیں جس کا طواف فرشتے کرتے ہیں اسی کی عین سیدھ میں ساتویں آسمان پر ایک کعبہ ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جسے عالم عمل یا عالم دنیا کے لئے سیکرٹریٹ کی حیثیت حاصل ہے جس طرح کسی بھی ملک کا' کسی بھی حکومت کا سیکرٹریٹ ہوتا ہے ہمارا اسلام آباد سیکرٹریٹ پورے ملک کو کنٹرول کرتا ہے اسی طرح احکام الٰہی کا سدرۃ المنتہیٰ سیکریٹریٹ ہے مختلف شعبوں کے ملائکہ کا جن کے پاس احکام پہنچتے ہیں اور وہ جن جن فرشتوں کی ذمہ داری ہے انہیں آگے پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تک فرشتوں کی رسائی ہے اس سے آگے فرشتوں کی رسائی نہیں۔

فرمایا :- جہاں نویں عرش کی انتہا ہوتی ہے اس سے آگے جو کچھ ہے اسے لامکان کہتے ہیں یا عالم حیرت کہتے ہیں اس لئے کہ اس سے اوپر مخلوق کی رسائی نہیں ہے۔ اس کے بارے میں مخلوق کے پاس سوائے حیرت کے کچھ نہیں ہے۔ کسی مقام کا نام نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی مقام کی کوئی تعین نہیں کی جا سکتی اس لئے اسے لامکان یا عالم حیرت کہہ دیا جاتا ہے۔

مراقبہ کے عملی زندگی پر اثرات

فرمایا :- ہر مراقبہ اپنے اندر ایک جذب رکھتا ہے اور عالم بالا کی طرف اٹھنے والا ہر قدم عملی زندگی میں نیکی کے قریب تر کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ کبھی ممکن

ہی نہیں ہے کہ ایک شخص کے منازل بالا ہوں اور عملی زندگی میں وہ شخص کسی سے پیچھے رہ جائے۔ کم از کم ہر ایک شخص کے لئے یہ امتحان موجود ہے۔ ہر آدمی اپنی حیثیت کو اس طرح جانچ سکتا ہے کہ عملاً" میں کس حد تک نیکی کی طرف بڑھ سکا ہوں۔ اسی حد تک شاید میرے مراقبات بھی ہوں یا اگر ہیں تو ان میں قوت کتنی ہے۔

فرمایا :- اہل اللہ کے حالات اگر سنیں تو متقدمین میں ایسے لوگ ملتے ہیں بحیثیت مراقبات یا مقامات کے جن کے منازل بظاہر بہت کم نظر آتے ہیں لیکن وہ اتنے قوی ہیں' اتنے روشن ہیں' اتنے مضبوط ہیں کہ فنا بقا پہ بیٹھا ہوا شخص یوں نظر آتا ہے جیسے افق پہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اور ایک شخص جسے فنا بقا تک رسائی حاصل ہو گئی اس نے ایک دنیا کی حالت بدل دی۔ لاکھوں لوگ اس کے دامن سے وابستہ ہو کر اصلاح پا گئے۔ اور اگر کوئی شخص اس سے آگے منازل کا بھی مدعی ہو اور اس کی اپنی بھی اصلاح نہ ہو سکے تو پھر کیا مقامات ہیں اس کے پاس' صاحب مقام کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے والوں کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔

برزخ میں راسخ اور غیر راسخ مقامات

فرمایا :- مقام تو غیر راسخ اور راسخ کوئی نہیں ہوتے اور ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جو بندہ بھی طالب علم ہوتا ہے پہلی دفعہ ایک پیراگراف اسے سبق دیا جاتا ہے اسے کسی لفظ کا معنی آتا ہے کسی کا نہیں آتا' کسی لفظ کا تلفظ صحیح ہوتا ہے' کسی کا صحیح نہیں ہوتا۔ پھر وہی اس کا عالم بن جاتا ہے اور دوسروں کو پڑھا رہا ہوتا ہے۔ جہاں تک برزخ کا تعلق ہے تو قلب جب ذاکر ہو جائے تو یہ ٹکسال ہے برزخ کی اور ذکر الٰہی برزخ کا سکہ ہے۔ ہر ملک کا ایک رائج الوقت سکہ ہوتا ہے اور برزخ کا سکہ ذکر الٰہی ہے دنیا میں بھی اعمال میں خلوص پیدا کرتا ہے اسی لئے جتنا بھی نصیب ہو ضائع نہیں ہوتا۔ کسی کی محنت' کسی کے عمل' کسی نیکی کو

ضائع نہیں فرماتا اور اللہ کا نام سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت ہے۔

مقصد مشاہدہ

فرمایا :- اب نیند میں روح کہاں نہیں جاتی۔ اس کی وضاحت نہ قرآن نے فرمائی' نہ نبی کریم ﷺ نے فرمائی اور نہ اس جستجو میں پڑنے کا کوئی فائدہ ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی لاحاصل کام کا حکم نہیں دیا گیا اور اگر مشاہدہ کسی کو نصیب ہے تو وہ احکام الٰہی کی مزید تشریح اور تفصیل کو پانے کا سبب ہے۔ اس کا حاصل یہ نہیں کہ ہم عجائبات دیکھتے پھریں بلکہ مشاہدہ کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جو چیزیں لوگوں کو بہت سی کتابوں اور بہت سا مطالعہ کرنے کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آئیں مشاہدہ میں تھوڑے وقت میں بہت سی باتیں آدمی کی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ جیسے آپ ایک آدمی کو ایک انجن کے بارے میں پانچ سال پڑھاتے رہیں اور ایک دن جا کر اسے سارا انجن اوپر نیچے سے دکھا دیں تو وہ پانچ سال کے مطالعہ سے ایک دن کا مشاہدہ زیادہ علم دے دے گا۔ اس مشین کا' اس کی ہیئت کا' اس کی کارکردگی کا۔ تو اگر مشاہدہ نصیب ہو جائے تو حصول علم کے لئے بہت بڑا ذریعہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کو نصیب ہوا۔ ان کو رب کریم نے قوت مشاہدہ دے دی اور علوم ان کے لئے سہل کر دیئے۔ تو مشاہدہ باتباع نبی ﷺ اگر کسی کو نصیب ہو جائے تو کسی کی چوری ہو گئی اسے تلاش کیا جائے' کسی کا بچہ گم ہو گیا دیکھا جائے وہ کہاں گیا' کسی کی بیماری کیا ہے' اس کا علاج کیا ہے۔ مشاہدہ ان کاموں کے لئے نہیں ہے۔ اگر ان کاموں پر بندہ اسے آزمانا چاہے تو وہ واپس لے لیا جاتا ہے جیسے آپ کسی کو اسلحہ دیں اور وہ بندوق سے مکھیاں مارنے لگے تو پھر آپ کب تک اسے اسلحہ دیئے رکھیں گے بلکہ اپنا' اسلحہ واپس لے لیں گے کہ یہ مکھیاں مارنے کے لئے نہیں ہے۔ تو مشاہدات اللہ کا احسان ہے اور مشاہدہ اللہ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ سب کو نصیب کرے اور

اس کا مصرف یہ ہے کہ اس سے احکام الٰہی کو سمجھنے کی توفیق ملے۔

حصول مشاہدہ

فرمایا :- مشاہدہ سب کو نہیں ہوتا اور میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ مشاہدہ کی طلب میں لوگوں نے بندوں کو تنہائی میں رکھا اور غذا بھی کم اور سونے کا وقت بھی نہ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیاوی امور سے کٹ گئے۔ مشاہدہ تو ہو گیا لیکن ان کی عملی زندگی ختم ہو گئی۔ معاشرہ میں جو وہ حصہ لیتے تھے ختم ہو گیا۔ جب عملی زندگی ختم ہوتی ہے تو مشاہدہ تو ہو جاتا ہے' ترقی درجات ختم ہو جاتی ہے یا آگے ترقی نہیں ہوتی چونکہ اس کا انحصار عملی زندگی پر ہے۔ اور آخرت کا معیار تو ترقی درجات کے اعتبار سے ہو گا' مشاہدے کے حساب سے تو نہیں ہو گا۔ مشاہدہ تو جب موت آتی ہے کافر کو بھی ہو جاتا ہے۔ مشاہدہ ایک ہو جانے والا کام ہے دراصل بات یہ ہے کہ جب مشاہدہ ہو گا تو نظر کیا آئے گا اس کے پاس کیا ہو گا۔ اس لئے ہمارے ہاں ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ہر بندے کو مشاہدہ ہو بلکہ مشاہدہ ہو جائے اللہ کا احسان ہے نہ بھی ہو تو وہ کیف اور اس حال کی ضرورت ہے جو اس کے پاس ہونا چاہئے۔

مشاہدات برزخ

فرمایا :- جبکہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے' ہاں موت حالات کو بدل دے گی۔ برزخ میں مکلف بالذات روح ہو گی اور بدن اس کا تابع' وہاں حصول علم بذریعہ روح ہو گا۔ تو روح اس کیفیت کو بھی جان سکے گی کہ میری پوشیدہ نسبت جسے اخفیٰ کا نام دیا ہے' اللہ سے کس درجہ میں ہے۔ پس اگر کسی کو برزخ میں کسی سے کلام کرنے کی قوت نصیب ہو اور اللہ کریم یہ دولت دیں تو اہل برزخ اپنی آئندہ حالت کے بارے میں یہ ضرور اور حتمی طور پر بتا سکتے ہیں کہ بھی انہیں نجات نصیب ہو گی یا نہیں۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جو عذاب الٰہی

میں مبتلا ہوئے۔ تو یہ بات وہ اسی نسبت کو جان کر بتا سکتے ہیں اگرچہ نسبت اس درجہ کی نہ تھی کہ نجات کا سبب بنتی مگر خلود فی النار سے مانع ضرور ہوئی۔ اسی طرح صاحب نجات احباب بھی اپنے درجہ سے واقف ہونے کے ساتھ اپنی اس کیفیت یا نسبت سے بھی آگاہی رکھتے ہیں بلکہ اپنے سے بڑھ جانے والوں کو دیکھ کر رشک بھی کرتے ہیں۔

مشاہدات کا بند ہونا

فرمایا: شاید آپ نے مشاہدات کی تیزی کی شکایت کی ہو گی اور اگر کچھ نظر نہیں آتا تو بہت اچھی بات ہے۔ دیکھ کر کرنا بھی کیا ہے۔ پہلے پہلے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے تو آپ کو تیز مشاہدات ملے آپ نے دیکھ لیا تو اب بغیر دیکھے اللہ اللہ کرتے رہو غرض تو قرب الٰہی کی ہے۔ مشاہدات کوئی مقصودی چیز تو ہیں نہیں اور صوفیوں کے نزدیک مشاہدات کھلونے ہیں جن سے سلوک و طریقت کے بچوں کو بہلایا جاتا ہے کہ انہیں کچھ نظر آتا رہے اور یہ اللہ کا ذکر چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ مقصد تو یاد الٰہی اور اس کے نتیجے میں اللہ سے قلبی تعلق اور عملی زندگی میں اطاعت الٰہی کو لانا ہے مشاہدات ہوں یا نہ ہوں۔

کشف کا مقصد

فرمایا:- ذکر سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ کشف ہو بلکہ مقصود وہ کیفیت ہے جو گناہ سے بچائے اور نیکی کا ایک جذبہ دل میں مضبوط کرتی چلی جائے۔ تو شیخ کا یہ بتا دینا کہ تمہارے مراقبات فلاں جگہ تک ہیں اس بات کی دلیل ہے۔ کشف میں آدمی کو غلطی لگ سکتی ہے لیکن شیخ کے بتانے میں غلطی کا امکان اس کے اپنے مشاہدے سے کم ہوتا ہے۔ دراصل یہ کشف ہوتا ہی دین کی تفہیم کے لئے اور اس پہچان کے لئے ہے کہ گناہ کرنے سے کیا نقصان ہوا وہ کیفیات محسوس ہو جائیں۔ نیکی کرنے سے کیا لطف آتا ہے وہ ایک شعور' ایک ادراک' ایک

احساس پیدا ہو جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو آدمی نرے وعدوں پر رہتا ہے۔ کبھی ان کو ماننے کو جی کرتا ہے کبھی نہیں کرتا۔ آدمی گومگو کی کیفیت میں رہتا ہے تو اس گومگو سے مشاہدہ آدمی کو آگے لے جاتا ہے۔

کشف و مشاہدہ کی تمنا

فرمایا :- یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ کشف کوئی شے نہیں' اس کے لئے محنت کی ضرورت نہیں' یہ بھی نادانی ہے اگر صاف کہا جائے بغیر لگی لپٹی کے تو یہ جہالت کی دلیل ہے کیونکہ مشاہدے کی تمنا اولوالعزم رسولوں نے بھی کی ہے۔ ہر شخص کو مشاہدے کی ضرورت ہے۔ جنہیں قوت مشاہدہ نصیب ہو جاتی ہے ان کا تیقن بہت پختہ ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی نادانی کی وجہ سے کہیں اس میں پھنس نہ جائے۔ مشاہدے کے لئے ہر غیر نبی کے لئے یہ شرط ہوتی ہے کہ اس کا کشف و مشاہدہ نبی کے کشف و مشاہدے سے ٹکرا نہ جائے۔ اگر ٹکرائے گا تو حق وہ ہو گا جو نبی نے دیکھا اور غیر نبی نے جو سمجھا وہ غلط ہو گا۔ اسے اس کو چھوڑنا چاہئے۔ تو یہ اصل مصرف ہے اس استعداد کا اور اس قوت کا اور یاد رہے کہ کشف و مشاہدہ جتنی بڑی نعمت ہے اور اس کی جتنی طلب کی جائے درست ہے لیکن یہ طلب اتنی نہ بڑھ جائے کہ کشف ہو گا تو اللہ کے دروازے پر سجدے کروں گا اگر نہیں ہو گا تو پھر مجھ سے یہ ذکر اذکار نہیں ہوتے۔ اس درجے پر اگر کسی کی تمنا پہنچ گئی تو یہ خود شرک بن جائے گا۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اگر نصیب ہو جائے لیکن اگر نصیب نہ بھی ہو تو اللہ کا دروازہ کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا کہ میرا اصلی مقصد قرب الٰہی ہے۔ یعنی مشاہدہ نصیب ہو جائے تو اس راستے کی لالٹین ہے' ٹارچ ہے' روشنی ہے جس سے آسانی سے دوسرے کی نسبت آپ راستے کے نشیب و فراز دیکھ سکتے ہیں یہ ایک مزید نعمت ہے جو آپ کو مل گئی لیکن اصل مقصود اور مطلوب رضائے باری اور قرب الٰہی ہے۔

کشف و مشاہدہ کی ضرورت

فرمایا :- انبیاء علیہم السلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ ان کے قلوب تخلیقی طور پر جمال باری اور کمالات باری کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور انہیں وہ قوت مشاہدہ حاصل ہوتی ہے جو صرف اور صرف دل کے اوصاف میں سے ہے۔

فرمایا :- چونکہ دل کی نگاہ جب کھلتی ہے تو اس کے لئے ماضی' حال' مستقبل کوئی معنی نہیں رکھتا اور جس طرح اسے اشارہ کر دیا جائے کہ اللہ کریم اسے قوت دے تو پھر واقعات کو ان کی اصلی حالت میں دیکھتی ہے۔

فرمایا :- دل کی روشنی کے لئے محنت کرنا اور اللہ کی طرف سے مکاشفات و مشاہدات کا عطا ہونا ایمان کو کروڑوں درجے مضبوط کر دیتا ہے۔ جب مکاشفات کی ضرورت انبیاءؑ رسل کو ہے تو غیر نبی یا عام آدمی جو سن کر جانتا ہے ان دونوں کے یقین میں کروڑوں میلوں کا فاصلہ ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ محنت جو صوفیاء نے اختیار کی ہے یہ فضول نہیں ہے اور یہ بڑے قیمتی لوگ تھے اور ان کی عمریں ان کے اوقات بڑے قیمتی تھے۔ یہ بڑے اولولعزم' بڑے پر ہمت' بڑے جفاکش اور بڑے پرعزم لوگ تھے جنہوں نے اس وادی میں قدم رکھا۔ یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی اور اسے ایک جملہ میں اڑا دینا اور یہ کہہ دینا جی ان کی کیا ضرورت ہے اتنی محنت کرنے کا فائدہ یہ بہت بڑی نادانی کی بات ہے' ناسمجھی کی بات ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بہت بڑی زیادتی ہے ناسمجھی انبیاءؑ و رسل میں جو طبعاً" اور تخلیقاً" معصوم ہوتے ہیں جن سے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایمانیات اور یقینیات کے بارے میں اللہ کریم نے ان کے فواد یعنی دل کی گہرائی کو مطمئن فرمایا ہے۔

فرمایا :- اسی طرح دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ایک ہلکا سا اثر ضرور رہ جاتا ہے اور دل کی یہ خصوصیت ہے کہ جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کر لیتا جتنی بھی مضبوط روایت اس کے پاس ہو' اس پر عمل بھی کر گزرتا ہے' اس کو

مانتا بھی ہے پھر کسی لمحہ ایک سایہ سا دل پر گزر جاتا ہے کہ یار کر تو سب کچھ لیا ہے شاید اس میں خطرے کی کوئی بات ہو۔

فرمایا :- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو' حضرت عزیر علیہ السلام کو حالات دکھلائے گئے جیسے آقائے نامدار ﷺ کو ارشاد ہوا کہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ہم نے آپ کے سامنے اس لئے رکھ دیئے لِيُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کہ آپ کے دل کی اتھاہ گہرائی میں ایمان جم جائے۔ کسی لمحہ تھوڑا سا شائبہ بھی نہ گذرے اس بات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ غیر نبی کو اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ جب انبیاء' اولولعزم رسل اور امام الانبیاء ﷺ کو اس کی ضرورت ہے تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔ ہم تو اتنے نالائق ہیں کہ ہمیں قلب کی روشنی عطا فرما دیتے ہیں دل کی آنکھیں عطا فرما دیتے ہیں' مشاہدات ہو جاتے ہیں اس کے بعد بھی ایسے بدنصیب اور بدبخت لوگ ہیں جو اپنے مشاہدات پر شک کر کے پھر تباہی میں جا گرتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو خود دیکھ پاتے ہیں۔ دیکھنے کے بعد اس پر پھر قائم نہیں رہتے اور پھر تباہ ہو جاتے ہیں۔

فرمایا :- تو جنہیں ساری زندگی صرف سننا نصیب ہوا' مشاہدہ نصیب نہ ہوا' ان سے آپ یہی امید رکھتے ہیں کہ وہ نماز کے وقت نماز پڑھ لیں گے اور مسجد سے نکلیں گے تو گناہ کر لیں گے۔ کیونکہ انہوں نے نماز کی عظمت کو بچشم خود نہیں دیکھا اور اس دیکھنے کے لئے تو دل کی آنکھ چاہیئے تھی۔ اور نہ انہوں نے گناہ پر جو غضب وارد ہوتا ہے' اس سے جو کیفیت' انسانی اعمال میں ہوتی ہے یا گناہ کرنے والوں پر جو بیت رہی ہے اس نے وہ دیکھا نہ یہ دیکھا' وہ بھی سنا ہی سنا یہ بھی سنا ہی سنا۔ اور دنیوی لذات کو دیکھ رہا ہے' محسوس کر رہا ہے تو یہ کتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا اس کے عمل کرنے کے لئے کہ وہ سنی ہوئی بات پر جم جائے یا اس کی جو اپنی آنکھ دیکھ رہی ہے اس کو حاصل کرے۔

فرمایا :- ایک آدمی ایک بات کو سن کر چلا جاتا ہے اور کسی حد تک اس پر

اعتماد کرتا ہے۔ ایک آدمی اسی بات کو بار بار دہراتا رہے تو اگر اسے اس کے ساتھ مشاہدہ نہ ہو تو اکثر شک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ایک قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا تو آپ اندازہ فرمائیں کہ مشاہدہ نہ ہونے کا کتنا بڑا نقصان ہوا۔ اگر یہ شخص صرف اس بات پر نہ بیٹھا رہتا کہ میں نے الفاظ یاد کر لئے ہیں' کیفیات کو تلاش کرتا' کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا جو اسے دل کی روشنی عطا کرتا اور اس کے پاس مشاہدات بھی ہوتے' دل کی روشنی ہوتی اور جو دوسروں کو بتاتا کم از کم اسے اس کا مشاہدہ بھی ہوتا تو کتنی عظیم بات تھی۔

تزکیہ اور گناہ کا باہمی تعلق

فرمایا :- تو جب گناہ سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا تو اس کا بہترین امتحان یہ ہے کہ پھر وہ گناہ کرتے ہوئے کانپ اٹھتا ہے اور اس کا ہاتھ دلیری سے گناہ کی طرف نہیں جاتا کیونکہ اس کی عادت اس کے دل سے مٹ چکی ہوتی ہے۔ اس کی لوح قلب بالکل صاف ہو چکی ہوتی ہے تو پھر گناہ کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور اگر بحیثیت انسان غلطی سرزد ہو جائے تو وہ روتا ہے' چیختا ہے' چلاتا ہے' اسے دکھ ہوتا ہے وہ گناہ کو برداشت نہیں کر سکتا۔

کشف و کمالات ذکر

فرمایا :- آپ صرف ایک بات کو ہی دیکھیں کہ ایک عام مسلمان پیچھے دیکھتا ہے تو عالم ارواح تک خبر ہے۔ سامنے دیکھتا ہے تو موت' مابعد الموت' برزخ' حشر نشر' جنت دوزخ اور ابدالاباد تک دیکھتا چلا جاتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے کم از کم علمی استعداد جو اس میں پیدا ہوئی وہ عالم ارواح سے لے کر ابدالاباد تک کی حیات انسانی پر محیط ہے اگر آج کا کلمہ گو یہ کچھ پا سکتا ہے تو جو چشم رسالت کے روبرو تھے انہوں نے کیا کچھ نہ پایا ہو گا۔

مشاہدۂ ملائکہ و ارواح

فرمایا :- ذکر الٰہی کا مقصد فرشتوں سے ملاقات یا روحوں کے حالات جاننا نہیں بلکہ محض صفائی قلب حاصل کرنا اور خلوص اور خشوع و خضوع کا پانا ہے۔ مگر جب دل روشن ہوتا ہے اور اس کی آنکھ کھلتی ہے اسے فرشتوں کا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے یا ارواح کے حالات کا علم بھی ممکن ہے۔ اسی کو کشف کہتے ہیں اور یہ یاد رہے کہ کشف ثمرات میں سے ہے یعنی ایک قسم کا اجر ہے اور ثمرات ہمیشہ وہبی ہوتے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ ان پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے الہام یا القاء نصیب ہونا یا کشف کے ذریعے کسی بات کا علم ہونا یہ اللہ کا انعام ہے۔ ذکر کا وہ مقصد ہرگز نہیں۔ مقصد حاصل تقویٰ ہے یعنی عملی زندگی میں اطاعت نصیب ہو اور اعمال میں خلوص بھی نصیب ہو۔ ہاں جب دل روشن ہوتا ہے اور اسے نگاہ ملتی ہے تو اس کا رابطہ عالم بالا سے ہوتا ہے' ایک خاص مقام تک پہنچنے والے میں یہ قوت آ جاتی ہے کہ شیخ اسے بارگاہ نبوی کی زیارت سے مستفید کرے۔

فرمایا :- حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ایک دفعہ اللہ کو پکارے تو اس کی ایک پکار بھی ضائع نہیں جاتی۔ شرط یہ ہے کہ اس کے پکارنے میں بنیادی طور پر وہ خلوص وہ عقیدہ یا وہ درد موجود ہو جو اللہ کو پکارنے کے لئے چاہیے۔ اور ثواب سے وہی اجر مراد ہے جو ہماری اس دنیوی زندگی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس پر دو اجر مرتب ہوتے ہیں ایک فوری اور ایک آخرت میں مرتب ہو گا۔ اسے دنیا میں دنیوی منافع بھی ہوتا ہے' دنیا کی مصیبتیں بھی ٹلتی ہیں' عزت و آبرو بھی نصیب ہوتی ہے' قلبی سکون بھی نصیب ہوتا ہے اور اخروی مصائب بھی ٹلتے ہیں' درجات کی بلندی اور آخرت کی سربلندی بھی نصیب ہوتی ہے۔

مشاہدات

فرمایا :- میں نے دس برس مشاہدات کو روکے رکھا۔ انشاء اللہ آج

چھوڑ رہا ہوں۔ جنہیں گمراہ ہی ہونا ہے ان کو تو میں بچا نہیں سکتا۔ جنہیں استقامت نصیب ہونی ہے اسے روک کر کیوں رکھوں۔ مشاہدات ہو جائیں جنہیں ہونا ہیں۔میرا خیال تھا کہ شاید میں اچھا کر رہا ہوں لیکن جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اس کے باوجود بھی ہو رہے ہیں۔

فرمایا:۔ یاد رکھو مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں ان سے یقیناً کوئی ایسی بدعہدی اللہ سے ہوتی ہے کہ یہ حیات کا نسخہ ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے گمراہ ہوتے دیکھے اپنے ساتھی اپنے سے پہلے' اپنے سے بعد آنے والے' اپنے سے پہلے جو صاحب کشف لوگ تھے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا۔ ہمارے ساتھ تھے انہیں مشاہدات ہوئے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا۔ لیکن دس سال بعد مجھے سمجھ آئی کہ اس میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں' کشف کی وجہ سے نہیں۔ تو پھر کشف کو لوگوں سے کیوں روکیں۔ ٹھیک ہے جسے اللہ دیتا ہے اسے لینے دیں۔

فرمایا:۔ میرے بھائی! اللہ مجھے معاف کرے میں نے روکے رکھا' میں نے چھوڑ دیا ہے موج کرو اور انشاء اللہ العزیز اس طرح ساتھیوں کو مشاہدات ہوں گے کہ تاریخ میں ریکارڈ رہے گا۔ لیکن یاد رکھو یہ مشاہدہ اللہ کی عظمت سمجھنے کے لئے ہے تمہیں غوث بنانے کے لئے نہیں ہے۔ جب کشف ہوتا ہے تو شیطان کی بات سننا اور شیطان جو تصویریں پرنٹ کرتا ہے وہ دیکھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو صرف کعبہ ہی نہیں نظر آتا گرد وارہ بھی نظر آتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حق بات اپنانے کا احساس ہوتا ہے اور اللہ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور شیطان کی طرف سے جو وسوسہ آتا ہے اس میں اپنی بڑائی ہوتی ہے تو غوث بن گیا' تو قطب بن گیا' تو فلاں بن گیا تو فلاں بن گیا وغیرہ ان پر یقین کا احساس تباہی ہے۔

ایک صاحب کو تنبیہ

فرمایا:۔ تمہارے لئے بزرگ تو ہم کافی ہیں' ہم سے رہنمائی لو اور جو بات

سمجھ نہ آئے پوچھ لو اور اتباع شریعت تمہارا کام ہے اور عظمت اللہ کے لئے ہے' اللہ کے رسول ﷺ کے لئے ہے۔ تمہارے لئے غلامی ہی سب سے بڑی عظمت ہے۔ مت سمجھو زندگی بھر کہ میں کچھ بن گیا ہوں۔ تو کچھ نہیں بن سکتا۔ تیرے ایک ایک ذرے میں ظلمت ہے اصلی اور حقیقی ظلمت' اسے منور کرنا انوارات نبوی ﷺ کا کام ہے۔ جب بھی انوارات جائیں گے تیری ظلمت باقی رہ جائے گی۔ تیرے پاس کچھ بھی نہیں' نہ تو غوث بنے گا نہ قطب' تو کچھ بھی نہیں بنے گا۔

فرمایا :- تو مشاہدات کا حاصل یہ نہیں کہ تو غوث ہو گیا۔ تو قطب بن گیا۔ مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ تجھے گناہ کا احساس ہونے کا شعور ہو' اللہ کا خوف ہو اور غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے۔ کفر کے لئے تو تیغ برہنہ بن جائے' احقاق حق کے لئے شمع صداقت بن جائے' دنیا میں تجھ سے نور' روشنی اور حق غالب آئے' کفر کے اندھیرے سمٹنا شروع ہو جائیں' بُرائی مٹنا شروع ہو جائے' بُرائی سمٹنا شروع ہو جائے یہ تیرے مشاہدات کی دلیل ہے۔

فرمایا :- اِنشاء اللہ مشاہدات ساتھیوں کو بہت زیادہ ہوں گے' فرشتوں سے باتیں ہوں گی' بیت اللہ شریف نظر آئے گا' بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری ہو گی' اندھوں کی آنکھیں کھل جائیں گی لیکن سنبھل کر رہنا۔ تمہاری اپنی ذمہ داری ہے اور میں میدان حشر میں بھی یہی کہوں گا جو آج کہہ رہا ہوں کہ بارالہا میں نے دس سال روکے رکھا تو بھی جنہیں گمراہ ہونا تھا وہ ہوتے ہی رہے۔ میں نے عام کر دیا کہ جنہوں نے ہدایت پانی ہے وہ تو پائیں۔ اب تک ساتھیوں کو نازل ہوتے تھے' مشاہدات نہیں ہوتے تھے۔ اکثر کو اس لئے روکے ہوئے تھا یں سمجھتا تھا کہ اس سے گمراہ ہوں گے لیکن جنہیں ہونا ہے وہ پھر ہو رہے ہیں۔

فرمایا :- سب کو کشف نہیں ہوتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف ہونا چاہیئے۔ کشف یا مشاہدہ کا ہونا یہ الگ ایک بات ہے اور عموماً" مشاہدے اور کشف کے لئے توجہ' یکسوئی اور اپنے ذہن کو اردگرد کی بہت سی آنکھوں سے

بچانا ضروری ہوتا ہے۔ جتنے لوگوں کو مشاہدات و مکاشفات ہوئے ہیں ان لوگوں کی زندگیوں کو آپ دیکھیں تو انہوں نے پوری دنیاوی ضروریات' دنیاوی نظام سے کٹ کر' لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر' کاروبار حیات چھوڑ کر' دوستی دشمنی سے الگ ہو کر' ایک گوشہ نشینی کی سی حالت اختیار کر لی تو جب ذہن مختلف طرف سے تقسیم ہونے سے بچ گیا اور سارے کا سارا ایک طرف متوجہ ہو گیا اور اسے مشاہدات ہونے لگے۔

فرمایا :- ہم کوشش یہ کرتے ہیں کہ ہر آنے والے کو وہ کیفیات نصیب ہوں اس کے لطائف روشن ہوں۔ اسے احدیت' معیت' اقربیت تک رسائی نصیب ہو۔ اسے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول نصیب ہو' اس کی روح بارگاہ اقدس میں حاضر ہو۔ اسے نبی کریم ﷺ کے دست اقدس پر بوسہ دینے کی سعادت نصیب ہو اور اس کا رشتہ اپنے نبیؐ کے ساتھ اتنا مضبوط ہو کہ اس پر وہ جان بھی دے سکے۔ اب اس میں ہم یہ لحاظ نہیں کرتے کہ اسے کشف ہوا ہے یا نہیں۔ ہم اپنی ذمہ داری پہ رہتے ہیں کہ اس کی روح میں وہ استعداد آئی یا نہیں۔ بعض دوستوں پر اللہ کا احسان ہے انہیں دنیاوی کاروبار کرنے کے باوجود بھی کشف ہوتا ہے اور ایسے بھی بہت ہیں' ہزاروں ہیں' جنہیں کشف و مشاہدہ نہیں ہوتا لیکن اللہ ان کی ارواح میں قوت دے دے اور انہیں فنا فی الرسول تک جانے کی سعادت نصیب ہو جائے تو ہم کشف کی پروا نہیں کرتے اپنی ذمہ داری پر بیعت کرا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بیعت ہو جانے سے جو قوت' عمل میں' یا ایثار میں' یا قربانی کے جذبے میں آتی ہے وہ تو آ جاتی ہے یا اس کی زندگی کا وہ اصلاحی پہلو کہ عملی زندگی میں اس کی اصلاح ہو جائے وہ تو ہو جاتا ہے اسے نظر آئے یا نہ آئے۔ وہ مقصد ہے نظر آنا مقصد نہیں۔ اب اس سوال کا جواب تو ہو گیا جو اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں کی آپ نے بیعت کرائی اسے نظر آیا یا نہ آیا بھئی بیعت کرنے والا جانے اور بیعت کرانے والا جانے تیسرے بندے کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے۔

کمزور عمل اور روحانی بیعت

فرمایا :- دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ فلاں کو آپ نے بیعت کروایا لیکن اس کا عمل بہتر نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فتویٰ دینے والے حضرات کو اسباب کا پتہ نہیں ہوتا ظاہری حالت دیکھ کر فتویٰ دیتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ایک بیمار کو آپ ایک بہت طاقتور انجکشن دیتے ہیں تو اس سے بھی اس کی ایک چوتھائی حصہ بیماری چلی جاتی ہے ساری نہیں جاتی۔ تو اندازہ کریں کہ اگر وہ انجکشن بھی اسے نہ ملتا تو مرچکا ہوتا۔ یہاں بھی یہ حال ہے کہ کسی کو مراقبات بھی کرا دیئے جاتے ہیں تو اس کی سو فیصد اصلاح نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مرض اتنا شدید تھا کہ اگر اسے یہ ذکر نصیب نہ ہوتا تو اب تک ایمان سے بھی خارج ہو چکا ہوتا۔ معترض یہ کیوں نہیں سوچتا کہ جس میں اتنے مراقبات یا اتنی محنت کے باوجود کمزوریاں باقی ہیں تو اگر اسے ذکر ہی نصیب نہ ہوتا تو یہ اب تک ملنگ بن چکا ہوتا۔

باب پنجم

فنافی الرسول ﷺ اور فیض نبوت

فرمایا :- فنا فی الرسول ﷺ اولین و آخرین منزل ہے۔ سلوک شروع ہی یہیں سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا بھی یہی ہے۔ فنا کی صورتیں بدلتی چلی جاتی ہیں' مدارج بدلتے چلے جاتے ہیں۔ جوں جوں انسان منازل بالا میں قدم جماتا ہے توں توں فنا فی الرسول مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اس شخص کی ذات اپنی نہیں رہتی بلکہ انہیں توجہات کی تقسیم کا ذریعہ بن جاتا ہے جو برکات حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے کائنات میں بٹتی ہیں۔ وہ جو کسی نے کہا تھا۔

ان کی ڈیوڑھی عطا ہو مجھے یا الٰہی یہ میری دعا ہے
کوئی پوچھے تو میں کہہ سکوں باب جبرئیل میرا پتہ ہے

فنا فی الرسول کا حق یہ ہے کہ یہ انسان کا مکمل پتہ بن جائے حتی کہ ملک الموت بھی آئے تو صوفی کی روح بارگاہ نبوی ہی میں پائے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ مقام راسخ ہو جائے اور کامل ہو جائے۔ تو بالکل ایسے ہوتا ہے کہ ملک الموت ایسے شخص کی روح کو پکڑ کر نہیں لے جاتا بلکہ اس کا تعلق جو دنیاوی معاملات کے ساتھ' بدن کے ساتھ' دینوی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے صرف اس کو منقطع کر دیتا ہے ورنہ وہ روح تو بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوتی ہے اور فنا فی الرسول کا حق بھی یہی ہے۔

حقوق بارگاہ نبوی ﷺ

فرمایا :- وہاں بڑے بڑے عشاق کا مجمع ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے قربانیوں کی حد کر دی۔ اتنے عظیم انسانوں میں سے جو شخص پہلے ہی خود کو چھوٹا تصور کر رہا ہو اور اس پر مزید وہاں صرف اگر کسی کی طرف حیرت

ہی سے دیکھا جائے کہ تم نے کیا کر دیا تو اس کی تباہی کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں یقیناً جب تک اللہ کریم چاہیں گے کبھی ہاتھ نہیں کھینچوں گا جسمیں جتنی بھی استعداد ہو گی اسے کچھ زیادہ ہی ملے گا کم نہیں ملے گا انشاء اللہ العزیز' لیکن اس امید کے ساتھ کہ آپ بھی مجھے شرمندہ نہیں کریں گے۔

ضرب نبوی ﷺ کے لئے شرائط

فرمایا :- قربت نصیب ہوتی ہے تو منازل خود بلند ہو جاتے ہیں۔ اب کوئی کہے کہ کشتی کرنے کے لئے صحت ضروری ہے کشتی وہی کرے گا جس کی صحت ہو گی بیمار کیا کرے گا اور جسے بارگاہ نبوی ﷺ کا بہت زیادہ قرب نصیب ہو گا اس کی منازل بلند نہیں ہوں گے تو کس کے ہوں گے۔ یہ قرب نبوی ﷺ کا یا بارگاہ نبوی ﷺ کا قرب یہ منازل کی بلندی کا سبب تو بنتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ضروری ہے کہ کسی کو مراقبات کرانا ہوں تو وہ معروف طریقے سے ہی ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں استعداد زیادہ پیدا ہو جاتی ہے کہ دوسرے کسی کو اگر سال بھر توجہ دی جائے کہ ان منازل تک پہنچے تو ایسے آدمی کو اگر ایک توجہ دی جائے تو ان منازل تک چلا جاتا ہے یہ فرق پڑتا ہے۔ لیکن راستہ معروف طریقے سے ہی طے ہو گا الا ماشاء اللہ۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں' خال خال صدیوں میں کوئی ایک آدھ بلکہ میرا خیال ہے شاید ہزار صدی بعد کوئی ایک آدھ آدمی ایسا ہو جس کی تربیت ہی دربار نبوی ﷺ سے کی جائے اور ایسا بندہ آنے والے انقلاب کی فاؤنڈیشن اور بنیادی پتھر ہوا کرتا ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ میرے آپ کے سمجھنے سمجھانے کی نہیں۔ یہ وہی جانیں جنہیں نصیب ہوتا ہے۔ وہ رشتہ جتنا ستھرا' جتنا کھرا نصیب ہو اور یوں اطاعت' ادب اور عقیدت یہ تین دھارے مل کر مومن کے ایمان کو سیراب کرتے ہیں' ترقی درجات کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ کریم سب کو نصیب فرمائے۔

فنافی الرسول کا ایک مشاہدہ

فرمایا :- میں حرم بیت اللہ شریف میں حاضر تھا۔ ہم طواف کے بعد سعی کر رہے تھے۔ کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے دعا کی جاتی ہے جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا ایک نور کی تجلی بیت اللہ سے اٹھی ایک شعلہ لپکا' باب الفتح کے اوپر جا کر وہ تجلی وہ شعلہ جو چھوٹا سا لپکا تھا ایسے پھیلتا گیا کہ پورا گلوب بن گیا۔ روئے زمین کا پورا نقشہ بن گیا۔ اس پر کسی پرنور ہاتھ نے سبز جھنڈا لے کر گاڑھ دیا جس کے اوپر مہر نبوت تھی۔ جھنڈے کے درمیان میں مہر تھی جس پر لکھا تھا محمد رسول اللہ میں نے اس سے یہ اخذ کیا کہ یہ ہرا جھنڈا اور اس میں مہر نبوت اس جھنڈے کو اٹھا کر روئے زمین پر اسلام کی عظمت منوانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ میری سمجھ تھی' اس کا شعور رب کریم نے مجھے دیا اور میں نے سمجھا۔ چونکہ مشاہدہ ذاتی تھا اور صاحب کشف اپنے کشف کے ماننے کا مکلف ہوتا ہے جب کہ وہ حدود شرعیہ کے اندر ہو۔ یہ زمانے کی ضرورت کے بھی مطابق تھا کہ اس عہد میں ایسے لوگ جنہیں براہ راست کوئی حکم دینا محمد رسول اللہ ﷺ پسند فرمالیں وہ تاریخ ساز لوگ ہوتے ہیں۔ یہ ایسے افراد ہوں گے جنہیں دیکھنے کے لئے آنے والوں کی آنکھیں بھی ترسا کریں گے کہ کاش ہم نے اس بندے سے ملاقات کی ہوتی' یہ زمانہ ہم نے دیکھا ہوتا' یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اس دور کے کسی بندے' کسی فرد کو محمد رسول اللہ ﷺ اتنا شرف بخشیں کہ انقلاب زمانہ پر اس سے بات کرنا پسند فرمائی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں اس شخص کو' وہ کیا سمجھتا ہے اس زمانے کے سلاطین کو' امراء کو' حکومتوں کو' نظاموں کو؟ اس کے لئے کیا ہے سپر پاور کون امریکہ ہے؟ اور کون رشیا اور کون کوئی دوسرا ہے۔ کوئی کافر طاقت' دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت اس کے قدموں کی دھول کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی اور نہ ایسا شخص کسی کو پرکاہ حیثیت دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ آپ روئے زمین کی سلطنت ایسے شخص کے قدموں میں ڈھیر کر دیں اسے وہ خاک عزیز ہوتی ہے جو

محمد رسول اللہ ﷺ کے جوتوں کے تلووں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسے دنیا کی سلطنت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میرا ایمان ہے کہ یہ مہر نبوت والا سبز جھنڈا انشاء اللہ اس ملک پر' اس سے باہر عالم اسلام اور عالم اسلام سے ہوتا ہوا اپنے زمانے کی پوری دنیا پہ پوری شان و شوکت سے لہرائے گا۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ کسی فرد کی حکومت کے لئے نہیں ہے' یہ اللہ کی عظمت کے لئے ہے' یہ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے ضابطہ حیات کے لئے ہے اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ' بڑے صاحب قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ یہ ان کی سعادت ہے۔ آپ سے میری گذارش ہے کہ اپنے اپنے نمبر بارگاہ نبوی ﷺ میں بناؤ کہ تم نے کتنے لوگوں کو اس راستے پر آمادہ سفر کیا ہے' کس حد تک عمل سے ساتھ دیا ہے اللہ تمہارا گواہ ہے اور تمہاری وفاؤں پر مجھے کوئی شبہ نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہاری وفائیں اپنے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مثالی ہیں۔ بتقاضائے بشریت جو ہم سے قصور ہو جاتے ہیں اللہ کریم درگزر فرمائے اور دنیا و آخرت کی رسوائی اور محرومی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

فنا فی الرسول ﷺ

فرمایا : اب اپنے معاشرہ کی طرف آئیں جب ہم کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو ہم نے تمام قدریں ترک کر دیں کہ کچھ بھی نہیں ہے اقتدار اعلیٰ الہ العالمین کے پاس ہے اور ہمارے پاس ایک ذریعہ' ایک واسطہ ہے کہ ہم اللہ سے بات کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ خدائی خدا کی ہے' کائنات اس کی ہے ہمارے پاس اس کے ساتھ بات کرنے کا ذریعہ موجود ہے۔ چنانچہ ہم خدائی میں ایسے رہیں گے جیسے اس کا بنانے والا ہمیں حکم دے گا۔ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کا ماحاصل۔

لیکن جب ہم میدان عمل میں آتے ہیں تو ہماری شکل ہندوؤں کی طرح

ہے' لباس نصاریٰ کی طرح' لین دین یہود کی طرح' کھانا پینا مشرکین کی طرح' رسوم مشرکانہ یعنی ہم اپنے آپ کو پورے غیر اسلامی معاشرہ میں ڈھال لیتے ہیں ہمارا یہ ڈھلنا ہی کلمے کی تردید کے لئے کافی ہے۔

فرمایا:- جس طرح علم ظاہر کے لئے مختلف طریقے اپنائے گئے' مختلف علوم ایجاد ہوئے مگر یہ سب ذرائع اور وسائل ہیں جو اللہ کی کتاب سمجھنے کے لئے' حدیث پاک سمجھنے کے لئے ہیں۔ تصوف میں جسے فنا فی الرسول کا نام دیا گیا ہمارے سلسلہ میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ طالب کو اس مقام تک ضرور لے جایا جائے مگر نصیب تو اللہ کی عطا سے ہی ہوتا ہے۔ اگر ہو جائے تو بحمداللہ بارگاہ نبوت سے دلی تعلق نصیب ہو جاتا ہے۔ جو حاصلِ حیات ہے اور یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت روئے زمین پر ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو سلسلہ عالیہ کی نسبت سے اس مقام عالی سے مشرف ہیں۔

فرمایا: فنا فی الرسول کو حاصل کرنے کی استعداد پیدائشی اور تخلیقی طور پر انسان میں ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہوتی ہے کہ ہر آدمی کی استعداد الگ ہوتی ہے مگر ہوتی ضرور ہے حتیٰ کہ کافر جب تک زندہ رہے اس میں موجود رہتی ہے' اگر ایمان لائے تو حاصل کر سکتا ہے ہاں کفر پر موت اس سے محروم کر دیتی ہے۔

فنا فی الرسول صدائے عام

فرمایا:- آیئے ہم اتنا تو کریں اور میں یہ آپ کو بتا دوں کہ مجھ میں کوئی پیری' بزرگی' کوئی کرامت نہیں ہے کہ میرے سبب آپ کو دولت مل جائے گی۔ میں خود مقروض رہتا ہوں اور میں اب بھی مقروض ہوں ساری تجارت اور کاروبار کرنے کے باوجود میں اب بھی مقروض ہوں۔ مجھے لوگوں کے پیسے دینے ہیں میں آپ کو کہاں سے لا دوں۔ میں خود مریض ہوں۔ آپ کی بیماریوں کا مداوا کیا کروں میں تو پیٹ بھر کر دو وقت کی روٹی نہیں کھا سکتا۔ آپ کے کس کام آؤں گا۔ ہاں میں آپ کو حضور ﷺ کی برکات دے سکتا ہوں' کیفیات دے

سکتا ہوں' وہ انوارات دے سکتا ہوں جو شاید بہت کم لوگوں کو نصیب ہوں۔ دنیا میں آج بھی جسے فنا فی الرسول کا شوق ہے وہ اپنی اصلاح کرے۔ اپنا محاسبہ کرے۔ لیکن یہ انہی کو نصیب ہوں گے جن کی ایذا سے اللہ کے بندے محفوظ ہو جائیں گے۔ ایک طرف کوئی اللہ کی مخلوق کے لئے باعث ایذا بن رہا ہے اور دوسری طرف وہ سمجھے کہ مجھے ادھر سے ولایت مل جائے گی یہ بے وقوفی ہے' جہالت ہے' نادانی ہے۔

فرمایا :- یوں تو ہر شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ دلیل اس دعویٰ پر کہ میرے پاس آئیں میں آپ کو بھی اس بارگاہ میں لے چلتا ہوں یہ آسان نہیں ہے۔ یہ دعویٰ آسان ہے کہ مجھے بھی یہ کمال حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ یہ دلیل پیش کرنا کہ میرے ہم راہ چلیئے آپ کو بھی وہاں تک لے چلوں گا یہ آسان نہیں ہے اور یہ نسبت عالیٰ یہ فضیلت اس سلسلہ عالیہ میں بحمد اللہ موجود ہے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ جب وہ شخص کہتا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اسے بیعت کرا دیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمہیں یہ ہو رہا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے کچھ نظر آ رہا ہے کہ میں کہاں تک پہنچتا ہوں۔ اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بایزید بسطامی تو بننے سے رہے لیکن جہاں سے چلتے ہیں وہاں سے بڑا فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ جہاں لوگ اب ہیں عقائد کے اعتبار سے' اعمال کے اعتبار سے تو ہر شخص اپنی اس حیثیت کے مطابق فاصلے کو دیکھے تو لوگ بڑا فاصلہ طے کرتے ہیں اور یہ اللہ کریم کا احسان ہے۔

ذاتی حاضری پر دربار نبویؐ کا ایک مشاہدہ

فرمایا :- احباب کے سلام عرض کئے' عالم اسلام' ملک اور قوم کے لئے دعا کی درخواست کی اور پھر غیر ارادی طور پر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے لطائف کرا دیجئے۔ حضور ﷺ نے ذاتی طور پر ہر لطیفہ پر توجہ دے کر ذکر کرایا۔ پھر

باقاعدہ مراقبات فنا بقا تک' سیر کعبہ تک' فنا فی الرسول ﷺ اور آخری منزل تک توجہ سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ آخر میں اب مجھے نبی اکرم ﷺ سے براہ راست توجہ ملتی ہے اور یہ نعمت مدتوں بعد کسی خوش نصیب کے حصے میں آتی ہے۔

فنا فی الرسول ﷺ کی ایک کیفیت

فرمایا: یہ ایک مراقبہ ہوتا ہے فنا فی الرسول ﷺ میں کہ جسم کا ہر عضو الگ الگ ہو کر ذکر کرتا ہے۔ اور بعض اوقات وہ مراقبہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ جسم ہوتا سلامت ہے لیکن اس مراقبے کے اثر سے دیکھنے والے کو الگ الگ نظر آتا ہے۔ فی الواقعہ جسم الگ نہیں ہوتا۔

درود شریف اور فنا فی الرسول ﷺ

فرمایا: کثرت سے درود شریف پڑھنے سے صرف فیض حاصل نہیں ہوتا رہے گا بلکہ دو عالم کی ساری مصیبتوں سے نجات کا سب سے آسان ذریعہ ہے۔ اگر کوئی صرف درود شریف بطور وظیفہ پڑھتا رہے اسے فنا فی الرسول ﷺ نہ بھی نصیب ہو دو عالم کی حاجات کے لئے سب سے اچھا وظیفہ یہی ہے تو اگر کسی کا اکثر وقت فنا فی الرسول ﷺ میں درود شریف پڑھتے ہوئے گزرے تو میرے خیال میں مانگنے کی نوبت نہیں آتی۔

درباری نبوی ﷺ اور داڑھی

فرمایا: حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ عام مجلس میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضور ﷺ نے منڈی ہوئی داڑھی والے کسی شخص کو ساتھ لانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بھی بالارادہ یہ نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کے بعد تو یہ حال ہوا کہ دربار نبوی ﷺ کی حاضری کے وقت خاص خیال رکھا جاتا تھا اور رکھا جاتا

ہے کہ کوئی ایسا ساتھی نہ ساتھ چلا جائے جس کی داڑھی منڈی ہوئی ہو۔

روحانی بیعت

فرمایا :- اصل بات یہ ہے کہ اس دور کے لوگوں میں استعداد نہیں ہے۔ ایک عجیب چیز' ایک خرق عادت سمجھ کر لپکتے ہیں۔ کچھ وقت محنت و مجاہدہ کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یہ نعمت نری محنت سے اگر ملتی تو شیخ کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ محنت سے صرف آدمی اپنے وجود میں ایک حد تک استعداد پیدا کرتا ہے' نعمت پھر وہاں سے مانگ کر ہی لینی پڑتی ہے۔ یہاں مجاہدہ صرف اپنے برتن کو صاف کرتا ہے۔ اس میں کیا ڈالا جائے گا وہ ڈالنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی مرضی کہ کس کو کتنا دیتا ہے لیکن دینے کا سبب ہمیشہ شیخ کی ذات ہی ہوا کرتی ہے۔

فرمایا :- یہ اللہ کی مرضی کہ اللہ جل شانہ نے اس ذمہ داری کے لئے مجھ جیسے ناکارہ انسان کو مقرر فرما دیا۔ اور یہ بات بھی بڑے غور سے سن لیں کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسا انسان دوسرا موجود نہیں ہے جو یہ نعمت تقسیم کر سکے۔ تمام سلاسل کے لوگ فرداً" فرداً" ضرور موجود ہیں لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہیں جنہیں خود بھی وہاں تک رسائی نصیب ہو۔ فنا فی الرسول کے نیچے کے مراقبات میں اکثر لوگ ہیں اور فنا فی الرسول کو تقسیم کرنا اس ہمت کا' اس مقام کا حامل شخص نہیں ملتا اور یہ بات آپ روئے زمین پر پھر کر دیکھ لیں کہیں نظر نہیں آئے گی۔ اگر کوئی دعوٰی کرتا بھی ہے تو نرا دعوٰی ہی کرتا ہے۔ کسی ایک شخص کو بھی پیش نہیں کر سکتا جو کہے واقعی مجھے خود زیارت نصیب ہوئی ہے۔

دوام حضوری کی کیفیات

فرمایا :- یہ وہی جانے جنہیں نصیب ہوتی ہیں۔ کیفیات نہ سمجھائی جا سکتی

ہیں' نہ ان کے لئے الفاظ ہوتے ہیں۔ کیفیات محسوس کی جا سکتی ہیں' لکھی پڑھی اور بیان نہیں کی جا سکتیں۔ جس کو حضور ﷺ کی حضوری حاصل رہتی ہے' بات دوسرے سے کر رہا ہے دیکھ دوسری طرف رہا ہوتا ہے' کام دوسرا کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ حال اس کا قائم رہتا ہے اور یہ کیسے نصیب ہوتی ہے یہ اللہ کی عطا سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ زبردستی نہیں ہوتی۔ ہر آدمی دعا کر سکتا ہے' ہر آدمی مجاہدہ کر سکتا ہے' ہر آدمی محنت کر سکتا ہے لیکن میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ یہ جو نعمتیں ملتی ہیں یہ ثمرات ہوتے ہیں اور ثمرات ہمیشہ اللہ عطا کرتا ہے۔

فیض نبوت

فرمایا :- انبیاء میں کمال یہ ہوتا ہے کہ جب نبی کا قرب نصیب ہوتا ہے تو علم بھی آ جاتا ہے' عمل بھی آ جاتا ہے' سوچ بھی بدل جاتی ہے' زاویہ نگاہ بھی بدل جاتا ہے اور پیامبر سے دوری انسان کو صرف اور صرف مادی مال و دولت کی طلب میں لگائے رکھتی ہے اور انسان ساری زندگی دوڑتا رہتا ہے اور کبھی پورا نہیں ہوتا۔

فرمایا :- دوام حضور مسلسل ذکر کرنے سے ہوتا ہے کسی پر اگر غلبۂ دوام حضور مسجد نبوی کا ہو جائے تو زندگی میں بھی اس کی نظروں کے سامنے ہر وقت وہ نقشہ رہتا ہے اور یاد میں بھی وہی بات اور اس کی روح بھی وہیں ڈیرہ ڈالے رکھتی ہے اور بعد از وفات بھی اس کا بیشتر وقت اسی بارگاہ میں گزرتا ہے۔ بلکہ جنہیں فنا فی الرسول ﷺ میں دوام حضور حاصل ہو جائے ان میں بعض کی موت بھی اسی طرح دیکھی گئی ہے کہ فرشتہ روح کو گرفتار کر کے نہیں لے جاتا' چونکہ روح ہوتی ہی وہاں ہے بلکہ اس کا جو تعلق بدن کے ساتھ دنیوی حیات کا ہے وہ منقطع کر دیتا ہے۔ یہ من جانب اللہ از قسم ثمرات ہے۔ مجاہدہ ہر آدمی کرتا رہتا ہے ثمرات وہی ہوتے ہیں۔ اللہ کریم کسی کو کچھ دیتا ہے' کسی کو کچھ دیتا ہے۔

بیعت کے اقسام

فرمایا :- ہمارے ہاں تو ہر وہ شخص سلسلے میں شمار ہو جاتا ہے جو ذکر سیکھتا ہے' لطائف سیکھتا ہے' اللہ اللہ کرتا ہے۔ وہ ظاہری بیعت کرتا ہے یا نہیں یہ شرط نہیں اس لئے کہ اس سلسلہ عالیہ میں ظاہری بیعت کی ہی نہیں گئی۔ متقدمین سے لے کر ہمارے زمانے تک یہ لوگ صرف ان لوگوں کو ساتھ رکھتے تھے جو فنا فی الرسول میں بیعت ہونے کا ارادہ اور عزم رکھتے اور اس کے لئے محنت کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں کو محنت کراتے رہتے اور بیعت ظاہری سلسلہ عالیہ کے مشائخ' علماء ظاہر کے لئے اور ان نیک لوگوں کے لئے جو صوفی نہ سہی لیکن لوگوں کی اصلاح کرتے تھے ان کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ بیعت کی کئی قسمیں ہیں۔ جو قسم اصلاح کے لئے ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اس آدمی سے ظاہری بیعت کر سکتے ہیں جو روزمرہ کے امور میں شرعی احکام سے واقف ہے اور آپ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اتنا جاننے والے سے بیعت اصلاح کی شرعاً" اجازت ہے اس لئے ہمارے مشائخ عظام کہتے تھے کہ جو کام ایک عام آدمی بھی کر سکتا ہے اور لوگوں کو اپنے قریب میسر آ سکتا ہے تو کیوں ہم اس بیعت میں الجھا کر انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھیں۔ صرف ان لوگوں کو لیا جائے جو فنا فی الرسول میں بیعت روحانی کے متمنی ہوں۔ یہ اور کہیں ملنا ممکن نہیں۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اب تو وہ زمانہ گزر گیا۔ اب تو بیعت ایک کاروبار بن گیا ہے اور بدکار اور پیشہ ور لوگ بیعت لیتے ہیں اور صرف عمل ہی نہیں عقائد بھی خراب کرتے ہیں۔ تو لوگوں کے لئے یہ گمراہی کا سبب بن گیا۔

پھر یہ مسئلہ مشائخ عظام کی خدمت میں پیش ہوا اور بڑھتے بڑھتے اپنی آخری منزل یعنی بارگاہ نبوت تک گیا تو اس پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ظاہری بیعت لی جائے۔ ظاہری بیعت ویسے تو سنت ہے لیکن ہمارے مشائخ نے اس لئے چھوڑ رکھی تھی کہ یہ کام اور لوگ کر سکتے ہیں تب یہ فیصلہ ہوا کہ جو آئے اس کو ذکر

بھی سکھایا جائے' اس کو لطائف بھی سکھائے جائیں اور اس سے ظاہری بیعت بھی لی جائے۔ اٹھارہ' بیس برس ذکر کرنے کے بعد غالباً" 77-1976 کے قریب میں کہیں یہ فیصلہ ہوا تو حضرتؒ سے ظاہری بیعت ہم نے بھی کی۔ اس سے پہلے ظاہری بیعت ہمارے ہاں رائج ہی نہیں تھی۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ ظاہری کہیں اور کسی نیک آدمی سے بیعت ہے اور وہ اس قابل ہے کہ رہنمائی کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ اللہ کرنا سیکھے۔ اور جو بھی سلسلے میں داخل ہوتا ہے' لطائف کرانے کی سب کو اجازت ہوتی ہے۔ دوسروں کو بتا بھی سکتا ہے کرا بھی سکتا ہے اس ضمن میں وہ ویسا ہی ہے جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

ظاہری بیعت کے لئے مجاز کی تقرری

فرمایا :- ظاہری بیعت لینے کی اجازت فی الحال تو کسی کو نہیں اس لئے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ایک مرکز پر رکھا تھا اور آپ کی زندگی میں کسی کو بیعت لینے کی اجازت نہیں تھی۔ وصال سے پہلے جو وصیت حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ اس میں بھی بیعت ظاہری کے ساتھ فنا فی الرسول کی بیعت بھی محدود کر دی تھی۔ خاص وجوہات کی بناء پر کچھ احباب کو حضرتؒ نے اجازت دی تھی وہ بھی حضرتؒ کے ایماء پر ان کے Behalf پر۔ اپنی بیعت نہیں لیتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض مجبوریوں کی بناء پر اجازت دی تھی۔ مجھے ابھی تک کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ میں ایسی ایسی جگہوں میں جاتا ہوں جہاں صاحب مجاز حضرات بھی نہیں جا سکتے اور میرے خیال میں جا سکنے کی ہمت بھی بہت کم لوگوں میں ہو گی۔ بہت مشکل جگہوں پر بھی چلا جاتا ہوں۔ اس لئے میں نے کسی کو ظاہری بیعت لینے کی اجازت نہیں دی' ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

روحانی بیعت اور اس کے شرائط

فرمایا :- ایک شخص ہمارا ہم جماعت یا ہم سے کچھ آگے تھا وہ ایک ہفتہ آ

کہ حضرت جی ﷺ کے پاس ٹھہرا تو فنا فی الرسول‘ روحانی بیعت‘ فنا بقا‘ سالک المجذوبی تک روشن و واضح مراقبات اسے ہو گئے اور وہ چلا گیا۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ دو میں سے ایک کیفیت بندے کو نصیب ہونی چاہئے یا تو اس کے مشاہدات ہوں اسے منازل نظر آتی ہوں‘ اپنی روح نظر آتی ہو یا اپنی روح اور منزل دونوں نظر آتی ہوں۔ یہ بات نہیں تو اس منزل کے انوارات تو نظر آتے ہوں۔ یہ بھی نہیں تو شاید وہ وجدان رکھتا ہو اور اس کے قلب میں یہ یقین اتنا پختہ ہو کہ دیکھنے سے زیادہ قوی ہو کہ اسے یہ منزل حاصل ہے۔ ایک دن میں بھی ہو جائے اور ساری عمر نہ ہو تو ساری عمر اس کے لئے کوشش کرتا رہے اس لئے کوئی شرط نہیں۔

فرمایا :- یہ بیعت کمیٹی وغیرہ کچھ نہیں۔ چونکہ میرے پاس زیادہ فرصت نہیں ہوتی تو کوئی ساتھی کسی بھی بڑے ساتھی کو یا خود مجھے بتا دے کہ میری یہ کیفیت ہے مجھے بیعت کرائی جائے تو مجھے کیا اعتراض ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ کچھ ساتھیوں کو وہ مراقبہ ہوتا ہے‘ ان کی روح وہاں پہنچتی ہے‘ اس کے انوارات وہاں تک پہنچتے ہیں لیکن ان کی اپنی محسوسات کمزور ہوتی ہیں تو ہم بیعت نہیں کرایا کرتے اس لئے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ پتہ نہیں کچھ ہے بھی کہ نہیں ہے۔ یہ خواہ مخواہ ہم پر ڈالنا چاہتے ہیں کہ بیعت کرا دیا۔ تو اگر اس سلسلے میں بھی خدانخواستہ ہیرا پھیری ہو گئی تو پھر حق کہاں ہو گا‘ کہاں سے ملے گا۔ یعنی اگر خلوص سلاسل تصوف سے اور اذکار الٰہی سے‘ ذکر کرنے اور کرانے والوں سے بھی اٹھ گیا تو دنیا میں کہاں ملے گا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ایسے احتمالات اور ایسے مقامات سے بچنا چاہئے جہاں تہمت لگنے کا اندیشہ ہو۔ کسی ایسے بازار سے جو بدنام ہے خواہ مخواہ نہیں گزرنا چاہئے جس سے اگلے کو یہ فکر ہو کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اگر اس طرح کا خیال شیخ کے ساتھ پیدا ہو جائے تو پھر وہ ہمیشہ کے لئے مانع فیض بن جاتا ہے۔ تو جانبین کی سلامتی اسی میں ہوتی ہے کہ کسی کو بھی کسی الجھاؤ میں نہ ڈالا جائے۔ کوشش کی جائے کہ ہر آدمی صاف

صاف بات کو سمجھ سکے۔ کمیٹی کی شرط نہیں ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ کچھ دوستوں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ ساتھیوں کی بات سن لو یا انہیں ساتھ بٹھا کر ذکر کرا لو تاکہ واقعی اندازہ ہو جائے کہ انہیں مراقبات نصیب ہوئے ہیں۔ جب ہوتے ہیں تو ہمیں بیعت کرانے میں کیا اعتراض ہے۔ جس کی بیعت ہو جاتی ہے ہم بڑی حد تک فارغ سے ہو جاتے ہیں کہ ایک تو ٹھکانے پہ لگا۔ اسے بہت بڑا سہارا مل جاتا ہے۔

حقوق العباد اور روحانی بیعت کا باہمی تعلق

فرمایا :- انسان کے ذمے دو ہی باتیں ہیں جو پوری زندگی کا حاصل ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ لیکن حقوق اللہ کی معافی بہت آسان ہے اللہ کریم بڑا کریم ہے معمولی سی بات پر بغیر کسی وجہ کے معاف کر دے۔ دوسری ذمہ داری حقوق العباد کی ہے۔ رب جلیل نے فرمایا کہ حقوق العباد وہی لوگ معاف کریں گے جن کے حقوق ہیں اس لئے حقوق العباد کو حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ رہ بھی جائیں' آدمی نہ ادا کر سکے تو مرتے دم تک خلوص کے ساتھ یہ کوشش ہو کہ میں ادا کروں گا۔ یہ صورت پھر رحمت الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس کے ذمہ حقوق العباد ہیں کیا اس کی روحانی بیعت ہو سکتی ہے یا نہیں تو بیعت روحانی یا مراقبات یہ عبادات ہی کا درجہ رکھتے ہیں' نوافل سے بہتر عبادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس کے ذمہ حقوق العباد ہوں جس طرح اس کے فرائض ادا ہو جاتے ہیں' نوافل ادا ہو جاتے ہیں' تسبیحات پڑھ سکتا ہے' تلاوت کر سکتا ہے اسی طرح یہ نعمت بھی حاصل کر سکتا ہے لیکن حقوق کا بدل نہیں بنتی۔ شاید اس سے پھر زیادہ سختی سے پوچھا جائے کہ تم بھی کھا گئے۔ اس لئے یہ منازل تو حاصل کئے جا سکتے ہیں لیکن یہ اس کا بدل نہیں ہو سکتے۔

رابطہ

فرمایا :- اصل بات یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوتا ہے انسان نہیں کر سکتا۔

انسان تو ایک پائی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ انسان تو ایک لمحہ رات کا قربان نہیں کر سکتا۔ جب انسان کے دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو پھر اللہ کریم اپنی طرف اسے وہ قوت عطا فرما دیتے ہیں۔ وہ تعلق جو اسے اللہ سے ہوتا ہے اسے اتنا عزیز ہو جاتا ہے کہ اس پر پھر ساری دنیا کو قربان کر سکتا ہے۔ اسی کو تعلق باللہ کہتے ہیں۔ اسے اصطلاح تصوف میں رابطہ کہتے ہیں اس لطائف کے بعد جو پہلا مراقبہ کیا جاتا ہے آدمی قلب پر متوجہ ہو کر بیٹھے اور یہ خیال کرے کہ قلب سے جو انوارات اٹھتے ہیں وہ عرش عظیم تک رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ مضبوط ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جب یہ مضبوط ہوتا ہے تو روح کے سفر کے لئے سیڑھی بن جاتا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں کے ساتھ ہم اپنا یہ رابطہ' اپنا یہ رشتہ' اپنی طرف سے وہبی طور پر عطا کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمرات ہمیشہ وہبی ہوتے ہیں لیکن جو محنت کرتے ہیں وہ ہمارے ذمہ ہے لیکن اس پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں' اس پر جو پھل لگتا ہے وہ عطائی ہوتی ہے' وہ وہبی ہوتا ہے' وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ جو باطنی ثمرات ہوتے ہیں ہمیشہ وہبی ہوتے ہیں پھل ہمیشہ اللہ کی طرف سے لگتا ہے محنت و مجاہدہ انسان کی طرف سے ہوتا ہے۔

فرمایا :- اصطلاح تصوف میں جو بنیادی سبق ہے رابطہ۔ وہ یہی کیفیت ہے کہ من جانب اللہ طالب کے دل پر انوارات مرتب ہو کر اس کے قلب کو تجلیات باری سے مربوط کر دیتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں مربوط قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سب کچھ قربان کر سکتا ہے لیکن اللہ کی رضا کو' اللہ کی اطاعت کو' اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو اور ہزاروں شعبدے بھی حاصل ہوں تو کیا حاصل ہوا؟

فرمایا :- حق بات بھی یہ ہے کہ تصوف انعکاسی طور پہ ہی حاصل کیا جاتا ہے اور پھر یہاں حرمین شریفین کی حضوری اپنا ایک خاص انداز رکھتی ہے۔ نہ

صرف کشفاً" بلکہ حسی طور پر انسان اندازہ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ ہر طواف دستی میں مشائخ عظام کے ساتھ ایک اژدھام ہوتا ہے جو ان برکات سے خود کو بھی مالا مال کرلیتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی موجب برکات بنتا ہے۔

فرمایا:- یہ سب رب عظیم کا احسان ہے کہ اپنے در پہ اپنی رحمت بانٹنے کی سعادت بخشی۔ دعویٰ کرنا بڑا کام نہیں ہے عملاً" آج کے دور میں کسی ایک کو بھی احدیت تک مشاہدہ کرا دینا اور وہاں تک اس کی رسائی کا ہو جانا اگر ناممکن نہیں تو نایاب ضرور ہے۔ یہ سعادت آج کے دور میں نسبت اویسیہ کو نصیب ہوئی کہ مشرق و مغرب کے لوگ ان نعمتوں کو لوٹ رہے ہیں۔ نہ صرف احدیت تک بلکہ یورپ میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو اس سلسلہ عالیہ کے طفیل بارگاہ نبوت کی حضوری سے مشرف ہوئے اور مسلمان ممالک کا تو کہنا ہی کیا۔

بنیادی منازل سلوک

فرمایا:- تصوف و سلوک نام ہے تعمیر الظاہر و الباطن کا۔ جس طرح ظاہری علوم کا حصول بغیر صحبت استاد محال ہیں۔ اسی طرح باطنی علوم بھی بغیر شیخ کے محال ہیں۔ منازل سلوک' ورا الورا کا معاملہ ہے بغیر استاد کے کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں۔ مراقبہ احدیت سے لے کر فنا فی اللہ اور بقاباللہ تک جن میں مراقبہ فنا فی الرسول ﷺ بھی ہے یہ بنیادی منازل ہیں ان پر آگے سلوک کے منازل کی سطح استوار ہوتی ہے۔

توجہ اور القائے انوارات

فرمایا:- توجہ کی ضرورت یعنی عمداً" انوارات القاء کرنے کی ضرورت نبی کریم ﷺ کو نہ تھی بلکہ جس طرح سورج کو روشنی پہنچانے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ روشنی حاصل کرنے والے کو صرف سورج کے سامنے

نے کا تکلف اور اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ سورج کو روشنی پہنچانے کے لئے متوجہ نہیں ہونا پڑتا۔ یہی حال عظمت رسالت ﷺ کا ہے کہ نور نبوت سے مستفید ہونے کے لئے طالب کو اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کے قدموں میں' آپؐ کی اتباع میں' سامنے لانا پڑتا ہے۔ حضور ﷺ کو توجہ نہیں کرنا پڑتی تھی۔ صحابہؓ میں بھی یہ قوت قائم رہی' تابعین میں بھی' تبع تابعین میں بھی۔ بعد میں یہ قوت نہ رہی تو اس کا حل مشائخ عظام کی تجویز اور آزمودہ طریقے سے یہ نکالا گیا کہ وہ شخص جسے یہ نور نصیب ہو وہ اپنے پاس طالب کو بٹھا کر اپنے قلب پر ذکر کرے' اپنے لطائف پر ذکر کرے' اپنے وجود کو ذاکر بنائے اور جو انوارات اس کے وجود پہ وارد ہوں انہیں طالب کے وجود پہ القاء کرے۔ اسے توجہ کہتے ہیں۔

ذکر کے طریقہ پر فضول اعتراضات

فرمایا:- نسبت اویسیہ میرے خیال میں براہ راست اور قریب ترین نسبت ہے نبی کریم ﷺ کی اس میں آمد کا کوئی حساب نہیں ہے۔ اس کنویں میں پیچھے سے آنے والے پانی کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ تو مشائخ عظام نے سیراب ہونے والی کھیتی کے لئے یا سیراب ہونے والے دل کے لئے یہ طریقہ تجویز فرما دیا کہ نہایت تیزی سے' نہایت قوت سے سانس لی جائے اور جتنی ہو سکے اتنی خون میں حرارت اور حدت پیدا کی جائے تاکہ ایک ہی ذکر میں' صرف ایک نہیں' سارے لطائف منور ہو جائیں۔ تو سانس اس غرض سے تیزی سے لی جاتی ہے پھر یہ وجود کی حرکت کا ایک ردم (Rhythm) بن جاتا ہے' سانس کا ایک ردم بن جاتا ہے' اس کے ساتھ عقل و شعور اور ذہن کی توجہ اس طرف ہو جاتی ہے کہ سانس میں اللہ اندر جا رہا ہے اور لفظ ھو باہر آ رہا ہے یعنی سانس میں اللہ ھو بنتی نہیں۔ سانس ہم تیزی سے بے تکلف لیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہمارا دماغ' ہماری عقل' ہمارا شعور' یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ ہر سانس میں لفظ اللہ اندر جا رہا ہے لفظ ھو باہر آ رہا ہے تو اس طرح سے وجود کی حرکت'

سانس کی آمدورفت اور انسان کی سوچ اور فکر مل کر ایک مضبوط توجہ پیدا کر دیتے ہیں۔ ذکر قلبی میں جب تک یہ تینوں ایک اندازے سے مل نہ جائیں تب تک ذکر میں لطف پیدا نہیں ہوتا۔ تو یہ بودے بودے اعتراضات جو جواب کے قابل بھی نہیں ہیں کہ آپ سانس سے ذکر کیوں کرتے ہیں اور ناک اچھی نہیں ہوتی یہ ساری فضول سی باتیں ہیں۔

خراب صحبت

فرمایا :- یہاں یہ بات کچھ سمجھ آتی ہے کہ ہر معاشرہ اپنی ایک خاص روش رکھتا ہے اور اپنے افراد پر ایک خاص رنگ چڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اگر اس کے مزاج کے خلاف کوئی فرد پایا جائے تو اس کی تین صورتیں ہیں کہ وہ اس کا رنگ قبول کرلے ورنہ قتل ہو گا اور یا اس معاشرہ کو چھوڑ دے۔ یہ حال صرف کافر اور بدکار معاشرے کا نہیں بلکہ واقعی نیک معاشرہ بھی یہی کچھ چاہتا ہے اور اس میں اس کے مزاج کے خلاف افراد کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ واقعی نیکی اپنانا اور زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں انہیں پاکیزہ ماحول بھی اپنانا ہو گا جو یقیناً بدکاروں کی محافل میں میسر نہیں آ سکتا۔ اور ان میں سے جو بُری مجلس کو برداشت کرتے یا پسند بھی کسی حد تک کرلیتے ہیں ان میں یقیناً کوئی بات ایسی ہے جو ان مجالس کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے۔

اتباع شریعت' اتباع نبوی ﷺ

فرمایا :- اور میرے بھائی امت مرحومہ میں اولوالعزم لوگوں نے' خوش بخت لوگوں نے' خوش نصیبوں نے عمریں لگا دیں۔ اہل اللہ کو تلاش کیا' برکات صحبت کے امین لوگوں کو ڈھونڈا اور ان کی مجالس میں' ان کی صحبتوں میں رہ رہ کر برکات صحبت محمد رسول اللہ ﷺ حاصل کیں۔ آپ کی اتنی سمع خراشی سے میرا مطلب یہ ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہماری ساری توجہ تعلیمات اقدس

ں طرف ہو' برکات صحبت کو ہم نے فراموش کر دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو ہمارا حال
س سپاہی کا ہے جس کے پاس رائفل تو ہو لیکن میگزین اور ایمونیشن نہ ہو۔
لیمات (نبویؐ) ہتھیار تو ہیں ان کے اندر جو شے نشانے پر بیٹھی ہے وہ ہیں
کات محمد رسول اللہ ﷺ۔

فرمایا :- ہم اور آپ نے بڑی کوشش کی ہے الفاظ تک پہنچنے کی اور الفاظ
ں جو روح ہے اس کی طرف ہماری توجہ بھی نہیں ہے۔ تو میرے بھائی ہمارے
ض کا علاج آج بھی یہ ہے کہ کسی صاحب دل کے سامنے اپنے دل کو کھول کر
ھ دیں اور اسے کہیں کہ خدا کے لئے یہ تیرے باپ کی جاگیر نہیں ہے اگر
رے دل میں برکات پیامبرہیں تو اسے میرے سینے میں بھی انڈیل دے۔

باع دین کے فوائد

فرمایا :- کہ نیکی کسی حال میں ضائع نہیں جاتی اور ایک ایک نیک آدمی
ے طفیل کئی کئی خاندانوں کو اللہ کی طرف سے تحفظ دیئے جاتے ہیں اور بچائے
تے ہیں۔ اور بظاہر جن باتوں کو ہم مشکل یا مصیبت سمجھتے ہیں اکثر اوقات یہ
تا ہے کہ ان میں بھی ہمارا بھلا ہوتا ہے اور اللہ ہماری بہتری کے لئے وہ کام کر
ہے ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں! ہر جگہ عزت و آبرو۔ آرام و سکون نیکی سے ملتا ہے۔ انسان
اصلاح کر لے تو فرشتے اور خضر جیسے ولی بھی اس کی حفاظت و چوکیداری
تے ہیں' اللہ کی طرف سے کرتے ہیں۔

ن نبوت

فرمایا :- اللہ جل شانہ کی تمام تر تخلیقات میں انسان کو ایک خاص شرف
ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اس کے حقیقی شرف کا باعث ہی نبوت ہے جو
ی تخلیق میں صرف انسانوں کو عطا فرمائی ہے۔ نبوت صرف پیغام رسانی نہیں

ہے جیسا کہ مجموعی طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ سے بات کرنے کے لئے' کلام باری کو سننے کے لئے' کلام باری کو سمجھنے کے لئے ایک خاص قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر انسان میں نہیں ہو سکتی اور کسی حیلے' کسی طریقے' کسی علم' کسی مجاہدے سے حاصل نہیں کی جا سکتی وہ قوت محض عطائے الٰہی ہوتی ہے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو وہبی طور پر ایسی عظمت عطا ہوتی ہے جو غیر نبی کسی طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔

فرمایا :- جب نبی اپنا پیغام دنیا میں پہنچاتا ہے اس کے ساتھ ایک حال ہوتا ہے اور نبی کی بات قبول کرنے والے شخص پر وہ حال وارد ہو جاتا ہے' ایک کیفیت وارد ہوتی ہے جو اس کے باطن کو' اس کی ضمیر کو' اس کی سوچ کو' تبدیل کر دیتی ہے اور ایک خاص استعداد کار انسان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ استعداد جو اخذ فیوض و برکات کے لئے دی گئی تھی۔ اس کا غلط استعمال اسے شیطنیت کی طرف اور سفلی علوم کی طرف لے جاتا ہے۔

فرمایا :- معلومات اور علم میں ایک خاص فرق ہوتا ہے۔ معلومات انسان کا حال نہیں بنتیں علم انسان کا حال بن جاتا ہے اور جو علم حال بنتا ہے وہ صرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے طفیل اور ان کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح عالم آب و گل میں سورج ہے اسی طرح عالم روحانیت میں یا روحوں کی دنیا میں نبوت سورج کی مانند ہے جس کے طفیل اس سارے عالم کی آب و تاب اور زندگی اور حرارت قائم ہے۔ اور جیسے ہی کوئی شخص ایمان لاتا ہے اس کے قلب کا تعلق اس نور نبوت کے ساتھ جڑ جاتا ہے اسی لئے ایمان لانے کے لئے یقین قلبی شرط ہے۔ یہ تصدیق قلبی قلب کا تعلق نور نبوت سے قائم کر دیتی ہے اور اگر اللہ کریم مشاہدہ عطا فرما دیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ہر کلمہ گو کے دل کے ساتھ ایک نورانی تار جڑی ہوئی ہوتی ہے۔

فرمایا :- نبوت بنی آدم کی ضرورت ہے اور ابن آدم' دامن نبوت سے عقیدۃ" بھی اور عملاً" بھی وابستہ ہو کر ہی انسان بن سکتا ہے ورنہ اوصاف انسانی

سے محروم رہتا ہے۔ دوسرے ہم اس بات کے بھی مکلف ہیں کہ اس نعمت کو عام کریں' لوگوں کو قبول کرنے پر آمادہ کریں' ان پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں کہ جو قبول نہ کرے اللہ کریم خود اس کا محاسبہ فرمائیں گے۔ ہمیں لٹھ چلانے کی ضرورت نہیں اور تیسرے یہ کہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے مگر آدمی کو اس قابل ضرور ہونا چاہئے کہ کوئی آسانی سے اس کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی نہ کر سکے یعنی نہ ظلم کریں اور نہ ظالموں کے مقابلہ سے ہٹیں۔

نبوت کی برکات

فرمایا:۔ کسی بھی اور مخلوق کو اگر نبوت ملتی تو انسانیت اس سے مستفید نہ ہو سکتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت انسانیت کو ہی نصیب کی۔ اور سارے انبیاء بشر ہوتے ہیں لیکن نبی کی بشریت مثالی ہوتی ہے میری اور آپ کی طرح نہیں۔ ہم پہ بشریت غالب ہوتی ہے ان کی بشریت پر ان کی روحانیت غالب ہوتی ہے۔ ان کی لطافت غالب ہوتی ہے ہماری ارواح' ہماری بشریت کی سیاہی اور اس کی ظلمت کے نیچے دب جاتی ہیں۔ ان کی بشریت پر تجلیات باری' قرب الٰہی اور روحانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے لیکن ہوتے بشر ہی ہیں۔ اور جب ہی انسانیت کو ان کے اتباع کا حکم ہے کہ انہی میں سے ایک فرد وہ کام پہلے خود کرتا ہے پھر اس کے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی کو من جانب اللہ کچھ برکات عطا ہوتی ہیں۔ اللہ سے تعلق جو نبوت کا ہوتا ہے اس کے طفیل جب دوسرا کوئی بھی انسان ایمان کا تعلق نبی سے قائم کرتا ہے تو اس کے قلب اطہر سے مومن کے دل میں وہ کیفیات آ جاتی ہیں چونکہ دونوں طرف انسانی قلوب ہوتے ہیں۔ اب ایک طرف فرشتے کا قلب ہو دوسری طرف انسان کا قلب ہو تو اس سے مستفیض کیسے ہو۔ اس کی اپنی کیفیت' اس کی اپنی حیثیت' اس کی اپنی ضرورت' اس کا اپنا حدود اربعہ' اس کی اپنی استعداد۔ اور انبیاء انسانوں کی طرح سے کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' عیالدار' دوست احباب رکھنے والے ہوتے

ہیں۔ اور یہی حال اہل اللہ کا ہوتا ہے یعنی انسان کا تو مزاج اور اس کی ضرورت ہی یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان سے افکار میں بھی اور کردار میں بھی تربیت لے۔ تو جب اس نے کسی نہ کسی کے پیچھے چلنا ہی ہے تو نبی جو اللہ کا بہترین بندہ ہوتا ہے اس کے پیچھے کیوں نہ چلے۔

عصمت نبویؑ اور فیض نور نبوت

فرمایا :- (1) کلام الٰہی کا جب نزول ہوتا ہے تو اس کی لطافت' اس کی پاکیزگی' اس کی نورانیت' ذات باری کی نسبت سے ہوتی ہے کہ کلام الٰہی اللہ کی ذاتی صفت ہے اور صفات میں جمال کا پرتو ہوتا ہے۔ اب اس درجے کی لطافت' اس درجے کی پاکیزگی' اس درجے کی نورانیت چاہیئے اس قلب میں جو اس کو سنے' اس کو سمجھے اور اس کو حاصل کرے اور اسی لطافت کا نام نبوت ہے اس کو عصمتِ نبوت کہتے ہیں۔

(2) کلام باری میں ایک نور ہوتا ہے' ایک لطافت ہوتی ہے' ایک کیفیت ہوتی ہے۔ قلبِ نبوت جب اسے قبول کر کے اسے دوسری دفعہ آگے پہنچاتا ہے تو وہ نورانیت نبی علیہ السلام کے نور سے آگے منتقل ہوتی ہے ان قلوب کو جو نبی علیہ السلام کا پیغام قبول کرتے ہیں۔ تو یہ دو طاقتیں ملتی ہیں ایک آواز' الفاظ' آیات' ایک ان کے ساتھ برکت' کیفیت اور حالت ہوتی ہے وہ اتنی لذیذ' اتنی شیریں ہوتی ہے' اتنی مزے دار ہوتی ہے کہ جسے نصیب ہوتی ہے وہ صرف اسے سننے کے لئے جان دینے کو تیار رہتا ہے۔ قلوب ان کیفیات و برکات کے لئے منتظر رہتے ہیں۔

فرمایا:- نبی رحمت ﷺ کے فیوضات دو طرح سے تقسیم ہو رہے ہیں۔ ایک تعلیمات آقائے نامدار ﷺ اور دوسرے برکات رسول اللہ ﷺ۔ تعلیمات کی رسائی انسانی ذہن تک محدود ہے جبکہ برکات دلوں کو مسخر کر دیتی ہیں۔ یہ برکات سینہ بہ سینہ امت مرحومہ میں منتقل ہوتی ہیں۔ اسلامی دنیا میں آج کا ہمہ گیر

بحران ان ہی برکات کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ ورنہ تعلیمات کے لئے تو اتنے ذرائع تبلیغ موجود ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہ تھے لیکن اس کے باوجود ہر مسلمان معاشرہ' تنزل کا شکار ہے اور حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری اصلاح صرف اور صرف اس میں ہے کہ ہم حصول برکات کے لئے اپنی جملہ صلاحیتیں وقف کر دیں۔

دربار نبوی میں رسائی کے شرائط

فرمایا :- تو گویا اتباع کا تعلق ایمان سے ہے۔ ایمان جس قدر ہو گا اسی قدر اتباع اور اقتداء نصیب ہو گی۔ اور اولیاء اللہ چونکہ باتباع انبیاءؑ چلتے ہیں۔ ان میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ جہاں انبیاءؑ مجسم تشریف لے گئے وہاں تو ان کا جسم نہیں پہنچ سکتا لیکن انبیاءؑ کے ساتھ اولیاء اللہ کے ارواح ان منازل کو ضرور پائیں گے۔ اسی لئے یہ انبیاءؑ کے فیض کا کرشمہ ہے کہ نسبتاً" یقین محکم ہو جائے' ایمان قوی ہو جائے اسی کو اصطلاح تصوف میں نسبت کہتے ہیں۔ جتنی نسبت قوی ہو جائے اتنی ہی روح میں قوت آ جاتی ہے۔ بدن نہیں جاتا لیکن روح ضرور صدیوں تک کا فاصلہ طے کر کے بارگاہ محمد رسول اللہ ﷺ میں باریاب ہوتی ہے۔ نہ اسے عالم روکتے ہیں کہ برزخ اور دنیا کا فاصلہ ہے' نہ اسے زمانہ روکتا ہے کہ چودہ صدیوں کا فاصلہ ہے۔

فرمایا :- حضورؐ کے ساتھ اس کا تعلق اور ایمان ایک ایسا زینہ' وسیلہ اور یعہ یا سواری بن جاتا ہے کہ ولی اللہ کی روح بارگاہ رسالت مآب میں حاضری ے مشرف ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی دو ہی بنیادی شرطیں ہیں۔ ایمان ایسا ہو کہ نہ ٹل جائے لیکن محمدؐ رسول اللہ پر اس کا اعتماد مجروح نہ ہو۔ اور صرف اتنا ایمان نہ ہو کہ بس اتباع ہی پر اکتفا کر لے بلکہ حضورؐ کے کام و مشن کو اپنی ت کے مطابق بھی نبھائیں۔

فرمایا :- بدعت پر عمل کرنا اور نبی کریم ﷺ کا قرب تلاش کرنا' خلاف

شریعت کام کرتا اور دعویٰ اچھائی کا، قربِ الٰہی کا کرتا۔ اللہ فرماتے ہیں یہ مذاق کرتے ہیں میرے ساتھ، میرے پیغمبر ﷺ کے ساتھ۔ ایک تو ہے کہ خلافِ سنت آدمی کام کرے اور کم از کم ندامت تو ہو۔ یہ سمجھ رہا ہو کہ حق سنت ہے، میں غلطی پر ہوں لیکن اگر اس غلطی کو وہ مستحسن سمجھے تو یہ مذاق ہے۔ اور کافر تو کفر کو مستحسن سمجھ بیٹھا ہے۔ اس سے بڑا سخت مذاق بھی کوئی ہے کہ کفر پر قائم ہے اور اللہ کی رضا کا طالب بنا ہوا ہے۔

حُبِّ نبیؐ کے آداب

فرمایا: محبت ایک جذبہ ہے، ایک کیفیت ہے، جس میں محبت کرنے والے کی پسند کو دخل نہیں ہوتا۔ محبت کا خاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا قلب، کسی شخص کا باطن، اس کا ضمیر، اس کی ذات، کسی دوسری ذات میں اس طرح فنا ہو جائے کہ اس کی اپنی کوئی پسند ہی نہ رہے اور جو اس کا محبوب ہے اس کی پسند کو پانے کے لئے خواہ اسے کتنی ہی مشکلات، کتنے ہی مصائب اور کس قدر تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

فرمایا: اس بارگاہ نبویؐ میں محبت بھی بے باک نہیں، اس بارگاہ میں جنوں بھی خودسر نہیں ہے۔ یہاں جنوں بھی آتا ہے تو سلیقے سے، محبت بھی آتی ہے تو طریقے سے، یہاں جو بھی آتا ہے اسے اس بارگاہ کا ادب ملحوظ خاطر رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں دیوانگی نہیں فرزانگی چاہیئے۔ پس میرے بھائی یہ کسی طرح کی کوئی بحث نہیں کہ انسان مرتکب تو بدعات کا ہو اور دعویٰ محبتِ رسولؐ کا ہو۔ محبتِ رسولؐ اتباعِ رسولؐ کو چاہتی ہے اور اتباعِ رسولؐ سنتِ رسولؐ میں ہے بدعت میں نہیں۔

فیضِ نبوت کا دوام

فرمایا: پس آپ ﷺ کی موت صرف اتنی ہے کہ اس دنیا سے روح کا

تعلق یا روح کی وجہ سے جسم کا جو تعلق غذا' لباس یا گرمی سردی سے تھا وہ ختم
ہو گیا۔ اور حضور ﷺ عالم برزخ میں رونق افروز ہوئے۔ اب جملہ ضروریات
برزخ سے متعلق ہو گئیں۔ پس حیات باعتبار کیفیت کے جسمانی اور دنیاوی ہے
اور باعتبار عالم کے برزخی ٹھہری۔ آپ ﷺ کی حیات ہی قائم برکات ہے اور
رحمت باری ہے۔ اور اگر روح اطہر جسم اقدس سے جدا ہو تو پھر رسالت ہی نہ
رہی کہ رسالت صفت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ کو حاصل تھی اور
یہ مجموعہ روح و جسد کا نام نامی ہے۔ اگر روح علیحدہ ہو تو کہا جائے گا آپ کی
روح یا جسم علیحدہ ہو تو یہی الفاظ کہے جائیں گے۔ تو روح یا اکیلے جسم کو محمد
ﷺ بن عبداللہ نہیں کہا جائے گا۔ تو یہ علیحدگی ذات کی نفی کر دے گی۔ جب
ذات کی نفی ہو گی تو وصف اٹھ جائے گا کہ اوصاف قائم بذات نہیں ہوتے قائم
بغیرہ ہوتے ہیں۔ جب یہ وصف اٹھے گا تو تقسیم برکات ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ
نور کی تاریں کسی دل سے نہ جڑ سکیں گی۔ جب یہ نہیں ہو گا تو مفاہیم قرآن کو
سمجھنے اور استفادہ کرنے کا سوال ہی ختم۔ پس اگر نبی ﷺ کی روح مبارک بھی
جسم اطہر کو چھوڑ کر کسی اور جگہ فروکش ہوتی تو رسالت کی نفی تو ہو ہی گئی۔
ساتھ میں ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ کارگاہِ عالم میں جس قدر اجسام تخلیق ہوئے
سب سے افضل جسم آپ ﷺ کا ہی تو ہے۔ اگر روحِ مبارک نے یہ جسم چھوڑا
تو یقیناً بہتر جگہ جانا چاہئے۔ اگر روح جسم کو چھوڑ کر اس سے درجے میں کم تر
جگہ میں جاگزیں ہوئی تو کیا یہ درست ہو گا کہ غلام تو غلامی کے طفیل اعلیٰ مقامات
کی طرف عروج کریں اور خود آپ ﷺ کی روح پرفتوح پہلے سے کم تر درجے
کی طرف نزول کرے۔ تو یہ عجیب بات ہے ہاں رہی یہ بات کہ جسم اطہر میں
رہتے ہوئے بیک وقت مقاماتِ برزخی یا اخروی سے متعلق ہونا کوئی مشکل نہیں۔
کہ روح ایک وقت میں متعدد مقامات پر جلوہ گری کر سکتی ہے جیسے سورج اپنے
مقام پر بھی ہے اور اپنی کرنوں اور گرمی کے ساتھ دوسرے اجسام سے بھی تعلق
رکھے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ دنیا میں موجود ہے۔ ولی اللہ زمین پر رہتے ہیں

کھاتے پیتے سوتے جاگتے ہیں مگر ان کی ارواح جسم میں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ عالم امر تک پرواز بھی رکھتی ہیں۔

فرمایا:- دربار رسالتؐ سے اب بھی نور برستا ہے اور رحمتیں بٹتی ہیں جیسے تب تھیں۔ آقائے نامدار ﷺ دارِ دنیا میں تھے تو سارے جہاں کے نبی تھے۔ برزخ میں جلوہ فرما ہوئے تو بھی سارے عالم کے نبی ہیں۔ یہاں حیات نہیں بدلی' مقام بدلا ہے ورنہ حیات ویسی ہی ہے جیسی دنیا میں تھی۔ ہاں دلائل علمی درکار ہوں تو استاذی المکرم بحرالعلوم حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی حیات برزخیہ' و حیات انبیاء و عقائد و کمالات علماء دیوبند کا مطالعہ کریں اور دلائل ذوقیہ چاہئیں تو فقیر کے پاس تشریف لائیں۔ سلسلہ عالیہ کے اذکار شروع فرمائیں انشاء اللہ نہ صرف حیات النبیؐ سمجھ آئے گی اگر رحمت باری نے دست گیری فرمائی جس کا مدار خلوص نیت پر ہوا کرتا ہے تو انشاء اللہ فنا فی الرسول میں دستِ اقدس محمد رسول اللہ ﷺ پر بیعت کی سعادت بھی نصیب ہو گی۔

اخذ فیض کے اصول

فرمایا:- حصول برکات کے لئے قیمتی لباس کا ہونا ضروری نہیں ہے' آدمی کا دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے' آدمی کا زیادہ پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے آدمی کا شاید زیادہ صاحب استعداد ہونا بھی ضروری نہ ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ جو بھی ہے اور جیسا بھی ہے اپنے دل کے ساتھ آئے۔ پاؤں کے ساتھ چل کر نہ آئے۔ اخذِ برکات کا صرف یہ ایک ہی راستہ ہے' ایک ہی طریقہ ہے۔

فرمایا:- صرف اس دعویٰ پر ہم یہ امید رکھیں کہ ہم کو اللہ نور بخشے اور ہمارے دل روشن ہو جائیں گے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ صرف مومن بننے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ پاؤں پر چل کر نہ آؤ' دلوں کو لاؤ' غریب ہو' مفلس ہو' جاہل ہو' ان پڑھ ہو لیکن اپنا سینہ چیر کر نبی کے قدموں میں رکھ دو اور تمہارے دل میں سب سے زیادہ عزت اور وقعت نبی کے حکم کی ہو۔ باقی کسی کی ہو تو

اس کا درجہ اس کے بعد ہے۔

فرمایا :- تو جو دل لایا اس کو لذت ایمان نصیب ہوئی۔ اللہ فرماتے ہیں جو دل کو نہ لائے، عقل سے بحث کرے اسے ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ کجا یہ کہ وہ تجلیات باری حاصل کرے، کیفیات و لذات حاصل کرے، برکات حاصل کرے یہ تو بہت دور کی بات ہے۔

فرمایا :- اصل مسئلہ دل کی حضوری کا ہے۔ عقل کا یہ ضرور کام ہے کہ وہ آپ ﷺ کے حسن کے بکھرے ہوئے ان ہیروں کو دنیا کی رطب ویابس میں گم نہ ہونے دے۔ دنیا کی لذتوں کے ڈھیروں میں سنت رسول اللہ ﷺ کو ضائع نہ ہونے دے اور جو سنت جہاں ملے اسے دل میں جگہ دی جائے۔ پھر اس کے ساتھ عقلی استدلال ہوں۔ جب دل یہ چیزیں اخذ کرے گا تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے دل میں وہی روشنی، وہی برکتیں، وہی رحمتیں، وہی نعمتیں در آئیں گی جو اسی فراوانی سے بٹ رہی ہیں جس طرح اللہ کریم نے تقسیم فرمانا شروع کی تھیں اور جب تک اللہ تعالیٰ اس امت کو باقی رکھے گا اس کے خزانے اسی طرح تقسیم ہوتے رہیں گے۔

فرمایا :- اگر اخذ فیض کی خواہش ہے تو پہلے اپنی سوچ کا رخ درست کرو، پھر اپنے اندر ایثار کا جذبہ پیدا کرو ایثار کس کا؟ خواہش نفس کا اپنی رائے کو دین پر مقدم سمجھنے کا۔ اور یہ چیزیں حاصل ہوں گی حضور اکرم ﷺ پر کامل اعتماد، قلبی محبت اور اتباع سنت کی انتہائی کوشش کے ساتھ، کسی اہل دل کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کا سلیقہ سیکھنے اور اس پر ہمیشہ کے لئے ڈٹ جانے پر۔

آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ حضور ﷺ کے سامنے کتنے لوگ مکہ اور مدینہ میں رہے مگر حضور ﷺ کے فیض سے محروم رہے۔ کیوں کیا معاذ اللہ حضور ﷺ کے فیض میں کمی تھی یا حضور ﷺ نے اس کی تقسیم میں بخل کیا۔ نہیں بلکہ ان محرومان ازلی کے قلوب نور ایمان سے خالی تھے جو اخذ فیض کے لئے بنیاد ہے۔ اس نور ایمان کا اصطلاحی نام صحت عقیدہ سمجھ لیجئے لہٰذا اگر عقیدہ صحیح

نہیں تو حضور ﷺ سے اخذ فیض ممکن نہیں۔

فرمایا:۔ اس طرح ہم تصوف یا روحانی کمال جس شیخ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے استاد یا شیخ کو اس فن میں دسترس حاصل ہو اور اس میں اتنی قوت ہو کہ وہ دوسروں کو یہ نعمت پہنچا سکے یا منتقل کر سکے۔ بالکل اس کے ساتھ طالب کی طلب بھی صادق ہو اور اس کا مزاج بھی مستقل ہو۔ ایک شخص اگر صدی بھر محنت کرتا رہے لیکن اسے تیقن حاصل نہ ہو' وہ ششش و پنج میں رہے کہ دیکھتے ہیں شاید کچھ بھی نہ ہو تو ایک صدی کی محنت بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اگر شیخ کامل بھی ہو' اس میں استعداد بھی ہو' قوت بھی ہو' عطا بھی کر سکتا ہو اور طالب تذبذب میں رہے تو وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

فقہی تنازعہ اور عظمت نبوی ﷺ

فرمایا:۔ یہاں ایک بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہو گا کہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات کے بعد کوئی ایسی ہستی نہ ہو گی کہ ہم آپ ﷺ کی بجائے اس کے ہو جائیں۔ یعنی آپ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ بلکہ ہر وہ شخص لائق احترام اور قابل عزت ہو گا جو ہم تک خالص اور نتھری ہوئی بات' وہ بات جو نبی اکرم ﷺ کی ہو پہنچا دے۔ وہ ہمارا استاد بھی ہو سکتا ہے' پیر اور شیخ بھی کہلا سکتا ہے اور مولوی' عالم' مفسر' محدث اور فقیہہ بھی۔ ہاں جہاں کسی نے اپنی پسند داخل کی وہاں سے راہیں جدا ہو جائیں گی اور ہم صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے رہیں گے اور کسی کے نہیں۔ ہاں مختلف موضوعات پر آپ ﷺ کی مختلف ادائیں بھی موجود ہیں اور آپ ﷺ نے ایک کام کو دو یا اس سے زائد طریقوں سے بھی انجام دیا ہے مثلاً" آمین بلند آواز میں کہنا بھی سنت سے ثابت ہے اور خاموشی سے' دھیمی آواز میں ادا کرنا بھی' نماز میں رفع الیدین کرنا بھی۔ ثابت ہے اور نہ کرنا بھی تو ہمیں یہاں تھوڑا سا حوصلہ رکھنا ہو گا کہ اگر ہم نے ایک ادا اپنائی ہے اور دوسرا دوسری ادا اپنانا چاہتا ہے تو ہمیں

ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر ہم اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ دیوبندی' بریلوی اور اہل حدیث کی تقسیم اور تفریق کے عمل کی کوئی حیثیت نہیں۔

فیض نبوت ﷺ

فرمایا:۔ یہ پیر مولوی سے کروڑوں گنا زیادہ محترم ہوتا ہے اور یہ اسلام کا ایک باقاعدہ ادارہ ہے۔نبی رحمت ﷺ نے صرف الفاظ نہیں منتقل فرمائے بلکہ جہاں آپ نے تعلیمات ارشاد فرمائیں وہاں برکات بھی بانٹیں اور جو قلوب حضور ﷺ کی مجلس میں پہنچے وہ نورٌ علیٰ نور ہو گئے اور ایک نگاہ میں آنے والا صحابیؓ بن گیا یعنی ایک آدمی عام سطح سے اٹھ کر انسانی عظمت کی ان بلندیوں پر پہنچا جو نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ ترین مقام ہے۔ یہ تھا حضور ﷺ کی مجلس کا' آپ ﷺ کی صحبت کا فیض اور آپ کی برکات۔

فرمایا:۔ بڑی سیدھی سی بات ہے کہ دین آپ ﷺ پر مکمل ہوا۔تعلیمات اور برکات دونوں دین کے شعبے ہیں اور میری رائے میں برکات' تعلیمات پر بھی مقدم ہیں جیسا کہ ترتیبِ کتاب سے بھی ظاہر ہے۔ اگر یہ آپ ﷺ کے وصال کے ساتھ ختم ہو جائیں تو دین کا نصف بہتر حصہ ختم ہو گیا جو ناممکن ہے۔ لہٰذا یہ برکات صحابہؓ میں منتقل ہوئیں اور ان کی صحبت میں بیٹھنے والا تابعی بن گیا اور تابعین کی صحبت پانے والا تبع تابعی کہلایا۔ یہ تینوں زمانے خیرالقرون یعنی سب سے بہتر زمانے تھے۔ اس کے بعد شعبے بھی تقسیم ہو گئے۔ جس طرح علم ظاہری کے متعدد حصے بنے اور لوگوں نے مختلف شعبوں میں حقِ خدمت ادا کیا' کوئی مفسر کہلایا' کوئی محدث اور کوئی فقیہ' اس طرح ایک نہایت جرأت مند اور باحوصلہ طبقے نے علوم ظاہر کی تکمیل کر کے ایسے افراد تلاش کئے جو برکاتِ صحبت کے امین ہوں اور پھر ان کی مجالس میں بیٹھ کر ان کے لئے طریقے اختیار کئے۔ اسی طرح کی محافل ذکر جنکا مقصد برکاتِ نبوت اور دلی کیفیات کا حصول ہے جسے

خضوع و خشوع کہہ کر قرآن نے ہر عمل کی جان قرار دیا ہے۔ ایسے ہی حصول برکات کے لئے اب بھی محض مجلس میں بیٹھنے کی بجائے مختلف ذکر اختیار کئے جاتے ہیں جو محض وسائل و ذرائع ہیں جن کے لئے صرف ایک شرط ہے کہ کوئی ذریعہ خلاف شریعت نہ ہو اور سب کا مقصد تو محبتِ الٰہی اور قلبی کیفیات کا حصول ہے۔

فرمایا:- آپ ﷺ کی تعلیمات آپ ﷺ کے ارشادات اور اس کے ساتھ فیضِ صحبت تزکیہ کی اصل ہے۔ صرف تعلیمات تو کافر بھی سنتا اور جانتا ہے مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے فیضِ صحبت سے محروم رہتا ہے اور مومن ایمان لا کر ان کیفیات کو حاصل کرتا ہے جو آپ کی صحبت میں بٹیں۔ چنانچہ ایک نگاہ پانے والے صحابیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے اور اسی طرح یہ نعمت عظمیٰ بٹتی رہی۔ صحابہؓ کی صحبت میں آنے والے تابعین کہلائے اور ان سے تبع تابعین مستفید ہوئے۔ پھر اہل اللہ نے اس نعمت کو ان کے مقدس سینوں سے حاصل کیا اور خلقِ خدا کے دلوں کو روشن کرتے رہے اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

فرمایا:- وَفِيكُمْ رَسُولُهُ یہ دوسری گھاٹی ہے جس میں گرنے سے مومن کو بچاتا ہے یعنی فیض صحبت کا کوئی شمہ جب تک نصیب نہ ہو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اور جب تک یہ دل میں باقی نہ رہے ایمان باقی نہیں رہتا۔ بلکہ صوفیا کا قول تو یہ ہے جیسے الابریز میں سید عبدالعزیز دباغؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر ایمان لانے والے شخص کے دل تک نور کی ایک باریک تار جڑی ہوتی ہے جس کا مرکز قلب نبوی ﷺ ہے اور جس قدر کسی کا ایمان مضبوط ہو اسی قدر وہ تار موٹی ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض دلوں تک نہروں اور دریاؤں کی صورت میں پہنچ رہی ہے۔ پس اسی نسبت سے اطاعت اور اطاعت میں خشوع خضوع بھی نصیب ہوتا ہے اور جوں جوں اطاعت میں کمی واقع ہو اسی قدر یہ رشتہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور بعض انتہائی صورتوں میں منقطع ہو جاتا ہے۔ جس کے دل کی تار کٹ جائے وہ اسلام پر باقی نہیں رہتا مرتد ہو کر مرتا ہے۔

فرمایا :- چونکہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے آپ کی تمام برکات ہمیشہ کے لئے اور ساری انسانیت کے لئے ہیں۔ آج بھی وہاں ویسے ہی انوارات بٹتے ہیں جیسے جب حضور اکرم ﷺ اس عالم میں تشریف فرما تھے' جو فیضان تھا' جو برکات تھیں' وہی حضور ﷺ جب برزخ میں تشریف لے گئے تو فیوض میں کوئی تبدیلی' کوئی تغیر اور کوئی فرق نہیں آیا۔ حضور ﷺ کے فیضان و برکات میں' نہ آپ کی نبوت و رسالت میں' نہ آپ کے وجود مبارک میں اور نہ آپ کے روح اطہر میں' اسی طرح روح اطہر کے ساتھ وجود مقدس' برزخ میں بھی ویسے ہی زندہ ہے جیسے کہ دنیا میں تھا۔

دربار نبوی ﷺ سے اخذِ فیض

فرمایا :- اس سلسلے میں ایک بنیادی حقیقت ذہن میں رکھیے کہ تعلق باللہ' قرب الہی اور منازل سلوک میں ترقی کے لئے اللہ اور بندے کے درمیان ایک ناگزیر واسطہ ہے اور وہ ہے آقائے نامدار ﷺ سے حقیقی قلبی تعلق۔ تاکہ اخذ فیض اور جذبِ انوارات کی قوت پیدا ہو سکے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ یہ انوارات کہاں سے آتے ہیں اور سالک کے قلب میں کیونکر جذب ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کی ذات گرامی مکلف مخلوق کے لئے دو طرح سے واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اول آپ ﷺ کی ذات گرامی پر دل سے ایمان لانے سے ایک خاص تعلق حضور ﷺ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰی جسے نور بصیرت عطا فرمائے اسے یہ تعلق یوں نظر آتا ہے کہ نور کی ایک نہایت باریک تار حضور ﷺ کے قلبِ اطہر سے اس کے قلب تک آ رہی ہے۔ یہ تعلق ایمان کا ہے' یہی نورِ ایمان ایک مومن حضور اکرم ﷺ کے قلب سے اخذ کرتا ہے۔ اب اس نور کے قیام اور ترقی کا سبب اعمال ہیں۔ اتباعِ نبوی میں محنت اور کوشش کرتا ہے تو اس کا ہر قول و فعل اس نور میں زیادتی کا سبب بنتا چلا جاتا ہے۔ اس میں جس قسم اور درجے کا اتباعِ سنت ہو گا اسی قسم اور اسی درجے کے نور کا اضافہ ہو

گا ان نورانی تاروں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اگر ترک اعمال شرعی یا خلاف سنت اعمال ہوں گے تو اس تار کی نورانیت مدھم ہوتی چلی جائے گی۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دوسرا تعلق حضور ﷺ کی صحبت کا ہے۔ یہ وہ تعلق ہے کہ جب اس دنیا میں حضور اکرم ﷺ حیات دنیوی کے ساتھ موجود تھے تو اس تعلق نے چرواہوں کو بھی شرف صحابیت عطا کر دیا۔ مگر جب حضور اکرم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو جسمانی طور پر حضور ﷺ کی صحبت کے شرف کے حصول کا امکان ختم ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کا کوئی فیض منقطع نہیں کیا۔ جب حضور اکرم ﷺ سے فیض ایمان کا تعلق منقطع نہیں ہوا تو فیض صحبت کا تعلق بھی منقطع نہیں ہوا ہاں اس کی صورت بدل گئی کہ پہلے یہ فیض کا تعلق جسمانی اور روحانی دونوں قسم کا تھا اب صرف روحانی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فیض صحبت کو صحابہؓ سے تابعین ان سے تبع تابعین کے سینوں میں منتقل کیا مگر یہ ایک کیفی معاملہ ہے اور کیفیات کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ جو کیفیت صحبت نبوی ﷺ سے قلوب صحابہؓ نے اخذ کی' وہی کیفیت صحبت صحابہؓ سے قلوب تابعین نے اخذ کی اور یہ دونوں فیض نسلاً" بہ نسلاً" چلتے رہے ہیں۔

صحبت نبوی کے بعد اخذ فیض کے لئے اہل دل کی صحبت ضروری ہے جن کے سینوں میں یہ فیض صحبت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ کے ساتھ قلبی ربط اور تعلق قائم ہو گا۔ یہ ایک کیفیت کی دولت ہے جو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔

سنت نبوی ﷺ

فرمایا۔ اب آپ اس کو حالات حاضرہ پہ منطبق کر کے دیکھیں جو شخص' جو قوم' جو افراد آپ ﷺ کے ایک ایک بال کی عزت کرتے تھے انہیں خدا نے صحراؤں سے اٹھا کر فضاؤں پہ مسلط کر دیا اور آج کا مسلمان اپنے لئے ترک

سنت میں عزت کا متلاشی ہے۔ تو جو قوم' جو افراد ترکِ سنت میں اپنے لئے عزت سمجھتے ہیں ان سے کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو خیر امت کس نسبت سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ جو نسبت خیر تھی اس میں تو انہیں اپنی عزت نظر نہیں آئی۔ اہل مغرب کی نقالی یا ان کی مشابہت مسلمان کو کبھی عزت سے دوچار نہیں کر سکتی۔ یاد رکھیں یہ ساری محنت' یہ سارے مجاہدے' یہ سارے ذکر و اذکار' یہ تمام عبادات صرف ایک غرض کے لئے ہیں اور وہ غرض ہے نسبت محمد رسول اللہ ﷺ۔ بغیر حضور ﷺ کی نسبت کے طلب باری یا تعلق باری پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایک شخص اپنا حلیہ' اپنا لباس' اپنی بود و باش کا طریقہ' مغرب سے ملا کر اپنے آپ کو مہذب سمجھتا ہے اور حضور ﷺ کی طرح کا حلیہ بنانا' آپ کی طرح اٹھنا بیٹھنا' معاشرت یا وہ تہذیب جو حضور ﷺ نے بخشی اسے اپنانا' ایک کمتر درجے کی زندگی سمجھتا ہے اور پھر دل میں یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو پھر قیامت کے دن کس منہ سے آپ کی شفاعت کی امید رکھے گا۔

منبع فیض

فرمایا :- چونکہ ربوبیت کا عہد انفرادی تھا جو عالم ارواح میں لیا گیا اس لئے ربوبیت کا فیض بھی انفرادی ہے۔ نبوت کا عہد چونکہ بوساطت انبیاءؑ تھا اس لئے نبوت کا فیض پہنچنے کے لئے ایمان شرط ہے۔ ایمان کے بغیر فیضان نبوت نہیں پہنچتا۔

فرمایا :- حضور ﷺ تو ساری کائنات کا مرکز ہیں اور سارا دائرہ مرکز کے گرد گھومتا ہے مرکز کبھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا۔ حضور ﷺ تشریف نہیں لے جاتے آپ جہاں تشریف فرما ہیں وہاں تک حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اب بات رہ جاتی ہے دیکھنے والے پر۔ مگر آنکھیں ہی نہ ہوں تو دیکھے کیسے۔ اگر روح میں قوت بینائی ہے اور اس میں دیکھنے کی سکت ہے جس کا مدار ایمان پر ہے۔ اگر

اس قدر قوی ایمان نصیب ہے تو حجابات اٹھتے ہی وہ رُخِ انور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھتا ہے ہٰذا سیدنا و مولانا محمدٌ رسول اللہ ﷺ۔ لیکن اگر زندگی میں اسے حضورِ اقدس پر ایمان ہی نصیب نہیں ہوا تو وہاں پر اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

فرمایا :- اللہ جل شانہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو پوری کائنات کے لئے رحمت کا منبع قرار دیا ہے۔ دنیا میں حضور اکرم ﷺ کی رحمت کا ظہور دو طرح ہوتا ہے۔ ایک رحمتِ عامہ ہے۔ اس کے دائرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت یا ختم نبوت کے قائل نہیں لیکن انہیں جو بھی رزق مل رہا ہے' ان کے لئے سورج کی روشنی' سانس لینے کے لئے ہوا' دھوپ' چاندنی' ذاتی صحت' اولاد غرض سب کچھ اسی رحمت عامہ ہی کا صدقہ ہے۔

دوسری قسم رحمتِ خاصہ ہے جس کا ظہور آخرت میں ہو گا۔ اس لئے اس رحمت سے بہرہ یاب ہونے کے لئے آخرت پر یقین اور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ رحمتِ عامہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کے دونوں جہاں سنور گئے۔

سچی توبہ کا مطلب

فرمایا :- معلوم ہوا کہ گناہ انسان کی سرشت میں ہے مگر گناہ کا علاج توبہ ہے اور سچی توبہ وہ ہے کہ آدمی تعلق باللہ کے لئے اپنے اندر ایک طلب' ایک تڑپ محسوس کرے اور یہ طلب اہل اللہ کی تلاش کا سبب بنے۔ پھر ان لوگوں سے مل کر اپنے باطن کو منور کرے۔ جب اہل اللہ کے پاس پہنچے گا تو وہ جوہر جو لطائف کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر ودیعت کر رکھا تھا وہ کھلے گا۔ لطائف زندہ ہوں گے' منور ہوں گے اور حقیقی انسان انگڑائیاں لیتا ہوا بیدار ہو

گا اور سرگرم عمل ہو جائے گا۔

محبت الٰہی

فرمایا :۔ لوگ محبت کرتے ہیں اپنے عارضی وقار کو حاصل کرنے کے لئے' لوگوں کو ذات سے نہیں صفات سے محبت ہوتی ہے۔ آپ آج کے مسلمان کو دیکھ لیں یہ اہل اللہ کے پاس جاتے ہیں لیکن درپردہ اہل اللہ سے محبت نہیں ہوتی انہیں اپنی اغراض سے محبت ہوتی ہے۔ ان کے دل میں دنیاوی مقاصد ہوتے ہیں کہ میں فلاں جگہ جاؤں گا تو میری فلاں بات سنور جائے گی اور اگر یہ بات کہہ دو کہ فلاں بزرگ کے پاس جاؤ گے تو تمہیں پریشانی اٹھانی پڑے گی' تو پھر بزرگ جانے اس کا کام یہ کبھی نہیں جائیں گے۔ ان کی محبت اپنی طمع کی محبت ہے' اہل اللہ کی نہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جنہیں صرف اللہ کے لئے محبت ہو۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کی طرف سے تسلی دینے کے بارے میں فرمایا :۔ تمہیں اس جنگ کی شدت سے بددل ہونا زیب نہیں دیتا اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ فتح بہرحال تمہیں نصیب ہو گی اور ہمیشہ تم ہی غالب ہو گے۔ صرف شرط یہ ہے کہ خلوص دل کے ساتھ آپ ﷺ کا اتباع اختیار کرو' ایمان مضبوط ہو اور عمل صالح ہو۔

محبت ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو محبوب کی سختی سے گھٹتا نہیں اور اس کے وفا کرنے سے بڑھتا نہیں۔ بلکہ حقیقی محبت ہی وہ ہے جو مصائب اور شدائد میں برقرار رہے۔ اسی لئے بغیر مجاہدہ اور صبر کے اور اطاعت الٰہی میں خلوصِ قلب کے ساتھ کوشش کے بغیر حصولِ رحمت کی امید فضول ہے۔ اسبابِ رحمت کو ترک کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے برابر ہے۔

اطاعت الٰہی

فرمایا :۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ بدکار اور تارک سنت' ولی اللہ نہیں

ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کے پیچھے پھرنا نری جہالت ہے۔ نیز شیطان کسی بڑے سے بڑے آدمی پر بھی واردات کرنے سے نہیں چوکتا کہ عین میدان جہاد میں حضور ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے نعرہ لگانے سے باز نہیں آیا۔ مگر مخلصین کو رحمت باری تھام لیتی ہے اور ابلیس کے یہ داؤ صرف ان لوگوں کو متاثر کرتے ہیں جو اللہ سے کٹ جائیں۔

عظمت صحابہؓ

فرمایا :- جب کفار نے دیکھا کہ فرشتے پر طعن ذرا مشکل ہے پھر رسول ﷺ کی ذات پر بھی مغالطہ دینا بہت مشکل ہے تو انہوں نے صحابہ کرامؓ کی ذوات کو اپنے طعن کا نشانہ بنایا۔ میں کہتا ہوں یہ بھی عظمت صحابہؓ کی دلیل ہے کہ قیامت تک دین حنیف کے پاسبان وہی ہیں۔ اگر ان کی ذوات مجروح ہو جائیں تو دین بھی نہیں بچتا۔

مگر یاد رکھو! عظمت صحابہؓ اصول دین میں سے ہے اس کا انکار عظمت رسول کو مستلزم ہے اور لاریب فیہ کے منافی۔

فرمایا :- پس احباب کرام' عظمت باری جڑ ہے اور وجود مبارک رسول اللہ ﷺ تنا ہے صحابہؓ برگ و بار ہیں۔ جڑ کا نشان تنے سے ملتا ہے اور تنے کی خوبی برگ و بار بیان کرتے ہیں۔ پس عظمت صحابہؓ پر وار جڑ کاٹنے کے مترادف ہے دوسری ضرب اوصاف نبی ﷺ پر لگتی ہے کہ مزکی اعظم نے کیا کیا۔

فرمایا :- ایک پیغام پہنچانے والی ایسی باکمال ہستی ہے کہ جس نے بلاکم وکاست وہ الفاظ جو اللہ نے ارشاد فرمائے اللہ کی مخلوق کو پہنچا دیئے اور یہ قول تمام واسطوں پر صادق ہے کہ وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل' ملائکہ کا سردار مطاع' امین اور جس رسول پاک ﷺ پہ لایا وہ تمام کائنات کا مطاع دکمین اور کریم اور امین اور پھر صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ اور امت رسول ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں۔ یعنی صحابہ کرامؓ خیر امت کے پہلے مخاطب' لسانِ نبوت و

ترجمانِ نبوت اور انبیاءؑ کے بعد اللہ کی ساری مخلوق میں افضل ترین بندے ہیں۔

فرمایا :- اور صحابیت اس عجیب کیفیت کا نام ہے جو قرب الٰہی کے منازل کی تعین کرتی ہے اور اس کے حساب سے اس شخص کا ظاہر بھی بدلتا ہے۔

انوار نبوتؐ

فرمایا :- اور یہ مصیبت اس لئے ہے کہ ہمارے دل ان کیفیات' ان انوارات سے خالی ہیں جو نبی رحمت ﷺ نے بانٹے ہیں اور جب وہ دل میں بس جاتے ہیں تو احکام کی بھوک لگتی ہے۔ اسی طرح دل خالی نہیں رہتا' آپ تجلیات و برکات نکال دیں تو وہاں شیطان براجمان ہو جائے گا۔ شیطان تب نکلے گا جب وہاں نور آ جائے گا۔ نور یا ظلمت' اللہ کا نام یا ابلیس کی طاقت دو میں سے ایک دل میں مکین رہے گی جب تک دل میں شیطان کو القاء کرنے کی قوت ہے رحمان کی بات مقابلے میں نہیں آئے گی تو بات نہیں بنے گی۔ تبلیغ اور رسالے' جلسے' جلوس اور ساری تحریر و تقریر محض رسم ہو گی۔

یہ دل بڑھنا' یہ آتا جانا' صرف اس لئے ہے کہ یہ میرے رب کی تقسیم ہوتی ہے۔ اس نے ویرانے میں اپنا ایک ایسا بندہ پیدا کر دیا جسے ایسی نعمت' اتنی قوت عطا کر دی' جس نے چودہ صدیوں کو سمیٹ کر لوگوں کے دلوں کو حضور ﷺ کے قلبِ اطہر کے روبرو کر دیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے' کتنی حیران کر دینے والی بات ہے کہ جہاں ذرائع آمدورفت نہیں' جہاں اخبار نہیں' جہاں کوئی ریڈیو' ٹیلی ویژن نہیں۔ ایک جذبہ تھا جو جس کے دل میں پہنچا اسے شاداب کرتا گیا۔ کاشغر سے لے کر سان فرانسسکو تک اللہ کے نام سے دل دھڑکتے ہیں اور تاریخ تصوف میں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ ہر آنے والا قلب روشن لے کر جاتا ہے۔

میرے بھائی! یہ کرنے کا کام ہے' پوچھنے کا نہیں۔ ہم کب تک زندگی بھر

مفتیوں سے پوچھتے رہیں گے۔ پہلے دن سے اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اب تک کبھی پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ آپ حضرات اس پر توجہ دیں' دین الٰہی کی طرف بڑھیں۔

عشق رسول ﷺ

فرمایا:- آؤ تمہارے دل میں چراغاں کر دوں۔ تمہارے دلوں میں جذبوں کے' محبتوں کے' عشق کے جلوس نکلیں۔ چھوڑو یار نقل کو چھوڑو۔ آؤ سچ کی روشنیاں جلائیں اور مطلع انوار کی طرف بڑھیں جہاں سے سورج کا ایک جہاں طلوع ہوتا ہے۔

فرمایا:- لیکن جب نبیؐ ہمیں اپنے کلام سے نوازتا ہے تو وہ اس کی بشریت ہوتی ہے جس تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے نبیؐ کی نورانیت تک ہماری رسائی نہیں ہے۔ تو نہ نبیؐ کے نور کا انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی بشریت اسے مضر ہے۔

علم دین و تزکیہ

فرمایا:- دین کے علم کی بنیاد تزکیہ پر ہے۔ اگر تزکیہ نصیب نہ ہو تو مشاہدہ یہ ہے کہ دینی علم بھی محض حصول دنیا کا سبب بن جاتا ہے۔ اس تزکیہ کا نام تصوف ہے آپ اسے ترجمہ کہہ لیں یا متبادل لفظ بہرحال مقصد دل کی صفائی ہے۔ توجہ اور انوارات قلبی ہے جو شیخ کے دل میں ہوتے ہیں اور وہ طالب کے دل میں القاء کرتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ بھی روشن ہونے لگتا ہے یہ فن تصوف کہلاتا ہے۔ توجہ چونکہ مل کر مجلس میں لی اور دی جاتی ہے تو مجلس میں ذکر الٰہی کا جو اس کا باعث بھی ہے اور اس کا حاصل بھی اہتمام ہوتا ہے۔ ذکر اسم ذات کا حکم کتاب اللہ میں اور اس پر عمل سنت میں موجود ہے۔ نیز اس کی پہچان بھی یہی ہے کہ اگر دل کو روشنی اور برکاتِ صحبت میسر ہوں تو علوم شریعت

کی نہ صرف سمجھ آنے لگتی ہے' ان پر عمل کرنے کو بھی جی چاہتا ہے اور گناہ سے بے رغبتی اور پھر نفرت ہونے لگتی ہے یعنی یہ ساری محنت شریعت ہی کو سمجھنے اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔

فرمایا :- تو اس اخلاص کے ساتھ دو طرفہ بات ہے۔ شیطان نے بھی بات کی تو کہا کہ اللہ تیری عظمت کی قسم! میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ سب کو گمراہ کر دونگا۔ میں دیکھتا ہوں یہ جاتے کہاں تک ہیں۔ ہاں وہ لوگ میری رسائی سے باہر ہیں جو تیرے ساتھ معاملہ کھرا رکھیں گے جن کے تیرے ساتھ تعلق میں کوئی کھوٹ نہ ہو گا۔ خلوص ہو گا' وہ مار نہیں کھائیں گے اور رب جلیل نے بھی فرمایا کہ میرے بندوں پر تیرا فسوں نہیں چلے گا۔ میری ناقص رائے میں جب ہم اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں' اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے زمین اس ابلیس نے تنگ کر دی ہے تو ہمیں اپنے خلوص کا جائزہ لینا چاہئے۔ شاید ہمارے خلوص میں کہیں کوئی دراڑ ہے' کوئی کمی ہے۔ ہم اللہ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں ورنہ اس کی کیا جرات تھی' اس کی وہاں تک رسائی کب تھی۔

فرمایا :- ہمارا اسلام اس شہزادے کا اسلام ہے کہ بس کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور باقی سارا کام ازخود ہو جائے گا۔ لیکن اسلام اس عمل کا نام ہے جس کے لئے ہم کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اسلام اس مشنری جذبے کا نام ہے جس کے لئے ہم اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ اسلام اس درد کا نام ہے جو ہمیں بے قرار کر کے میدان عمل میں لے آتا ہے۔ کرنے اور کر گزرنے کا نام اسلام ہے' انتظار کا نام اسلام نہیں۔

فرمایا :- ہم انتظار میں ہیں کہ فلاں توبہ کرے گا تو میں بھی کر لوں گا۔ فلاں اصلاح کرے گا تو میں بھی کر لوں گا' فلاں اپنے آپ کو بدلے گا تو میں بھی بدل لوں گا۔ نہیں بھائی کسی کا انتظار نہ کرو' اپنے آپ کو بدلو' جہاں ہو اور جتنے

بدل سکتے ہو یہ تبدیلی مجھ سے' آپ سے' ہم سے پھیلتی ہوئی اللہ کرے عالم اسلام میں پہنچے اور عالم انسانیت کو پناہ دینے کی توفیق نصیب ہو نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ انسانوں کو آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں آپ ﷺ کی گھنی چھاؤں میں' دم لینے کی فرصت نصیب ہو۔

تصوف کے بارے میں لوگوں کی آراء

فرمایا :- یہ سلوک و تصوف چیز کیا ہے۔ اس کے متعلق مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ بڑے پرزور طریقہ سے کہتے ہیں کہ :-

(1) جب اللہ کی کتاب موجود ہے' نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کی احادیث موجود ہیں تو پھر کسی دوسری چیز کی ضرورت کیا ہے۔

(2) ان کے مقابلے میں ایک طبقہ مسلمانوں کا ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ جس کا پیر نہ ہو یا جو کسی کا مرید نہ ہو اس کی تو نجات بھی مشکل ہے چہ جائے کہ وہ اچھا مسلمان ثابت ہو سکے۔

(3) ایک تیسری رائے یہ ہے کہ جو کچھ تصوف کے نام پر کیا جاتا ہے یہ ایک متوازی اسلام ہے اور یہ ہندوؤں سے سیکھا گیا ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

(4) اس کے مقابلے میں چوتھی رائے یا مسلمانوں کا چوتھا طبقہ جو عمل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام میں اپنے پیر کا تعاون ضرور چاہتے ہیں' ان کا بچہ روتا ہے تو پیر بہلانے کے لئے موجود ہے' ان کی گائے بیمار ہوتی ہے تو ان کا پیر اسے شفا دیتا ہے۔

فرمایا :- اصطلاحی مفہوم میں تصوف اس عمل کو کہتے ہیں کہ کوئی تصفیہ قلب' صفائی باطن یا تزکیہ حاصل کرے اور پھر دوسرے تک منتقل کرنے'

یہ عمل

دوسرے کے قلب یا باطن کو بھی صفا کرنے پر عبور حاصل کرے۔ یہ عمل اصطلاحی تصوف کہلاتا ہے۔ یہ ایک بہت احترام' عزت اور اہمیت کا شعبہ ہے۔ کوئی بھی شخص جو یہ کام کرتا ہے لامحالہ اسے اس کے سارے طلباء بہت زیادہ عزت دیتے ہیں' اہمیت دیتے ہیں اس وجہ سے بہت سے لوگوں نے جھوٹ موٹ اس کا دعویٰ کر کے بہت سی رسومات اور خرافات جاری کر دیں۔ دوسری سب سے بڑی مصیبت جو اس میں آئی' اُس کا موروثی ہو جانا تھا۔ اگر کوئی واقعی فن کے ماہر اور اتنے بڑے بزرگ تھے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے دل کی صفائی حاصل ہوتی تو جیسے ان کی آنکھ بند ہوئی' ان کا بیٹا' خواہ وہ بے دین تھا' نالائق تھا' ان پڑھ تھا' بدکار تھا' لیکن صرف بیٹا ہونے کے ناطے سے اسے ان کی جگہ' ان کے منصب پر بٹھا دیا گیا۔ اب وہ جانتا تو کچھ تھا نہیں پھر اس نے اس میں رسومات اور باجے گانے اور کھانا پینا اور اس طرح کی چیزیں شامل کر کے اسے نباہے رکھا۔

ظلمت و حیاتِ قلب

فرمایا :۔ جب کلی طور پر دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اس پر مہر لگ دی جاتی ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے لئے واپسی کا دروازہ اس ناقدری کی سزا کے طور پر بند کر دیا جاتا ہے کہ اللہ نے اسے جو قلب عطا فرمایا' جو جمال باری کی استعداد رکھتا تھا' اللہ کریم سے بات کرنے' بات سننے کی استعداد رکھتا تھا' ساری کائنات کو چیر کر عرش عظیم سے بالاتر عالم امر اور لامکان تک پہنچنے کی استعداد رکھتا تھا۔ اس کو اس نے بُری طرح سے ضائع کیا۔ نفس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات' دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذات میں مبتلا ہو کر اسے تباہ کر دیا۔ جب یہ کلی طور پر تباہ ہو جاتا ہے تو دوبارہ بنانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ گرتے پڑتے اگر اس کا کوئی کھنڈر باقی رہے تو توبہ سے مرمت ہو سکتی ہے۔ دوبارہ تعمیر ہو سکتا ہے لیکن ایک درجہ ایسا بھی آتا ہے جب توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے۔

اس دور کی بے یقینی اور بدقسمتی ہے کہ حیاتِ قلب کا حصول تو دور رہا

اس بات کا اقرار کرنے سے لوگ گریزاں ہیں کہ یہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ رابطہ الٰہی اور وہ تعلق جو بحیثیت مخلوق اپنے خالق سے استوار کیا جا سکتا ہے یا تکمیل ایمان جس آپ اسے محبت رسول اللہ ﷺ کا نام دیں یا عشقِ رسولؐ کا نام دیں۔ عملی طور پر یہ کیسے ممکن ہے؟

فرمایا۔ آپ نے کسی حد تک ضرور تجربہ کر لیا ہو گا کہ ذکرِ قلبی اور حیاتِ قلبی کی جستجو میں نکلنے کے بعد گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے۔ نیکی کی لذت اور اس کی شیرینی محسوس ہوتی ہے اور ذکر میں آنے سے پہلے اور اس کے بعد نمازوں میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل وہ شے ہے جو اس مٹھاس کو محسوس کرتا ہے جب ہم اس کی حیات کی طرف چلتے ہیں۔

موت

فرمایا۔ یہ موت فنا نہیں بلکہ بقا کی طرف ایک گزرگاہ ہے۔ جسے ہم موت کہتے ہیں یہ عالم برزخ سے لئے پیدائش ہے۔ جیسے انسان شکمِ مادر سے اس دنیا میں آ جاتے ہیں تو یہ دنیا برزخ کے لئے ماں کا پیٹ ہے۔ جب یہاں سے جاتا ہے برزخ میں پیدا ہو جاتا ہے اور یہ پیٹ خالی کر جاتا ہے، فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی منزل کی طرف ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ جب ایک قدم اور آگے بڑھے گا تو برزخ سے میدان حشر میں پہنچ جائے گا جب کہیں آخری منزل کو پائے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ منزل کیا ہو گی اور اسے انسان کیسے پائے گا یہ اس مادی عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ یہ مادی عقل وہاں تک نہ کام کر سکتی ہے نہ مادی نگاہ وہاں پہنچ سکتی ہے نہ یہ مادی کان وہاں کی آواز سن سکتے ہیں۔

معرفت

فرمایا۔ اس دنیا میں انسان کو آنکھیں دی گئیں۔ کانوں سے بہرہ ور ہوا تریاق اور زہر کی تمیز دی اور میٹھے کڑوے سے آشنا کیا گیا۔ ایسے ہی اسے عقل و

شعور دیا۔ اِسی شعور کو جو حق کی جستجو میں' حق کی طلب میں استعمال ہوا اِسی کو معرفت کہتے ہیں۔ یہاں جو شعور سے رِند بنے وہ زندگی ہار جاتا ہے۔ بغیر اس معرفت کے چلنے والا انسان روحانی خودکشی کرتا ہے۔

قُرب و بُعد

فرمایا:- انسان اگر ذات باری سے دور ہوتا چلا جائے تو دل انوارات سے خالی ہو کر شیطان کی قرار گاہ بن جاتا ہے۔ پھر جوں جوں دور ہوتا جائے تو شیطان کو کھل کر کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ پھر ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن قربِ الٰہی کی صورت میں ابتداء ہی نورانیت کے ظہور سے ہوتی ہے اور جوں جوں ترقی نصیب ہوتی جاتی ہے نورانیت بڑھتی چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ملائکہ مقربین کا نزول قلب پر ہوتا ہے جو اس کے لئے بشارت' سکون اور اطمینان کا باعث بنتے ہیں۔

فرمایا:- ہم نے دو خانے بانٹ لئے ہیں۔ دین مسجد میں ہے اور بازار میں ہم آزاد ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ اس پر دین ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سیاست میں یا اپنی عملی زندگی میں' دنیا کمانے اور خرچ کرنے میں' دوستی یا دشمنی میں ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ایسی بات نہیں ہے زندہ رہنے کے لئے جو طرزِ حیات اپنایا جائے اس کا نام دین ہے۔

منازلِ قُرب کے شرائط

فرمایا:- اکلِ حلال کا اہتمام اور صحبتِ بد سے احتراز کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ پوری یکسوئی سے' نہایت پابندی سے ذکر الٰہی کریں۔ پوری قوت سے' تیزی سے' سانس کے ذریعے ذکر کریں۔ اس قوت اور تیزی سے دو اثرات مرتب ہوتے ہیں اول توجہ ایک مقصد پر مرتکز رہتی ہے دوم خون میں خاص گرمی پیدا ہوتی ہے جو اخذ فیضان کے لئے اور جذب انوارات کے لئے ضروری

ہے۔ اگر یہ گرمی پیدا نہ ہو تو شیخ کی توجہ سے انوارات آتے ہیں مگر طالب کے قلب میں جذب نہیں ہوتے۔ جب تک انوارات میں جذب نہ ہو منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں۔ ہاں ذکر الٰہی کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ محض ثواب ملنا اور بات ہے اور منازل قرب کی طرف بڑھنا اور بات ہے۔

ذکر' سکون اور تکمیل انسانیت

فرمایا:- اس ساری تخلیق میں ایک انسانیت ایسی مخلوق ہے جسے وہ شعور بخشا گیا کہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی عظمت کو جان سکتی ہے اور یہ وہ راز ہے جسے نہ فرشتہ سمجھ سکتا ہے نہ جن' نہ حیوان' نہ زمین' نہ آسمان' نہ کوئی دوسری مخلوق۔ ساری مخلوق وجودِ باری کا اقرار کرتی ہے' اللہ کے حکم کی اطاعت کرتی ہے لیکن ذاتِ باری سے آشنائی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان میں یہ شعور ہے نہ ان میں یہ جرأت ہے' نہ ان کی قوت برداشت ہے۔ تجلیاتِ ذاتی کو انسان کے سوا دوسری مخلوق برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ ایک وصف ہے انسان میں اور یہ مطلق انسان میں ہے۔ اس لئے کوئی بھی شخص مدتوں کافر رہے اگر اسے ایمان نصیب ہو جائے تو اس کا قلب منور ہو سکتا ہے۔ سارے انعامات قرب اور سارے منازل قرب جتنے اللہ نصیب کرے وہ حاصل کر سکتا ہے یعنی انسانی خصوصیت اس میں موجود رہتی ہے۔

فرمایا:- اس کا ایک ذریعہ ہے جو خود اللہ نے تجویز فرمایا اور وہ یہ ہے کہ تم میرا نام دہراتے رہو۔ صرف اسی سے میری محبت' میرا پیار تمہارے دل میں بسے گا۔ صرف یہ ایک ذریعہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ کی محبت اللہ کی معرفت' اللہ جل شانہ کی طلب آ جائے۔

فرمایا:- تم میرا نام دہرانا شروع کر دو' دل میں اطمینان آنا شروع ہو جائے گا۔ صرف اسم ذات کی تکرار سے محبت الٰہی کا رشتہ استوار ہونا شروع ہو جائے گا۔ جب دل میں اللہ سے بات کرنے کی طلب پیدا کر لی' اللہ کو دیکھنے کی

طلب پیدا کر لی' اللہ تعالیٰ سے روبرو ہونے کی آرزو پیدا کر لی تو پھر یہ سارا نظام ازخود درست ہونا شروع ہو جائے گا۔

حُسنِ ظن

فرمایا :- کوئی بھی آدمی دوسرے کو پرفیکٹ نہیں دیکھتا۔ اس لئے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا شاید دوسرے کے پاس جواب موجود ہے لیکن ہم اسے ناجائز ہی سمجھ رہے ہوں۔ اولیاء اللہ میں ایک پورا سلسلہ اور ایک پورا طبقہ گزرا ہے جنہیں ملامتی کہتے تھے۔ آج کل جو ملامتی کہلاتے ہیں یہ تو واقعی جرم کرتے ہیں اور انہوں نے انہیں بھی بدنام کر دیا۔ وہ لوگ ایسا کرتے تھے کہ جو کام ان کے لئے شرعاً" جائز ہوتا تھا وہ دوسروں کو وجہ بتائے بغیر اس کا اظہار کر دیتے تھے یہ بات ہر جگہ پائی جا سکتی ہے کہ ہم جس آدمی پر بدگمانی کر رہے ہیں' جو کچھ وہ کر رہا ہے ممکن ہے اس کی کوئی دلیل اس کے پاس ہو تو ہم بلاوجہ بدگمان ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی آدمی کو اگر یہ خیال ہو کہ لوگ مجھے سمجھیں گے کہ یہ بالکل ہر طرف سے صحیح آدمی ہے تو پھر اسے قبر میں جانے کا انتظار کرنا ہو گا۔ مرنے کے بعد عموماً" لوگ یہ مانتے ہیں' زندگی میں تو مشکل ہے بلکہ معاملہ رب العالمین کے ساتھ صحیح رکھنا چاہئے اور اپنے مقصد پہ نگاہ رکھنی چاہئے۔

مقامات

فرمایا :- یہی حال انسان کا بھی ہے کہ اس میں ہزاروں کھوٹ' کفر' گناہ' کذب عیوب مل جائیں جب بھی بارگاہ نبوت میں آئے گا پھر کندن بن جائے گا تو گویا تصوف کا ایک بنیادی مسئلہ حل ہو گیا کہ ہر شخص میں مقامات کو حاصل کرنے کی استعداد موجود ہے فطری طور پر جبلی طور پر اب کوئی کہاں تک پہنچتا ہے اللہ کی عطا مقدم ہے سب پر اور استعداد بھی اللہ کی عطا ہے لیکن اس کے ساتھ

بڑی حد تک تعلق اس شخص کے یقین اور اس شخص کی طلب صادق کو ہے کہ وہ کتنے خلوص سے مانگتا ہے' کتنے یقین سے طلب کرتا ہے اور جتنا خلوص اور جتنا یقین ہو گا اتنی ہی وہ محنت کرے گا۔

برزخ سے فیض اور بلندی درجات

فرمایا: موت کوئی ایسی بلا نہیں ہے جو انسان کو نگل لیتی ہے۔ بلکہ یہ ایک تبدیلی ہے' یہاں بدن مکلف بالذات ہے۔ موت آتی ہے تو بدن کو سلا دیتی ہے اور روح مکلف بالذات ہو جاتی ہے۔ لیکن موت اس کا تعلق دنیا سے یکسر ختم نہیں کر دیتی۔ اس کا تعلق دنیا سے قائم رہتا ہے۔ برزخ کا ایک سرا دنیا سے ملا ہوا ہے اور ایک سرا آخرت سے' برزخ درمیان میں ہے۔ ایک آدمی کوئی نیک کام کر کے چلا گیا' جب تک وہ نیکی باقی ہے موت اس نیک عمل کے درمیان دیوار پیدا نہیں کر دیتی۔ جب تک وہ نیکی چلتی رہے گی اس کا ثواب اس کو وہاں پہنچتا رہے گا۔ جو تصوف ہم نے ہندوازم سے لیا ہے اس میں برزخ میں بیٹھے ہوئے بزرگوں کو' دنیا سے چلے جانے والے لوگوں کو پکڑ کر ان سے دنیا کے کام نکلوانا چاہتے ہیں۔ یہ فلسفہ بنیادی طور سے غلط ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ برزخ میں ہیں یا قبروں میں آرام کر رہے ہیں وہ وہاں سے آئیں' یہاں ہمارے کھیتوں میں ہل جوتیں' یہاں ہمارے مقدمات لڑیں' یہ منطق الٹی ہے۔ ایک شخص دنیا کے جھمیلوں سے فارغ ہو گیا' وہ اس زندگی کا مکلف ہی نہیں ہے تو اس کو کیا ضرورت ہے کہ جس زندگی کا وہ مکلف ہی نہیں ہے اس میں مداخلت کرے۔ برزخ کی زندگی سے یہ مراد نہیں ہے جو جہلا لیتے ہیں۔

دینی امور میں رہنمائی حاصل کرنا' برکات حاصل کرنا' ذکر اذکار کرنا' انوارات حاصل کرنا' قوت روحانی حاصل کرنا اسی کو اصل میں فیض کہا جاتا ہے۔ تصوف میں فیض سے مراد یہ ہے کہ آپ وہ قلبی برکات' روحانی قوت و استعداد اور وہ کیفیات حاصل کریں جو اس روحانی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ

تو انہیں برزخ میں ترقی بخشتی ہیں' وہاں بھی اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے' برکات میں اضافہ نہ ہو تو قوت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ برزخ میں درجات میں اضافہ ممکن نہیں' برکات وہی رہتی ہیں جو وہ دنیا سے لے کر گیا۔ درجات میں اضافہ کرنے کے لئے وہ جو دنیا میں موجود ہے اگر وہ کوئی نیکی کرے اور اس کو بخشے یا وہ کوئی نیکی دنیا میں چھوڑ گیا وہ پھیل رہی ہو۔ تو دنیا میں جو عمل ہوتا ہے اس کے طفیل درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ جو عمل کوئی برزخ میں کرتا ہے اس کے طفیل درجات میں ترقی نہیں ہوتی کیونکہ وہ برزخ میں عمل کا مکلف ہی نہیں رہا۔

کوئی شخص تالاب بنوا گیا' کنواں بنوا گیا' اس کا عقیدہ درست تھا' مومن تھا' دیندار تھا' صحیح تھا' گناہ گار بھی تھا۔ ممکن ہے اس نے کوئی ایسا ادارہ بنوا دیا ہو جہاں دین سکھایا جاتا ہے تو کبھی اس کی نجات ہو جائے اور اسے برکات نصیب ہو جائیں یا نیک تھا اسے مزید ثواب پہنچتا رہے۔ تو جو عمل دنیا میں ہوتا ہے اس کے طفیل درجات بھی بڑھ سکتے ہیں۔ آپ ایصالِ ثواب کرتے ہیں' آپ حج کر کے بخش دیتے ہیں اور اس طرح کے کام کرتے ہیں تو اس سے ترقی درجات ہو سکتی ہے۔ لیکن ازخود برزخ میں رہ کر اللہ اللہ کر کے یا جو توجہ حضرات دیتے ہیں اس سے ان کی قوت بڑھتی ہے درجات نہیں بڑھتے۔

روح پر گناہ کے اثرات

فرمایا :- اور یاد رکھیں جب روح میں زندگی آ جاتی ہے تو جس طرح جسم زندہ ہو' صحت مند ہو' تو اسے کھانے کی بھوک لگتی ہے' اسی طرح جب روح میں صحت اور تازگی آ جاتی ہے تو اسے ذکر و اذکار کی' عبادت کی' رکوع و سجود کی بھوک لگتی ہے۔ اب ہمارا مسجد میں آنے کو جی نہیں چاہتا لیکن جب روح میں طاقت آ جاتی ہے تو پھر مسجد سے جانے کو روح نہیں چاہتا۔ چونکہ اسے وہاں وہ ساری چیزیں ملتی ہیں جو اس کی قوت' جو اس کی حیات کا سبب ہیں اور اگر

گناہ کی تلخی محسوس نہ ہو یا عبادات کے چھوٹ جانے سے کوئی ذائقہ نہ بگڑے تو سمجھ لو کہ اگر روح مری نہیں تو بے ہوش ضرور ہے' یا سو ضرور رہی ہے۔ اگر یہ نسبت ٹوٹ جائے تو روح پر موت تو نہیں آتی روح کی موت تو کفر ہے یعنی روح کی موت سے مراد یہ ہوتا ہے کہ انسان اسلام سے خارج ہو کر کفر کی وادیوں میں بھٹک جاتا ہے۔ اگر روح زندہ رہے پھر ایمان نصیب رہتا ہے۔ لیکن صرف زندگی نہیں۔ اس کے ساتھ صحت زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شخص [illegible] ہے' نہ اٹھ سکے نہ بیٹھ سکے' نہ دیکھ سکے' نہ سن سکے' نہ کھا سکے' نہ پی سکے تو اسے کتنی دیر زندہ رکھیں گے اور اسے کون زندہ تصور کرے گا۔ اگر روح کا یہی حال ہو کہ وہ نہ عبادت کا مطالبہ کرے' نہ تلاوت کا مطالبہ کرے' نہ اسے گناہ کی کڑواہٹ محسوس ہو' نہ اسے برائی کی تلخی محسوس ہو تو سمجھیں وہ اسی جسم میں برائے نام زندہ ہے۔

تصوف کا خلاصہ

فرمایا:۔ تصوف تو محض نام ہے اس کیفیت کا' جس میں کامل اتباع نبوت نصیب ہو جائے۔ ایسا حال کہ صرف ظاہری طور پر نہیں' صرف اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ دل پر بھی ایسی کیفیات وارد ہوں کہ آدمی خلوص دل سے' دل کی گہرائیوں سے اتباع رسالت کا متمنی ہو جائے اور عملاً" اس کے اعضاء و جوارح اتباع رسالت کی طرف چلنا شروع کر دیں۔ اور اگر غلطی ہو جائے تو اس کا اسے دکھ لگے اور اس کی پوری محنت' پوری توجہ' پورے خلوص کے ساتھ اتباع رسالت کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس مقصد کو پانے کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے اسے تصوف کہا گیا ہے۔ اس میں جو استاد ہے' جو سکھانے والا ہے' جو اس فن کی تعلیم دینے والا ہے اسے شیخ کہتے ہیں۔ جو طالب ہے جو سٹوڈنٹ ہے اسے مُرید کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر تصوف یہ ہے کہ جتنا جتنا آپ کا دل روشن ہو' جتنی جتنی اس میں اللہ جل شانہ کی تجلیات آئیں' جتنے جتنے اس میں نبی کریم ﷺ

کے انوارات آئیں اتنا ہی آپ کی دنیوی زندگی کو ایک توازن' ایک حسن' ایک اعتدال عطا کرتے چلے جائیں اور عملی زندگی معتدل اور متوازن ہوتی چلے جائے۔

۷ باب ششم

تربیت روح اور اس کے متعلقات

حقیقت روح

فرمایا :- اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے کہ روح میرے امر سے ہے۔ امر اللہ کی صفت ذاتی ہے اور ازلی و ابدی ہے جسے فنا نہیں تو اس طرح روح کو بھی فنا نہیں۔ پھر روح کا رشتہ ذات بدن سے اس قدر قوی ہے کہ یہ بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔ دوزخ میں رہے یا جنت میں' انسان مخلوق ہے' حادث ہے لیکن اللہ نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ہمیشہ رہے گا پس یہ رشتہ برزخ میں ٹوٹ نہیں جاتا جیسا کہ فرعون اور اس کی آل غرق ہوئی اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا کہ غرق ہوئے اور فوراً" آگ میں داخل ہوئے یہاں اغرقوا سے مراد صرف ان کے ارواح نہیں بلکہ انسان یعنی روح مع الجسد ہے تو ادخلوا کا مصداق بھی وہی ہے کوئی قرینہ موجود نہیں کہ اُدْخِلُوْا سے صرف ارواح مراد لی جائیں فرعون کا جسد عنصری اگرچہ آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہے مگر برزخ میں آگ میں بدستور جل رہا ہے کہ صبح و شام آگ تازہ بتازہ بھیج دی جاتی ہے پس روح برزخ میں کسی جگہ بھی ہو اور جسم کسی صورت میں بھی ڈھل جائے اس کے ہر ذرے کو روح سے تعلق رہتا ہے اور اس کا انکار کرنے والوں کو آپ دیکھیں تو کبھی جسم مثالی گھڑتے ہیں کبھی گڑھے کے قبر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور کبھی سرے سے عذاب و ثواب کا انکار۔

سیر روحانی

فرمایا :- جب ساری تخلیق کی حدود ختم ہو جاتی ہیں تو اس سے بالاتر عالم امر کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ عرش ہے' کرسی ہے' جنت ہے' فرشتے ہیں' یہ

ساری چیزیں مخلوق ہیں۔ جب عرش و کرسی کی حدود بھی ختم ہو جاتی ہیں جہاں ملائکہ کی پہنچ ختم ہو جاتی ہے' جنت بھی پیچھے رہ جاتی ہے' بلندیاں دم توڑ دیتی ہیں' جہاں وجود کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا' تخلیق کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا' ان بلندیوں سے عالم امر کی سرحد کی ابتداء ہوتی ہے۔ اب جو شخص اپنی اس حیثیت کی طرف پلٹتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح وہ مادی حیثیت کی طرف پلٹے گا تو اسے مادی غذا' مادی لذتیں' مادی دوائیں درکار ہوں گی۔ اس طرف پلٹے گا تو اسے روحانی غذا' روحانی برکتیں' روحانی قوتیں درکار ہوں گی اور جس کا عالم امر سے رابطہ جتنا مضبوط ہوتا جائے گا اسے اتنا ہی عروج' روحانی ترقی' روحانی قوت نصیب ہو گی اور اس دنیا میں رہ کر بھی وہ پُرلطف زندگی گزار سکے گا۔

روح و جسم کا باہمی تعلق

فرمایا: دراصل جب قیامت بپا ہو گی تو بدن اور روح دونوں برابر مکلف ہو جائیں گے۔ جتنی بدن میں استعداد ہو گی۔ اتنی ہی روح میں بھی استعداد ہو گی جس طرح اب بدن دیکھتا ہے میدان حشر میں روح بھی اس طرح دیکھے گی' روح نظر بھی آئے گی یعنی اس سے پہلے زندگی آدھی رہی۔ عالم ارواح میں روح ہے بدن نہیں۔ دنیا میں بدن مکلف تھا روح اس کے تابع تھی برزخ میں گئے تو روح مکلف بالذات بدن اس کے تابع ہو گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زمین کھا گئی' گل گیا' اس کے اجزاء کہیں بھی چلے جائیں روح کے ساتھ اس کا تعلق براہ راست رہتا ہے ثواب ہو یا عذاب' روح کو ہوتا ہے اور روح کی وساطت سے ہر ذرے تک پہنچتا ہے جو اس بدن کا حصہ کبھی رہا ہو اور جسم کے ذرات جہاں بھی ہوں وہاں تک ہوتا ہے۔ اب زندگی کا جو اس سے اگلا دور ہے وہ ہے میدان حشر' حشر جب قائم ہو گا تو اس وقت روح اور بدن دونوں میں برابر حیات آ جائے گی یعنی جو جسمانی تکلیفیں ہیں وہ بھی ہم محسوس کریں گے اور جو روحانی لذتیں یا روحانی تکلیفیں ہیں وہ بھی محسوس کریں گے اور سارے

انسان کریں گے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر۔ اللہ کریم نے سعادت مند ارواح کے لئے جنت کی زندگی یہاں عطا فرما دی یا وہ آخرت کی زندگی یا وہ مکمل سالم زندگی جو عرصہ محشر میں نصیب ہو گی نور نبوت سے وہ یہاں نصیب ہو جاتی ہے۔ انبیاءؑ کی زندگی اس کا نمونہ ہوتی ہے' فرشتوں سے ہم کلام ہوتے ہیں' جنت و دوزخ کو دیکھتے ہیں اس طرح دنیا کو بھی دیکھتے ہیں' دنیاوی رنج و الم بھی پاتے ہیں' گرمی سردی بھی محسوس کرتے ہیں یعنی دونوں اعتبار سے روحانی لحاظ سے بھی وہ زندہ ہوتے ہیں ان کی روح بھی پیچھے قید نہیں ہوتی' روحانی زندگی بھی ہوتی ہے جسمانی زندگی بھی ہوتی ہے اور یہی کمال ان کا حصہ ہوتا ہے اب ساری دنیا ایک جسم سے چلتی ہے اور مومن جسمانی اور روحانی حیات کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ مسلمان اور غیر مسلم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جس نعمت کا غیر مسلم کو وہاں جا کر پتہ لگے گا وہ مومن کو یہاں نصیب ہوتی ہے بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ۔ اور ہر دور میں ہر نبیؑ نے یہی نعمت تقسیم فرمائی۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ وہ حقائق' وہ انعامات اخرویہ' وہ نور ایمان' حیات قلبی وہ حیات روحانی جو وہاں جا کر اوروں کو نصیب ہو گی مومن کو یہاں مل جاتی ہے۔ یہاں نور ایمان سے یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ برائی کی صحیح صورت اور بھلائی کا حسن سامنے آ جاتا ہے۔

جس طرح دنیا میں روح خیال کے تابع ہوتی ہے تو برزخ میں کس کے تابع ہوتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ یہ کیسے سمجھ لیا آپ نے کہ روح خیال کے تابع ہوتی ہے غالباً" اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جہاں جہاں خیال کیا جائے وہاں روح پہنچتی ہے۔ روح خیال کے تابع تو تب ہوتی کہ جب' جو شخص جیسا سوچتا اس کی روح وہاں پہنچ جاتی پھر تو روح خیال کے تابع ہوتی لیکن یہ سب کا تو نہیں ہے۔ وہ تو صوفی میں ایک استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے روح کو کہیں لے جانے کے لئے یا روح کے سفر کے لئے وہ اس طرح سوچتا ہے تو روح میں یہ قوت ہے کہ وہاں پہنچ جاتی ہے۔ یہ خیال کے تابع تو نہ

ہوئی۔ یہ تو روح کے پہنچنے کا ایک عمل ہو گیا۔ روح برزخ میں تابع ہوتی ہے ان حالات اور واقعات کی جو دنیا میں ہم کرتے ہیں' ہمارا جو عمل ہوتا ہے' ہمارا جو کردار ہوتا ہے جس عقیدے اور جس خلوص کے ساتھ ہوتا ہے' وہی روح کے لئے راستہ متعین کرتا ہے اور وہ دو طرح کے کردار ہوتے ہیں۔ ایک عقیدہ اور کردار ایک بوجھ بن جاتا ہے جسے روح کو اٹھانا ہوتا ہے اور دوسرا جو روح کو اٹھاتا ہے تو یہ شریعت اور اس کے خلاف نہ چلنے والے اعمال سے واضح ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ روح کو نہ زوال ہے نہ فنا تو پھر دنیا میں کافر و مسلمان دونوں کے اعمال پر مختلف اثر کیسے ہوتا ہے؟

فرمایا :- روح دو طرح سے ہے۔ جسے آپ انرجی کہہ لیں' جس کے سبب جسم میں حیات رواں ہے بالکل اس طرح جیسے ہر ذی روح میں ہے لیکن ایک انسانی شرف اس میں اس کے علاوہ ہے کہ انسان میں تجلی عالم امر سے ہے وہ ہر پیدا ہونے والا لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن جب وہ بالغ ہوتا ہے تو وہ اگر کفر اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے۔ لیکن اختیار انسانی کی استعداد باقی رہتی ہے اس تعلق کو دوبارہ جوڑنے کی۔ اس تعلق کے کٹ جانے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ پھر اس میں پاکی و پلیدی' نیک و بد کا احساس مٹ جاتا ہے اور کسی کافر کو آپ ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ معقول و غیر معقول کو دیکھ سکے۔ اس میں وہ انسانی عظمت رہتی ہی نہیں۔ اس روح کا تعلق کٹ جانے سے باقی جسم اور اس کا حیوانی روح جہنم کی سزا بھگتے گا کیونکہ وہ تو ایک تجلی باری ہے اسے تو جہنم میں نہیں جانا۔

یعنی لطیفہ ربانی میں جو تجلی باری ہے وہ کافر ہونے پر سلب ہو جاتی ہے اور باقی جو عنصر رہ جاتا ہے وہ صرف مخلوق کا ہوتا ہے۔ یہی تو آزمائش ہے کہ اس میں جو تجلی رب کریم کی ہے اس کو محفوظ رکھنے کا نام ایمان ہے اور ان تجلیات سے محروم ہو جانا اور صرف ایک تخلیقی عنصر کو باقی رکھنا یہ کفر ہے۔ دوزخ میں تجلیات باری تو نہیں جائیں گی۔ چونکہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے دنیا

ی میں اس سے دستبردار ہو گیا باقی تو تخلیقی عنصر تھا۔ ہاں روح بھی ایک مخلوق ہے جس کی بنیاد تجلیات باری پر ہے یعنی روح کا کوئی بیج نہیں ہے' اس کا کوئی ماں باپ نہیں ہے بلکہ وہ جو تجلی فرمائی ذات باری نے اس سے اس کی تخلیق ہوئی جس نے اس نور کو ضائع کر دیا اور خالی تخلیقی عنصر رہ گیا تو وہ کافر ہے اب وہ جہنم جائے کہ نہ جائے۔

کمال ربوبیت اور تربیت روح

فرمایا :- جس طرح بدن کی بقاء کے لئے غذا کی ضرورت ہے اسی طرح روح کی زندگی' روح کی بقاء' روح کی ترقی' روح کی صحت اور روح کی خوشی اور خوشحالی کے لئے دین کی ضرورت ہے اور دین ربوبیت باری تعالیٰ کا مظہر ہے اس لئے کہ وہ رب العالمین ہے۔اصل انسان روح ہے۔ وجود تو روح کی ضروریات کا ایک آلہ ہے۔ روح چونکہ ایک لطیف شے ہے اور اس عالم مادی میں رہتے ہوئے اسے ایک مادی آلے کی ضرورت تھی جس کے ذریعے وہ ان مقامات کو پا سکے جو اس کے لئے سزاوار ہیں۔ تو جب مرکب و سواری اور آلے کو اتنی اہمیت رب العالمین نے دی تو اصل انسان یعنی روح کی ضروریات کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔اور پھر ربوبیت بھی کامل کس طرح ہوتی کہ وہ کہ ماس نصف کا جو غیر ضروری ہے اہتمام کر دیا اور اس نصف کا جو اصل ہے' جو ضروری ہے' جس پر مدار ہے' اس کا اہتمام نہ کیا جاتا۔

روح کا مسخ ہونا

فرمایا :- بالکل صحیح بات ہے کہ جانور میں بھی ایک معیار ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ کسی کی شکل حلال جانور پر ہو تو کم از کم وہ نجات کا امیدوار ہوتا ہے۔ اگر بندہ کے اس پائے کے اعمال نہ ہوں لیکن ایمان ضائع نہ ہوا ہو' کوتاہیاں ہوں کمزوریاں ہوں تو اس کی شکل انسانی نہیں رہتی۔ جب وہ

انسانی معیار سے نیچے آتا ہے تو حلال جانور جیسی رہتی ہے اور اس کی نجات کی امید ہوتی ہے۔ اگر ایمان پر بھی زد پڑ جائے تو پھر شکل مسخ ہو کر موذی جانوروں جیسی اور مردار جانوروں جیسی ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جسے رویت اشکال کی سمجھ ہو اصلی حالت دیکھ سکتا ہے۔ شروع میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ یہ مراقبہ کرایا کرتے تھے پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بند کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے اس دروازے کو چھیڑا بھی نہیں۔ رویت اشکال کا مراقبہ اگر توجہ دے کر کرایا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس شہر میں کتنے انسان ہیں اور کتنے انسانی معیار سے گر چکے ہیں اور کتنے حلال جانوروں کی شکل پر اور کتنے بے شمار لوگ اژدھے' خنزیر' ریچھ اور بندر بن چکے ہیں۔ تو یہ بگڑی ہوئی شکلیں جہنم میں بھی اسی طرح جائیں گی۔ انہیں انسانی صورت عطا نہیں ہو گی کیونکہ انسانی صورت صرف اہل جنت کی ہو گی اور اللہ کے ان بندوں کی جنہیں نجات نصیب ہو گی۔

جسم مثالی کو سزا کیوں؟

فرمایا:- جسم مثالی غریب نہ دنیا میں آیا' نہ اس کی طرف کوئی نبی مبعوث ہوا' نہ اس کے لئے کوئی حکم نازل ہوا۔ نہ پہلے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی اسے عذاب کس بات کا؟ اس جسم مثالی کا قصور کیا ہے کہ اسے عذاب دیا جائے یا اس نے کون سا مجاہدہ کیا جو اسے ثواب ملے۔ آپ سردی میں اس جسم کو اٹھاتے ہیں' وضو ٹھنڈے پانی سے یہ جسم کرتا ہے' میدان جہاد میں جاتا ہے' زخم کھاتا ہے' سجدے کرتا ہے اور اس کا بدلہ لینے کے لئے ایک اور جسم پیدا کر دیا جاتا ہے اور انعام اسے دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جرم یہ وجود کرتا ہے' لذت یا تکمیل خواہش اس جسم کو حاصل ہوتی ہے اور عذاب کے لئے کسی اور کو اسی وقت پیدا کر کے سزا دی جاتی ہے۔

زندہ انسانوں کے ساتھ کلام بالروح

فرمایا:- زندہ انسانوں کے ساتھ کلام بالروح ممکن ہے' لیکن ہمارے ہاں

کروائی نہیں جاتی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ آپ نے کئی دفعہ پڑھا ہو گا مجتہد فی التصوف۔ یہ محض عقیدت کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا بلکہ آپ نے اس میں ایک تجدیدی کارنامہ کیا اور چونکہ یہ دین کا مغز تھا اس لئے اتنا ہی ضروری تھا جیسے زندگی کے لئے دل کی دھڑکن ضروری ہوتی ہے۔ اس طرح دین کی بقاء کے لئے اس کی ضرورت تھی تو آپ نے بہت سی وہ چیزیں کانٹ چھانٹ کر رکھ دیں جن میں عام آدمی کے الجھنے کا اندیشہ تھا' جن میں غلطیاں لگنے کا اندیشہ تھا' جن میں گمراہی کا خطرہ تھا اور جو قرب الہی کے لئے ضروری نہیں تھیں مثلاً" اگر کوئی درختوں سے بات کر لیتا ہے تو اس سے قرب الہی میں کیا ترقی نصیب ہو گی لیکن نقصان کا اندیشہ اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ پھر اس کے لئے ایک اور استعداد چاہئے کہ وہ سمجھ سکے کہ کلام میرے ساتھ درخت نے کیا ہے یا درخت کے پردے میں شیطان بول رہا ہے یا میرا نفس ہی مجھ پر القاء کر رہا ہے اور میں سمجھ رہا ہوں درخت بول رہا ہے۔ تو اس میں جو خطرات تھے وہ بہت زیادہ تھے اس کا جو فائدہ تھا قرب الہی کے لئے وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ تو ایسی بہت سی باتیں حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے کانٹ چھانٹ کر ان کی اصلاح کر دی اور اسی وجہ سے آپ کا لقب مجتہد فی التصوف بھی ہے۔ یہ ہم شاگردوں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ مشائخ کی طرف سے ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک یہ تھا کہ بعض بزرگوں کے اقوال' جن کا ہمیں بے حد احترام ہے' اب بھی کتابوں میں ملتے ہیں کہ تصوف کا اظہار جائز نہیں' اسے ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر یہ دین ہے تو اس کا اظہار واجب ہے اور اگر یہ دین نہیں ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے' اس کو اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے' کیوں اس کے لئے اہتمام کیا جائے' کیوں اس پر مجاہدہ کیا جائے' کیوں محنت کی جائے۔ بات سامنے یہ آئی کہ اس میں بعض امور' بعض مراقبات ایسے ہیں جنہیں ہر آدمی نباہ نہیں سکتا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان مراقبات کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو چیزیں قرب الہی کے لئے ضروری نہیں مثلاً" کسی نے روح سے کلام کر لی تو

کیا اس کے درجات بڑھ جائیں گے' نہیں کرتا تو کون سے کم ہو جائیں گے۔
بات تو عملی زندگی کی ہے اور تصوف سے اس کیفیت کو مضبوط کرنا مراد ہے جو
عملی زندگی میں اطاعت الٰہی کے لئے ہماری مدد کرے' معاون ثابت ہو اور گناہ
سے بچنے کا سبب بن جائے۔ تو جتنا قلب منور ہو گا' جتنے لطائف منور ہوں گے'
جتنا اس کا اپنا رشتہ عالم بالا سے مضبوط ہو گا اتنی اس میں قوت بڑھتی چلی
جائے گی۔ اس لئے وہ تو ضروری ٹھہرا۔ اب یہ اضافی چیزیں تھیں۔ متقدمین بھی
فرمایا کرتے تھے اس قسم کے مشاہدات کے بارے کہ یہ تصوف کے بچوں کے
کھلونے ہیں' ان کو بہلانے کی چیزیں ہیں کہ اس میں لگے رہیں' چھوڑ کر بھاگ
نہ جائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ چیزیں اس میں سے نکال دیں۔ میرے خیال میں
ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں قوت کلام اللہ کریم کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔
دراصل یہ کمالات ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے۔ جو کمال نبی میں ثابت ہوتا
ہے وہ وراثتاً" منتقل ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں یہ وراثت چلتی ہے۔ صحیح اتباع
سے یہ سب کمالات ممکن ہیں اولیاء اللہ میں منتقل ہوں۔ اللہ قادر ہے جسے جو
نعمت عطا کر دے۔

تربیت روح کا ایک تصور

فرمایا :- روح امرباری ہے اور بہت لطیف شے ہے حتی کہ فرشتوں سے
بھی لطیف تر ہے۔ ضروریات اس کی بھی اتنی اور اسی طرح کی ہیں جیسے بدن کی
مگر وہ مادی نہیں ہیں' بلکہ لطیف ہیں۔ پھر اس کا معالج ہر کوئی نہیں بن سکتا بلکہ
یہ ایسا قیمتی فن ہے جس کے لئے افراد ازل سے چنے گئے بلکہ تخلیق ہی خصوصی
طور سے کئے گئے۔ ان ہی کو اصطلاح شریعت میں نبی اور رسول کہا گیا ہے۔ ہر
کوئی نبی نہیں بن سکتا خواہ کتنی ہی محنت کرے اس کمال کو نہیں پا سکتا۔
فرمایا :- روح کی جو غذا اور دوا ہے' روح کی جو صحت و بیماری ہے' روح
کی اپنی بقاء کا جو مسئلہ ہے وہ ایک الگ فن ہے۔ روح کی بقا کا تعلق' تعلق باللہ

پر منحصر ہے جتنا رابطہ ذات باری سے قریب تر ہو گا اتنا ہی روح قوی بھی ہو گی' صحت مند بھی ہو گی اور جس قدر اس تعلق میں کمی واقع ہوتی چلی جائے گی اسی قدر روح پریشان ہوتی چلی جائے گی حتیٰ کہ اگر یہ تعلق کٹ جائے تو یہ روح کی موت ہے۔ اب غضب اور گرفت کا تعلق آ جائے گا تو کیفیت بدل جائے گی۔ رحمت کی جگہ غضب لے لے گا اور یہ جو رحمت باری' انوارات باری اور تجلیات باری کا ربط ہوتا ہے اس کی بنیاد بھی آخر وجود انسانی بنتا ہے۔ اگر روح وجود انسانی میں داخل نہ ہو تو نہ یہ منازل کو پا سکتا ہے' نہ کسی قرب کو اور نہ یہ کسی کیفیت کو حاصل کر سکتا ہے۔ روح اگر مجرد عالم امر میں رہے تو ایسا ہی رہے گا جیسا اللہ نے اسے تخلیق فرمایا قرب الٰہی کو پانے کے لئے روح کو اس بدن کی ضرورت ہے۔ جس طرح بدن کی ایک خاص کیفیت کو روح کے ساتھ تعلق رکھنے میں ایک خاص نسبت حاصل ہے اسی طرح اس وجود کے ایک خاص ٹمپریچر کو' ایک خاص درجہ حرارت کو' خون کی ایک حدت کو انوارات جذب کرنے سے ایک تعلق ہے۔ اگر آدمی بالکل خاموشی سے بیٹھا رہے اور آرام سے اللہ ھو اللہ ھو کرتا رہے تو یہ بھی ذکر ہو گا' دل پر اثر بھی چھوڑے گا' انوارات کو اخذ بھی کرے گا لیکن اس کے لئے صدیاں چاہئیں۔

ذکر اللہ کی بدولت روح کا جسم پر غلبہ

فرمایا: ذکر اللہ کی بدولت ارواح دنیوی زندگی میں بھی اجسام پر غالب آتی ہیں۔ اہل اللہ کے جو حالات ہم پڑھتے ہیں کہ برسوں سوئے نہیں یا دنوں تک کھانا نہیں کھایا یا بالکل ایک طرف متوجہ ہو جاتا' یا بہت سے ایسے کام کرتے ہیں کہ دوسرا ایک سال میں بھی وہ نہیں کر سکتا یہ روح کا جسم پر غلبہ کی صورت ہے۔

بعض اوقات بظاہر تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ان میں جو کام ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے یا بہت تھوڑی غذا لیتے ہیں لیکن جو قوت ہوتی ہے بہت زیادہ

ہوتی ہے یا وہ بہت تھوڑا آرام کرتے ہیں لیکن ان کے پاس بشاشت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ تو یہ ساری چیزیں اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ جب روح کے احکام بدن پر غالب آنے لگیں اور اوصاف ملکوتی پیدا ہونا شروع ہو جائیں' فرشتوں جیسے اوصاف پیدا ہونا شروع ہو جائیں تو غلبہ روح سے اوصاف ملکوتی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے ایسے بندے میں وہ اوصاف بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

نجات کے اصول

راہ سلوک کے تقاضے

فرمایا :- اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے پہلی شرط عقیدت ہے جو آدمی کے اندر پیدا ہونے والے جذبے کا نام ہے' وہ جذبہ جو واقعتاً" کسی بھی ہستی میں اپنے مطلوب و مقصود کو جان کر پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت ایک ایسی عجیب شے ہے جو بنانے سے نہیں بنتی یہ پیدا ہوتی ہے طبیعت کی مناسبت سے' اگر طبائع میں تضاد ہو تو پیدا نہیں ہوتی۔ ایک شخص ذات باری کا طالب ہے' ایک شخص آخرت کا طالب ہے' ایک شخص قرب نبوی کا طالب ہے' دوسرا کوئی کسی اور شے کا طالب ہے' دنیا کا طالب ہے' اقتدار و وقار کا طالب ہے' مال و دولت کا طالب ہے۔ جب دونوں کی طلب جدا ہو گی تو دونوں کا مزاج نہیں ملے گا' طبائع نہیں ملیں گے اور جب طبائع میں تضاد ہو گا تو عقیدت نہیں بنے گی اور جب عقیدت نہ ہو گی تو استفادہ ممکن نہیں پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عقیدت جو کبھی ہو ہمیشہ قائم رہے۔ اس راہ کی مصیبت یہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی طلب مختلف ہو جائے گی عقیدت مجروح ہو جائے گی۔ خود پرستی اور انانیت آ گئی' جاہ طلبی' عہدہ طلبی آ گئی تو پھر ہوتا صرف یہ نہیں کہ راستہ جدا ہو جاتا ہے بلکہ جو کچھ اس شخص نے حاصل کر لیا ہو جب طلب بدلے تو سارا صاف ہو جاتا ہے۔

یہ راستہ بجلی کی تار کی طرح ملتا ہے' جہاں سے تار کٹ جائے اس سے آگے کچھ بھی نہیں رہتا۔ اس کے لئے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی نگرانی کرتا رہے اپنی طلب کو اپنی سمت کو بھٹکنے نہ دے اور سب سے پہلا تقاضا اس منزل کا یہ ہے کہ اپنی ساری کی ساری طلب اللہ پر' اللہ کی رضا پر' حضور نبی کریم ﷺ کی قرب کی تلاش پر مرتکز کرے اور ہر اس خواہش سے دست بردار ہو جائے جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اپنی طلب کو درست کرے اور ہمت بلند رکھے۔ لقائے باری' حضور الٰہی اور قرب نبوی علی صاحب الصلوۃ والسلام کی طلب رکھے۔ یہی طلب اسے وہاں عقیدت پیدا کرنے میں معاون ہو گی جہاں پہلے سے یہ دولت موجود ہے اور اگر یہ طلب صحیح نہیں ہو گی تو وہ کسی صحیح مخلص انسان تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

اب جہاں عقیدت ہو گی۔ وہاں ادب یقیناً ہو گا۔ جس کے ساتھ بھی عقیدت ہو اس کے ہاں بے ادبی نہیں کی جا سکتی۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اس کی اطاعت کی جائے۔ ادب شرط ہے اور ادب اطاعت کو چاہتا ہے' عدم اطاعت سے ادب نہیں ہو سکتا۔ گویا تسلسل یوں بنا کہ بنیاد عقیدت ہے اور تعلق ادب سے ہے اور ادب کا انحصار اطاعت پر ہے۔ جب یہ تین رشتے استوار رہیں گے تو بات بنتی رہے گی۔ تینوں میں سے جو ایک بھی ٹوٹے گا باقی دو کو ساتھ لے جائے گا اور پھر نقل رہ جائے گی اصل نہیں رہے گی۔ پس انسان کو سب سے پہلے محاسبہ اپنی ذات کا کرنا چاہئے۔ یہی حال اللہ نے ان لوگوں کا ارشاد فرمایا ہے جو برکات نبوی ﷺ کو بانٹتے ہیں مثلاً" اس ضمن میں اعلیٰ ترین لوگ صحابہ کرامؓ ہیں تو ان کی کامل اطاعت کا حکم دے دیا اس لئے کہ ان کی اطاعت عین رسول کریم ﷺ کی اطاعت ہے' وہ حاصل ہیں برکات نبوی ﷺ کے' جو ان کی اطاعت کرے گا بدلہ میں ان سے برکات نبوی ﷺ کو حاصل کرے گا۔ اور اطاعت نبوی اطاعت باری ہے۔ جو حضور کی اطاعت کرے گا وہ تجلیات باری کو پانے والا ہو گا تو یہ لوگ جو حاملین سلاسل ہوتے ہیں ان کے

پاس وہی برکات ہوتی ہیں جو بارگاہ نبوی سے صحابہؓ کو' صحابہؓ سے تابعین کو' تابعین سے تبع تابعین کو اور ان سے اللہ کے بندوں کو سینہ بہ سینہ وراثتاً" یعنی توراث کے طور پر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ تو ان سینوں میں سے' ان دلوں میں سے' ان خزانوں کو حاصل کرنے کا صرف اور صرف یہی ایک طریقہ ہے یہی ایک کنجی ہے اس دروازے کی' جس کی یہ تین جڑیں ہیں عقیدت' ادب اور اطاعت۔

تکمیل انسانیت کے علوم

فرمایا :- اس کے دو حصے ہیں۔ ایک انسانی جسم سے متعلق ہے اسے کیا کھانا ہے' کیا پینا ہے' اس کے لئے کیا چیز نفع بخش ہے' کیا چیز نقصان دہ ہے' کس چیز سے اس کی صحت درست رہے گی' کس چیز سے بگڑ جائے گی۔ یہ سارا علم الابدان کہلاتا ہے دوسرا شعبہ ہے علم کا انسان کی روح کے متعلق' یہ کیا شے ہے' یہ کہاں سے آئی ہے' انسان کو کس نے پیدا کیا' یہ کہاں سے آ رہا ہے' اس کی موت کیا چیز ہے' یہ پلٹ کر کہاں جا رہا ہے۔ یہ ساری مخلوق ایک سمت رواں دواں ہے۔ لاکھوں کروڑوں لوگ زیر زمین چلے جارہے ہیں کہاں جا رہے ہیں۔ کیا یہی زندگی کا خاتمہ ہے' یہی انجام ہے' یہاں بس ہے یا اس کے بعد بھی کچھ ہے یا اس سمت رواں دواں رکھنے سے کیا مطلب ہے' کس نے پیدا کیا۔ ان سارے سوالوں کا جواب اس علم میں ہے جو انسان کی روح' انسان کی تخلیق' اس کے خالق' اس کی موت اور مابعدالموت کو زیربحث لاتا ہے' اس سارے علم کو علم الادیان کہتے ہیں یعنی دین کے بارے میں معلومات۔ اب تکمیل انسانیت یہ ہے کہ جس طرح آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام ذات باری سے بھی اس طرح قریب تھے کہ براہ راست انہیں مخاطبہ باری حاصل تھا' مکالمہ باری حاصل تھا' اللہ کریم براہ راست انہیں حکم دیتے تھے' ان سے بات کرتے تھے' دنیا کی تمام چیزوں سے بھی وہ اس طرح واقف ہوئے کہ اللہ نے انہیں ساری چیزیں بتا

دیں۔ اب وہاں سے آگے جب یہ علوم چلے تو بدن کے متعلق جاننے کے لئے عقل کی ضرورت پڑی۔ اس میں نیک و بد' مومن کافر کی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے۔ مومن بھی سیکھ سکتا ہے' بدکار' فاسق و فاجر بھی سیکھ سکتا ہے۔ سارے علوم جو بدن کے متعلق ہیں اور دماغ کی سلامتی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی اگر دماغ درست ہے محنت شروع کر دے تو انسان سیکھ سکتا ہے۔ دوسرا علم جو دین کے متعلق ہے' روح کے متعلق' ذات باری اور صفات باری کے متعلق اور موت اور آخرت کے متعلق' وہ علم اتنا قیمتی تھا کہ وہ علم انسانیت کو جب بھی ملا براہ راست رب العالمین سے ملا۔ انسان انسانوں کو نہیں سکھا سکتا۔ہر زمانے میں اللہ نے نبی معبوث فرمائے جنہیں خود تعلیم فرمائی اور انبیاء علیہم والصلوۃ ولسلام نے اس علم کو یوں تقسیم فرمایا کہ جو نبی پر ایمان لاتا اس کے دل میں نور ایمان آ جاتا' اسے نبی کی تعلیمات سے فائدہ ملتا اور اگر ایمان نہ لاتا تو تعلیمات فائدہ نہ دیتیں۔ اس طرح ایمان کے بعد مقام آگیا نیکی کا۔ ایمان لانے کے بعد جو جتنی نیکی اختیار کرتا اتنی زیادہ باتیں اس کے دل میں گھر کر جاتیں اور جو نیکی میں پیچھے رہ جاتا علوم نبوت سے تھوڑا حصہ پاتا حالانکہ ایک ہی مجلس میں سب بیٹھے ایک ہی بات سنتے' ایک ہی جگہ سارا کام ہوتا لیکن بات قلبی استعداد کی تھی۔ پھر سب سے بڑی بات کہ دین کا علم دماغ کی وراثت نہ رہا یعنی دماغ درست ہو دل میں نور ایمان نہ ہو تو دین کی سمجھ نہیں آئے گی۔

فطرتِ انسان

فرمایا :- اللہ کریم فرماتے ہیں تخلیقی طور پر میں نے کسی انسان کو ایسا نہیں بنایا کہ اسے برائی اچھی لگتی ہو۔ ہر انسان فطرۃ" بھلائی کو' نیکی کو' اچھائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ نے انسان کی تخلیق میں یہ بات رکھی ہے اس لئے کوئی شخص گناہ سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کفر سے' برائی سے' شرک سے' گناہ سے لوگوں کو کیوں اطمینان نصیب نہیں ہوتا اس لئے کہ فطرت اللہ التی فطر الناس

علیہا۔ فطرۃ" ہی تخلیقی طور پر رب کریم نے انسان کو اچھائی پسند بنایا ہے۔ وہ مطمئن ہوتا ہے عقیدے کی صحت سے' عمل کی صحت سے' اچھا عقیدہ' اچھا عمل انسان کو سکون بخشتا ہے۔ نیکی سے اسے اس لئے سکون ملتا ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ فطرت انسانی کو میں نے ایسا ہی بنایا ہے کہ وہ سیدھی بات کو پسند کرتا ہے' سیدھا عقیدہ بغیر آمیزش کے ہو' عمل بغیر ہیرا پھیری کے ہو' بالکل سیدھا اور دین اسلام سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اللہ کی تخلیق کو تو تم بدل نہیں سکتے۔ انسان کی فطری تخلیق یہ ہے کہ یہ اچھائی پر ہو' نیک عقیدے پر ہو' نیک عمل کرے' نیک راستے پر چلے اور نیک انجام کو پہنچے۔ یہ ہے اس کی فطرت۔ جب اس کے خیالات خراب ہوں گے تو خلاف فطرت بات ہو گی۔ اب اعمال خراب ہوں گے یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے۔

فرمایا :- قرب الہی کے حصول کو ناقابل التفات سمجھ کر دنیاوی دھندوں میں کھپا رہنا اور فانی رابطوں کے بندھنوں میں اپنے آپ کو جکڑے رکھنا اور رب العالمین سے ابدی رابطہ قائم کرنے کی فکر پیدا نہ ہونا' انسانیت کی توہین ہے۔ فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا جبھی تو کہا گیا ہے کہ اطاعت الہی کے لئے فرشتے کو کوئی قربانی نہیں دینا پڑتی مگر انسان کے لئے تو دنیا میں سینکڑوں پابندیاں ہیں۔ ہر بندھن میں لذات کی کشش ہوتی ہے۔ ان بندھنوں کو توڑ کر قرب الہی حاصل کرے گا تو فرشتے سے بہتر کیونکر نہ ہو گا۔ اطاعت اور عبادت میں وقعت اور وزن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آدمی دنیاوی بکھیڑوں کو اللہ اکبر کہہ کر قطع کر دیتا ہے۔

نفس انسانی

فرمایا :- مکلف مخلوق میں سے ایک قسم ہے ملائکہ کی۔ ملائکہ ایسی مخلوق ہیں جن میں کمالات تو ودیعت فرمائے گئے ہیں' جسم بھی ہے لیکن ان کا جسم مادی نہیں ہے ان کی ضروریات مادی نہیں ہیں۔ تو جس قدر مصیبتیں مادی وجود

کے ساتھ ہیں ان کے وجود کے ساتھ نہیں ہیں۔ ان کی منزل سوائے ذکر الہی کے کچھ نہیں اور سوائے اطاعت الہی کے اور وہ کچھ نہیں کرتے۔ اس کے بعد دوسری قسم کی مکلف مخلوق انسان اور جن ہیں۔ ان دونوں میں نفس ہے۔ نفس کی خواہشات ہیں اور ان دونوں فریقوں میں جن انسانیت کے تابع ہیں۔ گناہ کی استعداد جنات میں بالکل انسانوں کی طرح ہے لیکن نیکی کی استعداد انسانوں جیسی نہیں ہے نفس انسانی کی تخلیق مٹی' گارے اور بدبودار کیچڑ میں سے ہے اور یہ سراپا تعفن ہے اور جب یہ برائی سوچتا ہے تو یہ بسا اوقات جنات اور شیطان سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ لیکن ہاں اس میں ایک بات رکھی گئی ہے کہ اسے استعداد دی گئی ہے تجلیات باری کی برداشت کی اور معرفت کی اور جب معرفت اور برداشت کی استعداد دی گئی ہے تو اس میں یہ طلب بھی پیدا کی گئی ہے کہ یہ طالب ہی ذات باری کا جا کر بنتا ہے۔ تو یہ عجیب ترین تخلیق ہے۔ اب اگر اپنی اس استعداد کی طرف یہ مائل ہوتا ہے تو پھر یہ رذائل کو ایک ایک کر کے پھینکتا جھٹکتا چلا جاتا ہے اور اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جاتا ہے حتی کہ اس کی نگاہ وہاں جا کر ٹھہرتی ہے جہاں فرشتہ بھی دم نہیں مار سکتا۔ اور خدانخواستہ اگر یہ نیچے گرتا چلا جاتا ہے تو پھر یہ اتنی گہرائی میں جاتا ہے کہ اسے خوف خدا بھی یاد نہیں آتا۔ تو گویا انسانی کمال یہ ہے کہ جب اسے استعداد دی گئی ہے تو اس نفس کو رکھتے ہوئے اوصاف ملکوتی کو حاصل کرے۔ اگر اس نفس کے ساتھ یہ اوصاف فرشتوں والے یعنی ملکوتی اوصاف پیدا کرتا ہے تو چونکہ فرشتہ سراپا نیکی' بغیر نفس کے ہے' بغیر رکاوٹ کے ہے 'ور یہ ان رکاوٹوں کو عبور کر کے جب ملکوت کی طرف بڑھتا ہے' اوصاف ملکوتی حاصل کرتا ہے تو پھر اسے وہ قرب نصیب ہوتا ہے جو صرف اس کے حصے میں ہے۔

اختیار انسانی

فرمایا :- انسان کو ایک کیفیت' ایک استطاعت عطا ہوئی ہے اور وہ ہے

معرفت باری کو حاصل کرنے کی سکت اور شعور۔ اب ایک طرف دنیا' اس کی لذات' نفس اور اس کی خواہشات' ابلیس اور اس کے مشورے۔ دوسری طرف جمال باری اور قرب الٰہی ہے۔ ان دو راستوں میں فیصلہ انسان خود کرتا ہے' اللہ کریم اس پر مسلط نہیں فرماتے کہ اسے کس جانب بڑھنا ہے۔ اگر اللہ کی راہ اختیار کرتا ہے تو دنیا کی لذات اور نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا ہاں حاصل اور استعمال ایسے طریقے سے کرتا ہے جس کی اجازت اللہ دیں۔ اور اگر دوسری راہ اپناتا ہے تو دین سے محروم ہو کر دنیا میں کھو جاتا ہے حتیٰ کہ نگاہ ٹیڑھی اور دل الٹ جاتا ہے یعنی ظاہری اور باطنی ادراکات سے محروم ہو جاتا ہے۔

مقصدِ تخلیقِ انسانیت

فرمایا :۔ مغربی مفکرین نے تو انسان کو بھی حیوانوں میں ہی شامل کیا ہے اور اسے حیوان ناطق یعنی ایسا جانور جو بات کر سکتا ہے کہہ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ صرف زبان کے فرق سے اسے ساری بلندی حاصل ہے۔ مگر فخر دو عالم نبی رحمت ﷺ نے بتایا کہ صرف یہ فرق نہیں ہے بلکہ اصل فرق یہ ہے کہ اس میں روح ہے جو ایک لطیفہ ربانی ہے اور براہ راست عالم امر سے ہے' عالم امر جو تخلیق کی حد سے اوپر اور صفات باری کی تجلیات کا عالم ہے۔ چنانچہ اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ اپنی روح کو نور ایمان سے زندہ کرے' عبادات سے روشن کرے اور یوں اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرنے کے عظیم ترین مرتبے پر فائز رہے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکا تو نہ صرف اپنی تخلیق کا مقصد کھو بیٹھا بلکہ اپنے سے نیچے کی ساری مخلوق سے خدمت لیتا رہا اور اپنا کام نہ کرنے کے جرم عظیم میں گرفتار ہو گا اور اللہ کے غضب کا شکار ہو گا۔

نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ

فرمایا :۔ تادم مرگ آدمی امتحان میں ہے کہ کہیں اس پر نفس امارہ غالب

نہ آ جائے۔ لیکن ذکر اللہ سے نفس مطمئنہ اس پر غالب آ جاتا ہے ہاں اس میں سے وہ صلاحیتیں نکال نہیں لی جاتیں خطا کی، گناہ کی قوت یا اس کا امکان موجود رہتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ کچھ لحات جو ہوتے ہیں مادی طور پر بھی، جو وقت ظاہری طور پر بھی گزرتا ہے ان میں کچھ لحات ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر بہت بڑے ہوتے ہیں اور ان کے اندر جو قوت کار یا استعداد کار ہے وہ گھٹ جاتی ہے۔ اس کا پھر تعلق آدمی کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے کہ کس آدمی کے لئے کون سا لمحہ بظاہر چھوٹا اور اندر سے بڑا ہے اور کون سا لمحہ بظاہر بڑا اور اندر سے چھوٹا ہے۔ یہ ہر آدمی کی اپنی استعداد سے ہی ہوتا ہے اور ہر لمحے کا الگ الگ اثر ہوتا ہے۔ اور پھر جس طرح یہ استعداد ذکر اللہ سے بڑھتی ہے اس کے لحات میں بھی وہ تبدیلی سرایت کرتی رہتی ہے اور اس طرح اہل اللہ میں یہ قوت آ جاتی ہے۔ کہ وہ تھوڑا سوتے ہیں لیکن وہ تروتازہ رہتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

باب ہفتم

ولایت کیا ہے؟

فرمایا :- علوم انبیاءؑ جو اللہ کے نبیوں کے واسطے نصیب ہوتے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت راسخ ہوتی جاتی ہے۔ اور عجز و نیاز مندی انسان میں زیادہ در آتی ہے اور یہ دعا لب پہ آتی ہے۔ اے اللہ! ایسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما جو صالح ہوں اور تیری رضا کا سبب ہوں وراثت انبیاء کیا ہے کہ انسان میں اللہ جل شانہ کی یاد راسخ ہو جائے اللہ کا قرب نصیب ہو جائے' اللہ سے تعلق قائم ہو جائے اور اس کے اعمال صالح ہو جائیں' اس کا کردار نکھر آئے اور اس کے اعمال ایسے ہوں۔ جو رضائے الٰہی کا سبب ہوں اسی کو ولایت کہیں گے۔ ولایت کیا ہے کہ کسی انسان کو نبیؐ کا پرتو جمال حاصل ہو جائے خواہ وہ غریب ہو' امیر ہو' محکوم ہو' حاکم ہو' جس شخص میں' جس وجود میں پیغمبر ﷺ کی کوئی ادا نظر آئے اسے ہم ولی کہیں گے اور کوئی کتنے عجائبات دکھائے لیکن اس کی عادات' اس کے اخلاق' اس کے اطوار میں حضور ﷺ کی خوشبو نہ ہو تو ولی نہیں ہے۔

علمِ لدنی

فرمایا :- صحابہؓ، حضور ﷺ کی محفل میں یوں بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر اگر پرندے بھی بیٹھ جائیں تو خطرہ محسوس نہ کریں اور یہی سمجھیں کہ پتھر ہیں۔ حرکت نہیں کرتے تھے' آواز نہیں نکالتے تھے' بے باک نگاہ سے کبھی صحابہؓ نے حضور ﷺ کے رخ انور کو نہیں دیکھا کہ کسی نے نگاہ گاڑ کر دیکھا ہو۔ وہ ہمیشہ نگاہ نیچی کئے رکھتے تھے' دست بستہ' مؤدب۔ لیکن یہ خاموشی انہیں اتنا کچھ پڑھا گئی کہ وہ کائنات کے معلم بن گئے۔ یہ علم لدنی ہوتا ہے جو الفاظ' کتب' اساتذہ کا محتاج نہیں ہوتا اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور جتنا علم انبیاءؑ کو عطا ہوتا

ہے۔ ولی اس کے کروڑویں حصے کو بھی نہیں پا سکتا۔ اسے ہضم کر سکتا ہے نہ اسے برداشت کر سکتا ہے۔

ولی اور ولایت کی حقیقت

فرمایا :- آج کل یہی قانون ہم ولی اللہ کو تلاش کرنے پر لاگو کرتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں ولی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عام انسانوں سے مختلف ہو' جس کا کوئی آگا پیچھا نہ ہو' جس کا کوئی گھر گھاٹ نہ ہو' جو لباس سے بے نیاز ہو' جسے حلال حرام کی تمیز نہ ہو اور اس کے لئے کوئی قید کوئی شرط نہ ہو۔

فرمایا :- درحقیقت ولایت نیابت نبوت ہوتی ہے اور ولی اللہ کا فرض منصبی ہوتا ہے کہ جو برکات وہ نبی اکرم ﷺ سے حاصل کرتا ہے ان کو اللہ کے بندوں تک پہنچائے۔ اس حال میں کہ وہ بھی ایک انسان کی زندگی بسر کرتا ہو' اس کی ضروریات بھی ہوں' اس کے بیوی بچے بھی ہوں' اس کا گھربار بھی ہو' اس کا کاروبار بھی ہو اور اس سارے میں وہ ثابت کرتا ہو کہ یہ بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ تب ہی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دے سکے۔

فرمایا :- عجیب بات ہے کہ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہوتا ہے کہ جب آدمی ذکر کرتا ہے یا عبادت کرتا ہے یا نیکی کا کوئی کام کرتا ہے تو شاید اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کے راستے میں کوئی مشکل ہی نہ آئے اور اسے نہ بیمار ہونا چاہئے نہ افلاس و تنگ دستی آنی چاہئے' نہ اس پر کوئی دنیاوی پریشانی آنی چاہئے' یہ محض غلط فہمی ہے۔ اسی طرح ایک غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اللہ اللہ کریں تو سارے لوگ ہماری تعریف کریں۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ جو میری راہ پر چلتے ہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ نیکی کے ساتھ لوگوں کے طعنے بھی سننے پڑتے ہیں تب ہی تو اللہ نے تعریف فرمائی۔

فرمایا :- اس ساری محنت کوشش کا مطلب اور اصلی مقصد یہ ہے کہ دل

میں ایک کیفیت پیدا ہو جائے جو اللہ کی اطاعت کو آسان کر دے اور اس کے لئے جو چیزیں چھوڑنی پڑیں ان کو چھوڑنے کی جرأت آ جائے۔ جہاں اسے اللہ کریم روک دیں' رکنے کی طاقت پیدا ہو جائے جس طرف اللہ کریم حکم دیں اس طرف چلنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔ ذکر' مراقبہ' تسبیحات' عبادت یہ ساری محنت اور توجہ بھی اس لئے کی جاتی ہے کہ آدمی میں اتباع شریعت کی قوت پیدا ہو جائے اور وہ شریعت کو بوجھ نہ سمجھے بلکہ اپنی ذمہ داری سمجھے۔شریعت پر عمل کرنے میں کوفت نہیں بلکہ لذت آئے۔

فرمایا :- مسلمانوں میں ایک یہ فلسفہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو بزرگ قرار دے دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں معاف ہیں ایسی بات نہیں ہے۔ برائی اور خطا' خطا ہے وہ کسی بہت بڑے آدمی سے ہو یا کسی بہت چھوٹے آدمی سے ہو۔ اس طرح اگر کوئی نیک صالح آدمی ہے یا اسے منازل قرب حاصل ہیں یا اسے اللہ جل شانہ کی طرف سے بہت قرب یا زیادہ اطاعت نصیب ہے تو اس کی چھوٹی غلطی بھی بہت بڑی شمار ہوتی ہے۔ یہی فلسفہ گناہ کا ہے کہ جب یہ یقین حاصل ہو جائے کہ گناہ ہر حال میں اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے تو انسان گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اگر اس سے بحیثیت انسان خطا ہو جائے تو خطا کو پیشہ نہیں بناتا' توبہ کرتا ہے' رجوع الی اللہ کرتا ہے۔

ولایت عامہ اور خاصہ

فرمایا :- ولایت کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک وہ قبول نہ فرمائے یکطرفہ دعویٰ مناسب نہیں۔ ہاں ولایت کے دو حصے ہیں' ایک ولایت عامہ اور ایک ولایت خاصہ۔ پہلا حصہ تو ہر مومن کو حاصل ہے۔ دراصل ایمان کی بقاء کا سبب بھی یہی ولایت ہے۔ یہ ٹوٹ جائے یا اللہ سے تعلق کی یہ صورت نہ رہے تو آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کہ مسلسل

گناہ کرنے والے لوگوں کو اگر توبہ نصیب نہ ہو تو عموماً گمراہ ہو کر عقیدے کے فساد میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ رہا دوسرا درجہ تو اس کی جو نشانی اللہ نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کو رب مانا اور پھر اپنی بات پر ڈٹ گئے ان پر حیات دنیا میں بھی اور عندالموت بھی ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جو انہیں بشارت سناتے اور ہر طرح کے خوف اور فکر سے آزادی کی خبر دیتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ خود اللہ کریم ہی فرمائیں گے کہ کون اس پر قائم رہا یا اگر خود اس آدمی کو ادراک بھی ہو تو دوسرے لوگوں کے پاس اس پر کیا دلیل ہے۔ لہٰذا ہر نیک اور باعمل مسلمان سے حسن ظن ہوتا ہے کہ یہ ولی اللہ ہے، مگر فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔ ہاں یہ کہنا درست ہے کہ فلاں صاحب حال ہے یا اسے کوئی ذرہ معرفت کا نصیب ہے۔

صاحب حال لوگ

فرمایا:- عقائد اور اعمال کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے جو سب مسلمانوں کے لئے برابر کی برکات کی حامل ہے۔ کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح قول و فعل رسول اللہ ﷺ ہے اس میں بھی سب برابر ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کچھ کیفیات ہیں جو قلب انسانی سے متعلق ہیں۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ کتاب اللہ کا نزول حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا حالانکہ آپ کا ذہن عالی بھی بے مثال تھا۔ کتاب اللہ ذہن کو مطمئن تو کر دیتی ہے اور اس کا کوئی حکم خلاف عقل نہیں ہوتا مگر اسے قبول کرنا اور سمجھنا یہ دل کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ایمان سے محروم رہے انہیں عقلی دلائل نے لاجواب تو کر دیا مگر قائل نہ کر سکے یا وہ قبول کرنے سے محروم رہے۔ اگر قبول کرنے کی توفیق کسی کو نصیب ہوئی تو توبہ سے پہلے اس کے دل میں ایک نرم گوشہ پیدا ہوا اور پھر جب ایمان نصیب ہوا تو دل روشن ہو گیا اور جس قدر دل میں خلوص بڑھتا گیا اعمال کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ دل کی حالت کیسے بدلی دراصل یہ بھی فرائض

نبوت میں تھا کہ دلوں کا تزکیہ فرمایا جائے۔ اب رہی بات کہ حضور ﷺ تزکیہ کس طرح فرمایا کرتے تھے۔ دراصل برکات نبوت کا سمندر اس طرح ٹھاٹھیں مارتا تھا کہ ایمان لانے کے بعد جس مومن کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی صحابیؓ بن گیا جو ایک بہت بڑا درجہ اور انتہائی بلند حال ہے کہ اس کے اوپر مقام نبوت ہے اور صفاتِ عالیہ میں عقائد و اعمال اور خلوص فی الاعمال میں کوئی غیر صحابی صحابہؓ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہاں سے فرق کا پتہ چلتا ہے۔ عقیدہ ایک' کتاب ایک' نبی ﷺ ایک' عمل بھی ایک' مگر اجر میں بہت زیادہ فرق پڑ جاتا ہے اور وہ یوں کہ آپ ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ میرا صحابیؓ تھوڑے سے جَو خیرات کرے اور بعد والوں میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی اس کے برابر ثواب نہیں پا سکتا۔ ظاہر ہے کہ فرق تو صرف خلوص اور دل کی حالت میں ہی ہے جس نے اجر میں اتنا فرق پیدا کر دیا اور دل کی اس حالت کا سبب صرف اور صرف آپ ﷺ کی صحبت ہے۔ تو یہ بات سامنے آئی کہ عقائد و اعمال سب تعلیمات نبوی ہیں' ان پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور عمل کرنے سے دل کی اصلاح بھی ہوتی ہے' ثواب بھی ہوتا ہے مگر جو حال دل کو فیض صحبت سے نصیب ہوا وہ فوری بھی تھا اور بہت زیادہ موثر بھی۔ جنہیں ہم ولی اللہ اور بزرگ سمجھتے ہیں وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے برکات نبوت سے بھی حصہ پایا کہ ہمارے اور ان کے اعمال ایک جیسے ہونے کے باوجود اجر و ثواب میں اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں اور یہی ان کے احترام کا سبب بھی ہے۔

اصلاح احوال

فرمایا :- میرے بھائی! اپنی زندگی کے نصاب کو بدلو اور اپنے کردار کو' اپنے عمل کو مثبت انداز میں بدلو۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو سمجھ لو کہ ساری محنت کا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ان مجاہدات' ان راتوں کے اٹھنے کا' ان اذکار اور توجہات کا مقصد اعلیٰ بھی یہ ہے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت پیامبر ﷺ نصیب ہو جائے اور

خلوص دل سے عمل نصیب ہو جائے۔ ہر شخص کو یہ چاہیئے کہ اپنے اعمال پر نظر رکھے اور اپنے عقائد کی اصلاح کرے اور اپنے آپ سے اتنا مجاہدہ کرائے جتنی اس میں ہمت ہے' اپنی حیثیت کی قوت صرف کرے۔ دوسرا اگر مجاہدہ کمزور ہے تو اس کے لئے بھی اللہ سے استغفار کرتا رہے اور خود کو اس خطا سے بچانے کی کوشش کرے۔

ولایت کسبی ہے

فرمایا:۔ نبوت وہبی ہوتی ہے۔ وہبی اور کسبی میں یہ فرق ہے کہ جو چیز وہبی ہوتی ہے اسے حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت نہیں ہوتی' اللہ کی طرف سے عطا کر دی جاتی ہے۔ کسبی چیز میں محنت کی بات نہیں بات طلب کی ہے۔ بات انابت کی ہے۔ بات جستجو کی ہے۔ بات آرزو کی ہے۔ وہ آرزو جو طلب کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے۔ دیتا اللہ ہی ہے۔ ملتی وہبی طریقے سے ہی ہے۔ اللہ کریم اپنی نعمت کو بغیر کسی محنت اور معاوضے کے دیتے ہیں۔ چونکہ انسان تو اتنی محنت بھی نہیں کر سکتا جتنی چیزیں اللہ کی دی ہوئی بدن میں ہیں جن کو وہ ہر روز استعمال کرتا ہے۔ طاقت' قوت' صحت' نگاہ' شنوائی اور مختلف نعمتیں ان سے جتنا فائدہ اٹھاتا ہے ان کی قیمت کا شکر ادا نہیں کرپاتا لیکن جب وہ دل سے طے کر لیتا ہے' فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اللہ کے قرب' اللہ کی رضا' اللہ کی ولایت' اللہ کی دوستی' اللہ کی پناہ چاہیئے یہ اس کی ساری محنت ہے اس لئے ولایت کو کسبی کہتے ہیں۔

فرمایا:۔ تو ولایت کیا ہے بندہ کا وہ فیصلہ جو ایک لمحے میں کرتا ہے کہ مجھے کیا چاہیئے اور اللہ کی وہ عطا جو عمر بھر اسے اپنا بندہ بنا کر عطا ہوتی رہتی ہے ولایت ولی اللہ کو' اللہ کی ذات یا اس کی صفات میں شریک کار نہیں کر دیتی بلکہ اس کی ذات کو اللہ کی عظمت کے سامنے فنا کر دیتی ہے۔

فرمایا:۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے دلوں کے ساتھ ذات باری کا

رابطہ ہوتا ہے' تعلق قائم ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے روبرو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ نہ انہیں برادری اور رشتہ روک سکتا ہے' نہ انہیں زمانے کے رسم و رواج روک سکتے ہیں' نہ انہیں عزت و بے عزتی کا کوئی مسئلہ روک سکتا ہے' نہ انہیں لوگوں کی شہرت اچھی یا بُری روک سکتی ہے' نہ انہیں مال و دولت کی فکر روک سکتی ہے' نہ انہیں کسی حکمران کی جلوت و سطوت روک سکتی ہے' نہ انہیں کسی ظالم کا ظلم باز رکھ سکتا ہے اور نہ کسی کی منت و سماجت انہیں اس دروازے سے اٹھا سکتی ہے۔ ساری کائنات ان کے لئے بے اثر ہو جاتی ہے سوائے ایک نام کے' ایک ذات کے' ایک ہی ذات کی آرزو' طلب و جستجو کے' باقی سب کچھ ان کے لئے نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔

وہ شخص جس کا دل بنیادی طور پہ طے کرلے' ذاتی طور پہ طے کر لے کہ مجھے اللہ کا قرب چاہیے' اللہ کی رضا چاہیے' جو یہ طے کر لے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طلب' اللہ کی آرزو میں' اس کی رضا کی تلاش میں' سب کچھ ہی ہار دینا چاہیے اسے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس کے دل میں یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا' جو خود یہ طے نہیں کر سکتا' اس کے لئے نہ کوئی ولی ہوتا ہے' نہ کوئی ہادی ہوتا ہے' نہ رہنما' نہ کوئی واعظ ہوتا ہے' نہ مبلغ' کوئی بھی اس کے کام نہیں آ سکتا۔ یہ سارا معاملہ انسان کے ذاتی فیصلہ پر منحصر ہے۔ ہر واعظ' ہر مقرر' ہر پیر' ہر مولوی' ہر استاد ہمیں اس کے فوائد اور اس کے نقصانات سے آگاہ تو کر سکتا ہے لیکن فیصلہ کرنا ہمارا اپنا ذاتی کام ہے۔ کوئی ہمارے لئے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اور جب تک ہمارا فیصلہ اس قوت کا نہیں ہوتا کہ وہ ہماری ذات کو' ہمارے کردار کو اور ہماری سوچ کو متاثر کر دے تب تک اس پر ہدایت مرتب نہیں ہوتی۔ تو ولی سے حصول برکات کے لئے اس فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان اپنے دل میں طے کرتا ہے۔ کوئی ولی' کوئی نبیؑ کسی سے زبردستی فیصلہ نہیں کرواتا کیونکہ اللہ کا یہ قانون نہیں ہے۔ اس نے انسان کو یہی اختیار دیا ہے۔ اگر نہاں خانۂ دل میں یہ طے کر لے تو پھر اہل اللہ اس کے اس طرح کام

آتے ہیں کہ وہ درد جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ اس کے دل میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

فرمایا :- ولایت یہ ہے کہ کوئی جہاں کی آرزو کو نچھاور کر دے اس کی رضا کو پانے کے لئے، کسی میں یہ کیفیت برپا ہو جائے اور پھر اسے اسی طرف سے رابطہ نصیب ہو جائے تو وہ ولی اللہ ہے۔ اور اس سے لینا کیا ہے، فیض کسے کہتے ہیں، اسی طلب و آرزو کو، اسی کرم و رحمت کو، اسی شفقت الٰہی کو، اسی کیفیت کو پانا، یہ ولی کا فیض ہوتا ہے۔ انسان اگر خلوص کے ساتھ کسی ولی کے دروازے پر جم جائے شرط یہ ہے کہ وہ بھی ولی ہو تو انسان کتنی بڑی نعمتیں پا سکتا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ولایت وہ نعمت ہے جو صرف ولی کے پاس ہوتی ہے اور وہ ہے قرب الٰہی۔ اور نصیب بھی وہیں سے ہو سکتی ہے۔ اطاعت کا فیصلہ وہ فیصلہ ہے جو اس طرح کے تمام خوفوں سے انسان کو اوپر لے جائے اور دنیا کی کوئی قید اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ ولایت ہے اور ایسے ہی اوصاف کا اس سے آگے حاصل کرنا یہ فیض ہے، یہ برکات ہیں، اس کے علاوہ ساری دنیا داری ہے۔

فرمایا :- چونکہ ولایت اصولاً" کسبی چیز ہے لیکن یہ اس معنی میں وہبی ہوتی ہے کہ ثمرات وہبی ہوتے ہیں، اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن اس کے لئے انسانی کسب ضروری ہے، انسان مکلف ہے اس کے اکتساب کا، اور اس کے ساتھ ساتھ کمال یہ ہے کہ جوں جوں حضور اکرم ﷺ سے بُعدِ زمانی ہوتا گیا توں توں لوگوں نے محنت اور مجاہدے میں، تنہائی کو، خلوت کو اور دنیا سے دوری کو شامل کر لیا۔ اس کی وجہ ان کی مجبوری تھی۔ اتنی قوت نہ رکھتے ہوئے یہ راستہ اپنایا گیا کہ دنیاوی امور کو کم کیا جائے اور سارا وقت مجاہدے پر صرف کیا جائے تاکہ کچھ کیفیات پیدا ہوں اس میں یہ تبدیلی حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ پر آ کر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کہ اتنی قوت ایک شخص کو عطا کر دی کہ دنیوی امور بھی انجام پذیر ہوتے رہیں اور اس کے ساتھ اکتساب فیض بھی ہوتا رہے اور ایسا کہ جیسا کوئی

ساری عمر خلوت میں بیٹھ کر بھی حاصل نہ کر سکا۔ لیکن اس کے باوجود یہ ضروری تھا' یہ بنیاد تھی کہ دنیاوی امور میں بھی توجہ اپنے اصلی مقصد سے ہٹنے نہ پائے اور کام کرتے وقت بھی انسان کو یاد رہے کہ میرا اصلی مقصد کیا ہے۔ حصولِ کیفیات رضائے باری اور قرب الٰہی ہے۔ تو وہ دینوی امور کو بھی اس طرح سے انجام دے کہ کسی کام کا کرنا اس کے مقصد میں حارج نہ ہو۔ اللہ کریم نے ہم پر یہ احسان مزید فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنے سلسلہ ہائے تصوف ہیں سارے کے سارے ہمارے سلسلہ عالیہ سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور اس سلسلہ عالیہ کو انفرادیت عطا کی گئی ہے بارگاہ نبویؐ سے کہ جو برکات آتی ہیں وہ سیدھی اس سلسلہ عالیہ پر وارد ہوتی ہیں اور ہمارے ہاں سے بٹ کر روئے زمین پر جاتی ہیں۔

باب ہشتم

فلسفہ مصائب

فرمایا :- انسان کا اگر عقیدہ خراب نہ ہو' اللہ کریم ایمان سلامت رکھیں اور اس کے ساتھ اسے توفیق عمل بھی ارزاں رہے' حلال حرام سے بچنے کی توفیق ہو' سیدھا سیدھا چلنے کی' اتباع شریعت کی توفیق ہو تو مصائب ترقی درجات بھی بنتے ہیں اور تلافی مافات بھی۔ تلافی مافات اور ترقی درجات کی یہی ایک صورت ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ رابطہ درست رہتا ہے' تکلیف میں بھی احساس تشکر رہتا ہے صبر رہتا ہے' اطمینان رہتا ہے اور تکلیف ایذا نہیں دیتی۔ ہوتی تو ہے لیکن وہ ذہنی طور پر یا قلبی طور پر آدمی کو ایذا نہیں دیتی یعنی ایک ذہنی پریشانی یا ایک باطنی عدم اطمینان اس میں نہیں ہوتا۔ جو بیماری' جو تکلیف بطور عقوبات آتی ہے' بطور سزا آتی ہے اس کی بنیاد عقیدے کی خرابی پہ ہوتی ہے۔ اس عالم میں تکلیف بظاہر کم ہوتی ہے لیکن اس میں ایذا بہت زیادہ ہوتی ہے' اس میں پریشانی بہت زیادہ بڑھتی ہے' اس میں قلبی اور ذہنی اطمینان بہت زیادہ ضائع ہو جاتا ہے اور بظاہر آدمی کے لئے تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے لیکن اندر سے اسے وہ ہلاک کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگر عقیدہ صحیح ہے اور توفیق عمل بھی ہے گرتے پڑتے اللہ کو یاد بھی کرتے ہیں تو پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو جو انعامات مل رہے ہوتے ہیں صحت کے یا ایمان کے یا توفیق عبادت کے اور ان کے مطابق وہ عبادت نہیں کر پاتا تو جو کمی رہ جاتی ہے وہ بیماری سے یا تکلیف سے اللہ کریم پوری کر دیتے ہیں۔ جو بہترین لوگ تھے ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں آئیں۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ عنداللہ بعض منازلِ قرب ایسے ہوتے ہیں جو بغیر اس تکلیف کے نصیب ہوتے ہی نہیں یعنی ان منازل قرب کا تقاضا ہوتا ہے کہ ان میں وہ تکلیف آتی ہے یا بیماری آتی ہے۔ مثال کے طور پر شہید کو سرِمیدان قتل ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض منازل قربِ الٰہی جو

کاملین کے ہوتے ہیں ان پر ہمیشہ جو تکالیف آتی ہیں یا بیماری آتی ہے وہ بنیادی طور پر ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں۔ کبھی اہل اللہ میں صاحب حال لوگوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جو مقام و مرتبہ انہیں نصیب ہو جاتا ہے اس کے مطابق ان سے عبادات یا اذکار میں کمی رہ جاتی ہے جسے پورا کرنے کے لئے پھر کوئی مصیبت آ جاتی ہے۔ چونکہ مصیبت بھی مجاہدہ ہوتا ہے اگرچہ اسے مجاہدہ اضطراری کہا جاتا ہے یعنی ایسا مجاہدہ جو مجبوراً" کرنا پڑے تو مجاہدہ خواہ اختیاری ہو یا اضطراری اپنا اثر' اپنا فائدہ تو مرتب کرے گا۔ دوائی آپ نے مرضی سے کھا لی یا کسی نے پکڑ کر کھلا دی اس کا اثر تو ہوتا ہے۔ یہ مختلف صورتیں ہوتی ہیں ان لوگوں کے لئے جن کا ایمان سلامت ہے اور توفیق عمل ارزاں ہے۔

اگر عقیدے پہ زد پڑ گئی تو پھر سوائے سزا کے کوئی صورت نہیں پھر وہ از قسم عقوبات ہوتی ہے' سزا کے طور پر مسلط ہوتی ہے جہاں تک قلبی کیفیات کا تعلق ہے تو میں عرض کر رہا ہوں کہ تکلیف کے باوجود دل میں اطمینان رہتا ہے اور جو دکھ اور پریشانی باطنی ہوتی ہے اس سے اللہ کریم بچاتے ہیں۔ کچھ اسے امید رہتی ہے' اس سے نکلنے کی کچھ توقع رہتی ہے' کوشش کرتا ہے' دعا کرتا ہے ناامید نہیں ہوتا۔ اور اگر از قسم عقوبات ہو تو رب کریم کو بھی گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔

اللہ جل و علیٰ نے قرآن کریم میں تین طرح کی آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے جو راہ حق میں ضرور آتی ہیں اور جو مجاہدہ ہونے کے اعتبار سے اپنی انفرادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلام نام ہی ایک مسلسل جہاد کا ہے اور جہاد اپنی پوری طاقت کے ساتھ حق کو نافذ کرنے کا نام ہے۔ چونکہ مسلمان کی جنگ بھی اس کوشش کا ایک حصہ ہوتی ہے' وہ ہمیشہ احقاق حق کے لئے لڑتا ہے نہ حصول دنیا کے لئے اور نہ اپنے آپ کو کسی پر مسلط کرنے کے لئے' اس لئے اسلامی جنگوں کو بھی جہاد کہا جاتا ہے۔ لیکن صرف جنگ ہی جہاد نہیں ہے بلکہ حقیقت جہاد یہ ہے کہ پوری زندگی اپنے آپ کے ساتھ' اپنی خواہشات کے ساتھ' اپنی

ضروریات کے ساتھ مسلسل مقابلہ کرتا رہے اور دین کو اور دین کے نفاذ کو اپنی ذاتی ضروریات پر فوقیت دے اور اپنی حاجات کو اس کے تابع کر دے۔ دین کی طرف یا نفاذ دین کی طرف جہاں تک ممکن ہو' جہاں تک انسان کا بس چلے نقصان کو نہ آنے دے۔ تو گویا اسلام نام ہی مسلسل جہاد کا ہے اور مجاہدہ جہاد کی ہی ایک صورت ہے۔

ثمراتِ مجاہدات

فرمایا :- پہلی بات یہ ہے کہ ہر مجاہدہ اپنے اندر مشکلات رکھتا ہے تکالیف رکھتا ہے جیسے مسلسل روزے رکھنا یا مسلسل صدقات دینا یا مسلسل ذکر و اذکار کرنا سحری کو نوافل کے لئے اٹھنا' باقاعدگی سے لطائف کرنا' یہ سب مجاہدہ ہے۔ اس میں آپ دیکھتے ہیں کتنی مشقت ہے' کتنی شدت ہے' کتنی تکلیفیں ہیں لیکن ان مجاہدات کی افادیت یا ان کا فائدہ بہت زیادہ ہوتا ہے' تکلیف بہت کم ہوتی ہے۔ چند لمحے صبح بستر سے اٹھ گیا تو اتنی مشقت نہیں ہے لیکن جو عطا صرف ایک لطیفے والے کو بھی اللہ سے حاصل ہوتی ہے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک لطیفہ بھی متعلق تو عالم امر سے ہوتا ہے انوارات تو وہاں سے ہی آتے ہیں۔

فرمایا :- مجاہدات پر جو بہت بڑا اجر ملتا ہے اس سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے' اس سے دین کا علم حاصل ہوتا ہے' اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے کیونکہ خشیت قرب کا پھل ہے۔

فرمایا :- مجاہدہ اضطراری ہو یا اختیاری' مجاہدہ بہرحال مجاہدہ ہے اور جتنے خلوص سے کیا جائے گا اس پر اتنا ہی اجر مرتب ہو گا یعنی دوائی کوئی اپنی پسند سے پی لے یا کوئی پکڑ کر اس کے منہ میں ڈال دے اثر پیدا کرے گی۔ اپنے اختیار سے اگر مجاہدہ کرتا ہے یا اللہ کی طرف سے اس پر مجاہدہ بھیج دیا جاتا ہے تو دونوں طرح سے اس پر اللہ کے قرب کا' اللہ کی خشیت کا اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اجر اور ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ بہرحال مذکورہ مجاہدات راہ حق میں ہر حال میں

موجود ہوتے ہیں یہ کسی کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ ان سے بچ کر نکل جائے۔

راہ حق کی پہلی آزمائش

فرمایا :- جو بھی اللہ کی راہ پر' حق پر' دین پر' اللہ کے سیدھے راستے پر چلے گا اللہ کریم فرماتے ہیں اس کے لئے یہ تین باتیں سامنے آئیں گی۔ سب سے پہلی لتبلون فی اموالکم اسے اپنے مال میں' اپنی دولت میں آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کی زندگی میں ایسے مواقع آتے رہیں گے جب اسے اپنا سرمایہ' اپنی پونجی' اپنی محنت اور مشقت سے کمائی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنی پڑے گی' اللہ کے دین کے لئے خرچ کرنی پڑے گی۔ اور یہ ضروری ہے کوئی بھی دیندار شخص اس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ اس راستے کی منزل ہے یہاں سے یقیناً ہو کر گزرے گا۔ اللہ کریم تمہارے مال و دولت میں جانچیں گے اور یہ دو طرح سے ہوتا ہے کبھی تو تمہیں ناجائز دولت جمع کرنے کا موقع مل جائے گا جس کے ساتھ اللہ کا حکم ہو گا کہ یہ حرام ہے اسے تو جمع نہ کر' اسے تو حاصل نہ کر۔ یہ اس طرح آزمائش بن جائے گی کہ مال لیتا ہے یا اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے یا پھر دوسری طرح ایسا موقع پیدا ہو جائے گا کہ وہ خرچ کرنی پڑ جائے گی' حالانکہ دل چاہتا ہو گا' اپنا جسم' اپنا گھر' اپنی ضروریات یہ چاہتی ہوں گی کہ ہم پہ صرف ہو۔ لیکن اس کے مقابلے میں دین پر صرف کرنی پڑ جائے گی۔ ایک آزمائش تو یقیناً سامنے آئے گی خواہ کوئی ہو۔ بادشاہ ہو تو اس کی حیثیت کے مطابق ایسے مواقع اس کی زندگی میں ضرور آتے رہیں گے جہاں اکثر اوقات اپنی حاجات اپنی ضروریات کو روک کر اللہ کے لئے اپنے پیسے کو خرچ کرے گا۔

راہ حق کی دوسری آزمائش

فرمایا :- وانفسکم تمہیں تمہاری جانوں میں بھی آزمایا جائے گا۔ یہ آزمائش بھی کئی طرح سے ہوتی ہے۔ کبھی تو سرے سے اپنی جان دینا پڑتی ہے

جیسے مجاہد جو میدان جہاد میں جا کر شہید ہوتا ہے۔

دوسری طرح یہ ہوتا ہے کہ بعض اعزہ و اقارب چھوڑنے پڑ جاتے ہیں۔ وہ بھی تو اپنی جانیں ہیں۔ کبھی تو بیٹا چھوڑنا پڑتا ہے کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے' کبھی اس راستے میں بھائی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ کبھی رشتہ دار و برادری اس کو چھوڑ دیتے ہیں کہ تم اس مُلّا اِزم کو نہیں چھوڑتے ہو' تمہیں اپنی مسلمانی کی پڑی ہے اس طرح ہم تمہارے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتے۔ پھر انسان کے لئے ایک کڑی آزمائش بن جاتی ہے' دیندار کے لئے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ اب کسے رکھے اور کسے چھوڑ دے۔ تو اسے کئی جانیں جو عزیز بھی ہوتی ہیں' محبوب بھی ہوتی ہیں' ان سے تعلق بھی ہوتا ہے ساری چھوڑ چھاڑ کر بھول جانا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا تعلق اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ان افراد سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ تیسری طرح کی ابتلا جانوں میں یہ آتی ہے کہ سرے سے اپنی جان قربان کرنا پڑتی ہے یا اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے قربان کرنے پڑتے ہیں یا اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی یا عزیز و اقارب میدان جہاد میں یا راہ حق میں نچھاور کرنا پڑ جاتے ہیں اور کم تر درجہ اس کا یہ ہے کہ عبادت الٰہی پر تو وجود کو کاربند کرنا ہی پڑتا ہے۔ کتنی سردی ہو اسے وضو تو کرنا ہی پڑتا ہے' کتنی گہری نیند ہو اسے اللہ کی عبادت کے لئے اٹھنا ہی پڑتا ہے' اور کتنے آرام چھوڑنا پڑتے ہیں' اور کتنے شدائد برداشت کرنے پڑتے ہیں جو بعض اوقات اپنا جسم برداشت کرنے سے کتراتا ہے' حیلے بھی تلاش کرتا ہے' بچنے کی راہیں بھی ڈھونڈتا ہے۔ لیکن اطاعت الٰہی کے لئے سب کام ضروری ہوتے ہیں۔ تو آدمی کے لئے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کی سہولت کو تلاش کرتا ہے یا اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔

راہ حق کی تیسری آزمائش

فرمایا :- تیسرا ان دونوں سے مشکل ایک اور امتحان ہے جو کم از کم ہر

سالک کے سامنے ضرور آتا ہے اور راہ سلوک کی مشکل ترین اور کٹھن ترین وادی ہے۔اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تمہیں پہلے سے موجود اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے یا مشرکین سے بہت ہی زیادہ تکلیف دہ کلمات سننے پڑیں گے ایک آدھ' دو چار نہیں بلکہ بہت کثرت سے سننے کو باتیں ملیں گی۔ کبھی تو دین پر طنز ہو گا' کبھی احکام شرعی پر طنز ہو گا' کبھی کتاب پر' نزول کتاب پر ہو گا کبھی تمہاری اپنی ذات پر ہو گا۔ یہ تین راستے کی مختلف منازل ہیں جن میں سے ہو کر دین دار کو گزرنا پڑتا ہے خصوصاً" سالک کو ان تین میں سے خواہ مخواہ گزرنا پڑتا ہے۔

فرمایا :- خداوند عالم نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ مال پہ آزمائش آئے گی۔ اس سے بڑھ کر دوسرے درجہ میں عزیز ترین متاع یعنی جان پر آئے گی اور پھر اس سے بڑھ کر اپنے خلاف پسند' خلاف ضمیر کچھ طنز سہنا پڑیں گے' گالیاں سہنا پڑیں گی' طعنے سہنے پڑیں گے' بہتان برداشت کرنا پڑے گا۔ گویا اللہ کی بیان کردہ ترتیب میں بھی یہ مشکل ترین مقام ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے نام پر بدنام ہونا پڑ جائے۔

فرمایا :- پہلا درجہ بہتان کا ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اس حد تک عاجز آ جائے کہ وہ سمجھے کہ میں اس آدمی پر بہتان بھی نہیں باندھ سکتا' اس کا کردار اتنا مضبوط ہے کہ میرے بہتان اس پر اثر نہیں کرتے تو آخری درجہ بدکلامی کا ہوتا ہے یا گالی دینے کا ہوتا ہے۔

فرمایا :- اگر کسی کو یہ چیزیں راہ حق میں آئیں' اسے گھبرانا نہیں چاہئے کہ یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہے۔ اللہ کریم ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرے جو اللہ کے نیک بندوں پر کیچڑ اچھالنے والے ہوتے ہیں۔

عظمت صحابہؓ اور مجاہدہ جاریہ

فرمایا :- اور آپ دیکھیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی مقدس

زندگیوں کو کہ کوئی ایک صحابیؓ بھی ایسا نہیں ہے جس پر یہ ساری آزمائش بیک وقت نہ پڑی ہوں۔ ہر شخص پہ اس کی ہمت اور حوصلے کے مطابق وقت آتا ہے۔ تو سب سے پہلے جو لوگ تھے انہیں ساری جائیداد' سارے مال' گھربار قربان کرنے پڑے۔ اللہ کی راہ میں جانیں ہارنا پڑیں۔ اعزہ و اقارب میدان میں جاکر کٹوانے پڑے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی جس شخص پہ اللہ ناراض ہو جائے وہ انہیں کو بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی اسلام کی ڈھال وہی ہیں اور آج بھی کوئی کسی طرح سے اسلام کو ڈھانے کی کوشش کرے' کسی طرح سے اسلام پر حملہ ہوتا ہے تو ہر حملہ آور کا تصادم پہلے انہی سے ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ اسلام کی حفاظت کرنے والے آج بھی وہی ہیں۔ اگر قادیانی کا دماغ خراب ہوا تو اعتراض صحابہؓ پر' کوئی بھائی اور بھائی پیدا ہوئے تو ان کا اعتراض بھی صحابہؓ پر' یعنی جہاں سے بھی اور جس پر بھی اللہ ناراض ہو گیا' اسے دین سے خارج کر دیا تو اس کی زبان سب سے پہلے ان ہی مقدس ہستیوں پر چلی۔ یہ ان کا اتنا بلند اور اہم مقام ہے کہ جس طرف سے کوئی زبان کی قینچی چلے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان پیش کرتے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے یعنی ان کے خلوص کا اور قرب الٰہی کا کمال اور ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے گزر گئے' صدیاں بیت گئیں' چودہ سو سال گذر گئے لیکن اسلام کی راہ میں ابھی تک وہی ایذا دیئے جاتے ہیں' راہ حق میں ابھی تک وہی قربان ہوتے ہیں۔

راہِ سلوک کے مصائب

فرمایا :- طالبان حق پر جو مصیبت آتی ہے اول تو تلافی مافات کے لئے ہوتی ہے اور وہ اللہ کا انعام ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال میں' انسان کے کردار میں' بے شمار کیلیں ڈھیلی رہ جاتی ہیں۔ انہیں اللہ اپنی رحمت سے کس دیتے ہیں' وہ کمی نکال دیتے ہیں۔ معمولی سی تکلیف سالوں کے مجاہدے کا اجر دے جاتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو کم از کم یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس سے کسی بڑی تکلیف کو ہٹا کر وہاں چھوٹی

رکھ دی جاتی ہے۔

سلوک کا ماحاصل

فرمایا :- نیکی کیا ہے ہر وہ کام جو اللہ کے لئے ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ کسی بھی کام کے نیکی ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو وہ کام خالص اللہ کے لئے کیا جائے اور کوئی مقصد نہ ہو۔ اس میں نہ دنیا کمانا' نہ دولت' نہ کوئی دکھلاوا' نہ شہرت' کوئی شے نہ ہو بلکہ اس میں کام اس لئے کیا جائے کہ میرا اللہ قبول کرے اور پھر اس طرح کیا جائے جس طرح کرنے کا طریقہ اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھایا ہے۔ یہ دو بنیادی اوصاف ہیں جو جس کام میں پائے جائیں وہ نیکی ہو گا۔ اللہ فرماتے ہیں کسی کی نیکی کبھی ضائع نہ کی جائے گی اس پر اجر ضرور مرتب ہو گا اور یہی سارے سلوک اور تصوف کا ماحاصل بھی ہے۔

محاسبہ

فرمایا :- آپ کو ساری زندگی میں یہی قانون نبی رحمت ﷺ کا نظر آئے گا کہ نفاذ دین کے لئے' ترویج دین کے لئے' احقاق حق کے لئے جو بات بس میں ہو وہ کر دی جائے اور رب العالمین سے درخواست کی جائے کہ خدایا ہم تو کچھ کر نہیں پاتے کرنا تو تجھی کو ہے۔ اس طرح ممکن ہے اللہ کریم ہمیں قبول فرمالیں اور ہمیں اسی کام پر لگائے رکھیں۔ اور کام وہ اچھا ہوتا ہے جس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اس میں بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ جب آدمی کو کچھ تھوڑی سی شہرت مل جاتی ہے' کچھ لوگ اس کا احترام کرنے لگتے ہیں تو نفس و شیطان دونوں اسے یقین دلانا شروع کر دیتے ہیں کہ تم دین کی ضرورت ہو تم نہیں ہو گے تو کام نہیں بن سکتا۔ لیکن میرے سمیت کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب کو اللہ کی ضرورت ہے۔ ہم چھوڑ دیں گے تو اس کا کیا ہے : تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت۔ کتنی مخلوق ہے اس کی جو اس کے نام کے لئے ترستی ہے۔ پس ہمیشہ ہر ساتھی اپنا محاسبہ خود کرتا رہے کہ میں

کیا سوچ رہا ہوں اور میں کیا کرنا چاہتا ہوں اور جو میں سوچ رہا ہوں اور جو میں کرنا چاہتا ہوں کیا میں اسے لے کر اللہ کے حضور میدان حشر میں کھڑا ہو سکوں گا؟ اسے دوسروں پر مت چھوڑیں اپنا معاملہ آپ روزانہ پڑتال کرتے رہیں۔

گناہ کے اثرات

فرمایا :- یاد رکھیں! گناہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کوئی کام بھی کیا جائے اس کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک اثر خود کرنے والے پر مرتب ہوتا ہے' ایک اثر ماحول پر مرتب ہوتا ہے جیسے ہم آگ جلاتے ہیں' دھواں بھی آئے گا' ہمیں گرمی بھی پہنچے گی لیکن صرف ہمیں نہیں ماحول کو بھی پہنچے گی۔ ماحول میں بھی گرمی پھیلے گی۔ ہم پانی چھڑکتے ہیں ہمارا کمرہ ٹھنڈا ہو گا لیکن وہ ٹھنڈک ماحول میں بھی پھیلے گی۔ اسی طرح ہم خطا کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے حکم توڑتے ہیں' گناہ کرتے ہیں تو وہ جو دھواں اٹھتا ہے وہ صرف ہماری ذات کو متاثر نہیں کرتا ماحول کو بھی کرتا ہے اور اس کا جو اثر ماحول میں ہوتا ہے اسی سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔

گوشہ نشینی اور ترقی درجات

فرمایا :- بعض بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء ہمیں اس حال میں ملتے ہیں کہ انہوں نے جنگلوں میں اور تنہائیوں میں زندگی بسر کی۔ لیکن اس کے پیچھے اسباب و عوامل تھے۔ آبادیوں میں انہیں نہ رہنے دیا گیا۔ حکومت نے' حکمرانوں نے اپنے لئے خطرہ سمجھ کر شہروں سے نکال دیا۔ لوگوں نے' بدعت پسندوں نے یا رواج پسندوں نے انہیں برداشت نہیں کیا۔ تنگ کر کے شہروں سے نکال دیا تو مجبوراً" شوقیہ نہیں' انہوں نے کسی جنگل میں پناہ لی۔ اس کے باوجود حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس پہلو میں بڑی تحقیق کی ہے۔ جب تک آبادی میں رہ کر جو توجہ اخذ کرتے رہے اس سے ان کے منازل ترقی کرتے رہے اور جس منزل پر وہ تھے آبادی چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے اسی منزل پر ان کی وفات ہوئی ہے پھر ترقی

نہیں ہوئی۔ چونکہ ترقی درجات کے لئے وہ مجاہدہ شرط ہے جو آپ عملی زندگی میں رہ کر کرتے ہیں کسی کے ساتھ آپ کا لین دین نہیں ہے تو حرام و حلال جائز و ناجائز کا پتہ کیا چلے گا۔

فیصلے کی گھڑی

فرمایا:- میری اتنی سی گزارش ہے' میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کچھ زیادہ ہی سختی ہو گئی ہے اور بڑی سختی سے چھانٹی کی جا رہی ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو بچایئے اور اس امتحان سے نکلئے' کامیاب ہو جایئے' اس کی کامیابی کا دارومدار آپ کے باطنی اور قلبی فیصلے پر ہے۔ یہ رب جانے کیا ہو گا۔ ہم زندہ رہیں گے یا مارے جائیں گے' انقلاب مثبت آئے گا یا منفی' اسلام نافذ ہو گا یا نہیں یہ رب جانے لیکن زندہ رہے تو انشاء اللہ حق پہ رہیں گے' مارے گئے تو حق پر مارے جائیں گے۔ مشروط ایمان مطلوب نہیں ہے۔ مشروط فیصلے وہ پارٹی قبول کرتی ہے جو کمزور ہوتی ہے۔ طاقت ور کے ساتھ شرائط نہیں ہوتے۔ اللہ کریم کے ساتھ آپ کوئی مشروط فیصلہ نہیں کر سکتے۔

فرمایا:- لیکن اب جوں جوں وقت قریب آ رہا ہے میں دیکھ رہا ہوں بڑی سختی سے چھانٹی کی جا رہی ہے اور وہ خود کر رہا ہے اور مجھے کئی بار دھچکا لگتا ہے کہ جن لوگوں کو میں نے صف اول میں شمار کر رکھا تھا وہ تو کہیں آخر میں آنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ آپ اگر محسوس کرنا چاہیں تو اپنی صفوں میں اپنے دائیں بائیں خود دیکھ لیجئے۔ میں کسی کو نامزد نہیں کرتا لیکن یہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بڑے بڑے معتبر نام جن پہ ہمیں بڑا اعتماد تھا وہ نظر ہی نہیں آتے۔ کئی ایسے جنہیں ہم سمجھتے تھے کہ یہ بابا تو خواہ مخواہ اڑا ہوا ہے اب وہ صف اول میں نظر آتے ہیں۔ یہ رب اور ان کا معاملہ ہے۔

مسلمانانِ ہند سے احیائے دین

فرمایا:- یہ مغرب والے کفار حضور ﷺ کو نبی نہیں مانتے۔ لیکن یہ جانتے

ہیں کہ جو آپ ﷺ نے فرما دیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ آج وہ بھی اس تحقیق پر پہنچے ہیں کہ احیاء اسلام اس خطے سے ہونے کو ہے۔ آج بھی انہوں نے وہ حدیثیں چھانٹ کر رکھی ہوئی ہیں جن میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہندوستان سے مجھے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ آج وہ حدیثیں ان کی ٹیبل پر پڑی ہوتی ہیں جن میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سرزمین ہندوستان میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کے ساتھ کام کرنے والے بے حساب جنت میں داخل ہوں گے' ان کا حساب نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ میری تمام مرجانے والی سنتوں کے احیاء کا سبب ہوں گے۔

فرمایا:- اس لئے کہ میں اس حال کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح آپ دن کو سورج دیکھتے ہیں' یہ انشاء اللہ ہو گا۔ یہی ملک' یہ گلیاں' یہی زمین ہو گی (وطن عزیز اس زمانے کے ہند کا حصہ تھا) اور ہر ذرے پر اسلام کی اور اللہ جل شانہ کے دین کی' اللہ کی حکومت ہو گی۔ اگر کوئی صاحب کشف دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتے ہیں۔ آج میرے ساتھ دیکھو تمہیں کوئی ذرہ نور سے خالی نظر نہیں آئے گا۔ لیکن کچھ اللہ کے بندے ہوں گے جن کے خون سے یہ سارا نور پہنچایا جائے گا' کچھ اللہ کے بندے ہوں گے جن کی جوانیاں اس کو بڑھانے کا سبب بنیں گی۔ کچھ اللہ کے بندے ہوں گے جن کی تحریر و تقریر جن کا جوش و جذبہ ایک ایک ذرے کو روشنیاں تقسیم کرتا چلا جائے گا۔ میں آپ کو مشورہ دے سکتا ہوں کہ ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ یہ موقع روز روز نہیں آئے گا۔

☆ ☆ ☆

باب نہم

متفرقات

یقین و اعتماد

فرمایا: آج ہمارا یہ حال ہے کہ پراگریس کم ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے' کام نہ ہونے کے برابر ہے اور سوالات اتنے ہیں کہ سمیٹے نہیں سمٹتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری زندگی آپ دیکھ جایئے تو بجائے تحقیق و تفتیش کے اس انتظار میں رہتے تھے کہ حضور ﷺ کیا ارشاد فرمائیں گے۔ اب اس کے بعد کیوں اور کیسے کی بحث میں وہ نہیں پڑتے تھے۔ چونکہ یہ جتنے کیوں اور جتنے کیسے' جتنے whys اور جتنے whats لگتے ہیں یہ سارے کم ہمتی اور کمزوری کی دلیل ہوتے ہیں خواہ وہ کمزوری جسمانی ہو یا وہ کمزوری عقیدے اور ایمان کی ہو۔ اسی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ آج میری ڈاک میں ایک خط تھا اور مجھے سلسلہ عالیہ میں چالیس سال سے زائد عرصہ ہو گیا ہے' اللہ کا احسان ہے۔ میں نے اتنے عرصے بعد آج پہلی بار کسی بندے کو یہ لکھا ہے کہ آپ ذکر کرنا چھوڑ دیں اور مجھے خود عجیب سا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے جب ایک بندے کے لئے محنت کی ہے' اسے قائل کیا' اسے ذکر پر لگایا' آخر میں نے یہ کیوں کہہ دیا کہ ذکر کرنا چھوڑ دے۔ اس لئے کہا ہے کہ جب تک آپ کو اعتماد حاصل نہیں یہ کوئی ورزش تو نہیں ہے کہ آپ اس پہ وقت کھپاتے رہیں' کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے کہ اس کے لئے آپ محنت کریں تو آپ کو کوئی شعبدہ حاصل ہو جائے گا۔ اس کی بنیاد اعتماد پر ہے اور اعتماد و یقین کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس کو کہا جائے وہ کرنے کے لئے لپکے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب بھی کوئی برتن بھر جاتا ہے' وہ ازخود بہنے لگتا ہے اور جو چیز اس میں بھری گئی ہے وہی اس سے بہہ کر باہر جاتی

ہے۔ اس میں تیل ہے تو تیل بہے گا' پانی ہے تو پانی بہے گا' دودھ ہے تو دودھ بہے گا' شہد ہے تو شہد بہے گا۔ اگر آدمی کو اطمینان نصیب ہو جائے' اپنے سلسلے پر اور اپنے طریقے پر اعتماد ہو جائے تو وہ جہاں جائے ازخود سلسلے کی' اپنے طریقے کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو روکنا چاہے تو بھی روک نہیں سکتا۔

یقین اور تبلیغ کا باہمی تعلق

فرمایا:۔ لوگ اپنے ووٹ بڑھانے کے لئے کیمپ لگاتے ہیں۔ جماعتیں اپنے ہم نوا بنانے کے لئے محنت کرتی ہیں۔ آپ لوگوں کو اللہ سے آشنا کرنے کے لئے محنت کیجئے۔ مجھے بعض دوستوں کی طرف سے یہ شکایت ملتی ہے' خطوط لکھتے ہیں کہ ہم دوسروں کو بتا نہیں سکتے' جواب آتا ہے بیان نہیں کر سکتے۔ سادہ سی بات عرض کروں جب تک اپنا دل مطمئن نہ ہو جائے' صاف نہ ہو جائے بیان کرنے کی قوت نصیب نہیں ہوتی۔ ہمیشہ اس برتن سے چیز ٹپکتی ہے جو خود بھر جائے۔ جب اس میں مزید آئے گی کوئی روکنا بھی چاہے تو نہیں رکے گی اس سے آگے بہتی چلی جائے گی۔ اور جب خود ہی آدھا ہو تو جو ڈالیں گے اس میں سماتا جائے گا۔ اس سے اگر کچھ نکالنا ہے تو اسے الٹانا پڑے گا' مشقت کرنی پڑے گی' محنت کرنی پڑے گی۔ جب تک اپنا دل مطمئن نہیں ہوتا بیان کرنے کے لئے تکلف کرنا پڑے گا اور جب اپنا دل بھر جائے گا تو اگلے روکیں گے اور آپ کہیں گے یار بات تو سنتا جا۔ تو نہ مان' قبول نہ کر' سنتا تو جا' سننے میں کیا حرج ہے۔ خود کو اس درجے پر لے جائیں اور اللہ آپ کو نصیب کریں۔

صحت عقیدہ

فرمایا:۔ یہ بنیاد ہے کہ عقیدہ کھرا ہو' خالص ہو' سیدھا ہو' اللہ کے ساتھ ہو' اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہو۔ نبیؐ کے ساتھ نبیؐ کی

تعلیمات کے مطابق ہو۔ اپنی طرف سے رسومات ایجاد کر لینا اور کہنا یہ عشق رسول ہے درست نہیں۔ اپنی طرف سے رسومات ایجاد کر لینا اور کہنا کہ اللہ کی محبت میں کر رہے ہیں یہ درست نہیں۔ محبت میں کوئی کرتا ہے یا پیار میں کرتا ہے' کرے گا وہی کچھ جو اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے' سمجھے گا وہی جو اللہ نے سمجھایا ہے' مانے گا اسی طرح جس طرح اللہ نے منوایا ہے عقیدے کی صحت کے ساتھ عمل میں بہت قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ عمل کی قوت ہی عقیدے کی صحت ہے۔ جتنا جتنا صحت مند عقیدہ نصیب ہو گا اتنا اتنا عمل مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔ اور جتنا عمل مضبوط ہوتا ہے اتنا وصول الی اللہ اور قرب الہٰی نصیب ہوتا ہے۔

لیلتہ القدر

فرمایا: اس ایک رات میں جتنی تجلیات قلبی انسان حاصل کر سکتا ہے اس کے علاوہ جتنی دنیا کی عمر ہے' جتنی زمانوں کی عمر ہے اس سارے میں بھی نہیں کر سکتا یعنی مسلسل اس پر تجلیات و برکات متوجہ رہتی ہیں۔ اس میں استعداد بھی ہو اور وہ جمع بھی کرتا رہے تو اتنی فراوانی ان ساری صدیوں میں جمع نہیں ہو سکتی جتنی اس ایک رات میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور اگر اسے الف مہینہ ہی شمار کیا جائے تو پھر بھی ساڑھے تراسی سال بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جو تجلی اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب کلام باری ذات باری سے عطا ہوا باقی سارے زمانوں میں اسے آپ نہیں تلاش کر سکتے۔

یہ الگ بات ہے کہ کس دل کو اس نے کتنا روشن کیا۔ وہ تو دلوں کی استعداد پر تھا۔ پھر اس میں ایک عجیب بات مزید ارشاد فرمائی کہ میری طرف سے جو تجلی رحمت یا تجلی صفات یا کرم وہ تو ہوتی ہے۔ انسان اپنی قلبی استعداد کو ضائع کرتا رہتا ہے سارا سال خطائیں کرتا ہے' غفلت کا شکار رہتا ہے' نافرمانیاں کرتا ہے' غذا صحیح اور صالح نہیں کھاتا اور بے شمار ایسے امور ہیں جو اس کی قبولیت کی استعداد کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا کریم ہے فرمایا میں اس

کا بھی انتظام کئے دیتا ہوں یعنی کوئی میرے دروازے پر طالب بن کر کھڑا ہو جائے اور اس کے دل میں وہ استعداد نہ ہو وہ ضائع کر چکا ہو۔ بہت سے داغ گناہوں کے ہوں' بہت سی کمزوریاں' بہت سی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہو تو گویا نزول ملائکہ استعداد قلبی کو بڑھانے کا ایک قدرتی سبب بن جاتے ہیں یعنی ایک طرف تو تجلیات کی بارش برسا دی اور دوسری طرف ہماری غفلتوں' ہماری کوتاہیوں' ہماری لغزشوں سے جو استعداد قلبی ضائع ہو چکی تھی اس کو مرمت کرنے کے لئے' دل کو شیشہ بنانے کے لئے' دل کو چمکانے کے لئے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ زمین پر پھیل جاؤ اور ہر اس انسان کے دل کو جو میری تجلی کی طلب میں دامن وا کئے کھڑا ہو اس میں استعداد پیدا کر دو کہ وہ خالی نہ جائے اس طرف یہ اہتمام فرمایا اس طرف یہ کرم فرمایا کہ ہر دل تو اس قابل نہیں کہ جب وہ متوجہ الی اللہ ہو گا تو تجلیات کو اخذ کر لے گا۔ اور اس کی برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کو یہ لمحہ نصیب ہو جائے تو اس کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی آ جاتی ہے۔

فرمایا :- میں یہاں تک کہا کرتا ہوں کہ کوئی تجربتاً ہی کچھ دن اسلام کے مطابق بسر کر کے دیکھ لے تو اس کا چھوڑنے کو انشاء اللہ جی نہیں چاہے گا۔ ایمان کے ساتھ اپنا لے تو دو عالم کی دولت حاصل ہو گی۔ اسلام نام ہے بے انتہا مزے سے زندگی بسر کرنے کا' ایک ایسی زندگی' ایک ایسا طرز حیات جس کے اپنانے میں نہ یہاں کھٹکا ہو اور نہ وہاں کھٹکا ہو۔

فرمایا :- اور تصوف کیا ہے؟ تصوف ہے اسلام کی حسین ترین صورت کو اپنانے کے لئے مجاہدہ کرنا' محنت کرنا اور کوشش کرنا۔ تو اس لحاظ سے آپ حضرات کی ذمہ داری عام مسلمان سے بڑھ جاتی ہے۔ جس طرح مسلمان نے تعمیر انسانیت کا وعدہ کیا ہے تو اس کی ذمہ داری غیر مسلم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے کیونکہ غیر مسلم تو پہلے ہی تخریب میں لگا ہوا ہے اور یہ تعمیر کا مدعی ہے۔ تعمیر میں ایک ترتیب' ایک حسن' ایک انداز جو اس تعمیر کو بھی خوبصورتی اور حسن

عطا کر دے وہ ضروری ہوتا ہے اور یہی حسن تعمیر ہے۔ آداب و اخلاقیات' عبادات کے اوقات اور ان کی تمیز' کام کرنے کا ایک وقت اور سلیقہ' ایک انداز اور ہر انداز میں اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہی تعمیر انسانیت کا مینار ہے۔

توفیق عمل

فرمایا :- ایک اصول عرض کرنے کی جسارت ضرور کروں گا اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی بھی شخص ذاتی مصروفیات کو دینی امور پر اولیت دینا شروع کر دے تو اس کے دنیاوی امور الجھ جاتے ہیں اور مصروفیات بڑھ جاتی ہیں یا آپ کہہ لیں بڑھا دی جاتی ہیں۔ اور اگر وہی شخص اولیت یا اہمیت دینی یا بطور خاص سلسلہ عالیہ کی ترویج کے امور کو دے تو دنیاوی کام بحمد اللہ سلجھتے ہیں۔ اور اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اللہ کریم اس کی توفیق ارزاں فرمائیں۔

فرمایا :- اسلام ایک بہت بڑی قربانی کا نام ہے اور اللہ کی ذات و صفات پر ایمان لانے کے بعد انسان کی پسند و ناپسند ختم ہو جاتی ہے اور یہ بھی اپنی پسند سے مقرر نہیں کیا جا سکتا بلکہ ایمان بالرسالت سے مراد ہی یہی ہے کہ تمام امور میں رہنمائی رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی جائے۔

مومن و کافر کا فرق

فرمایا :- مومن ہو یا کافر' ہر شخص اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ساری زندگی محنت و تگ و دو اور کوشش کرتا رہتا ہے۔ پھر یہ کفر اور ایمان کا فرق کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کافر انہی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے اپنے باپ دادا کے ماحول اور معاشرے کی صوابدید پر کرتا ہے۔ اپنے باپ دادا کو دیکھتا ہے' اس میں کچھ اپنی رائے اختیار کرتا ہے' اپنے عقل پر عمل کرتا ہے اور پھر کافر کی ساری محنت کا حاصل محض خواہشات ہوتی ہیں۔ لیکن مومن معاشرہ آباؤ اجداد کی رسومات کو' ان سب کے عقول کو' اپنی

رسول ﷺ ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اگر ہماری نمازوں کا ماحاصل دنیا ہی رہ جائے تو میرے خیال میں اسلام کا مزاج صحیح نہیں۔ اگر ہماری ساری تسبیحات' ہمارے وظیفوں کا ماحاصل دنیا ہی رہ جائے یا جنہیں ہم پیر یا فقیر یا ولی اللہ سمجھتے ہیں ان سے ملنے یا ان کے پاس جانے سے ہمیں دنیا ہی ملتی ہو تو آپ مجھے سمجھائیں کہ ہندومت میں برہمن کا جو منصب ہے' اور عیسائی کے پاس جو پادری کا منصب ہے' یہودی کے پاس اس کے راہب کا جو منصب ہے اگر ہم پیر یا مولوی کو دیتے ہیں اس میں فرق کیا ہے۔

قرب الٰہی

فرمایا:- فرق قرب الٰہی اور عدم قرب الٰہی میں یہ ہوتا ہے کہ جو اطاعت کا راستہ اختیار کرتا ہے اس پر انعامات اور اللہ کی رضامندی ہوتی ہے جو اسے مقرب بارگاہ بنا دیتی ہے۔ اس خوشنودی اور انعام کے ساتھ جو تقرب حاصل ہوتا ہے اسے قرب الٰہی کہا جاتا ہے اور اس کے حصول کا حکم دیا جاتا ہے۔ اصل مراد یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی کیفیت' کوئی ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ آدمی کسی حال میں بھی اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ ایمان کی خاصیت عمل صالح ہے اور عمل صالح سے تقویٰ کی خصوصیت پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ جب ابھرتا ہے تو تیقن اور ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب تقویٰ اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو پھر آدمی درجہ احسان کو پالیتا ہے۔ اب اس کا ہر عمل اپنے اللہ کے روبرو ہو جاتا ہے نہ کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہیں رہتا۔ ہر آن اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے ذکر الٰہی ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے صوفیاء نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جس درخت پر جو پھل لگتا ہے اسی پھل کو اگر بویا جائے تو اللہ کی مہربانی سے یہ سارا درخت اس سے اگ آئے گا۔ دوام ذکر الٰہی کا پھل حاصل کرنے کے لئے بیج بھی ذکر الٰہی ہی ہے اور اس طرح جو پھل حاصل ہو گا اس سے ایمان کامل بھی نصیب ہو جائے گا عمل صالح بھی نصیب ہو جائے گا' درجہ احسان بھی نصیب ہو

حاصل ہو گا اس سے ایمان کامل بھی نصیب ہو جائے گا' عمل صالح بھی نصیب ہو جائے گا' درجہ احسان بھی نصیب ہو جائے گا' انسان کو ہر آن بارگاہ الوہیت کی حضوری حاصل ہو جائے گی۔ یہ ہے آسان سی قرب الٰہی کی تعریف۔

زوال امت کے اسباب

فرمایا :- دور حاضرہ کی بیشمار مصیبتوں کے ساتھ ایک بہت بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ اسلام کی مختلف تعبیروں نے ہمیں پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر شہر کا اسلام الگ ہے' ہر محلے کا اسلام الگ ہے اور اگر محلے میں دو تین مساجد ہیں تو ہر مسجد کا اسلام اپنا ہے۔ جس مسجد میں دو تین مختلف خیال لوگ ہیں' دو تین قسم کے مزاج رکھنے والے لوگ ہیں تو وہاں اسلام کی بھی دو تین قسم کی تعبیریں کی جاتی ہیں اور یوں جتنے افراد ملتے ہیں اتنے ہی ہمیں اسلام بھی مل جاتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں بحیثیت قوم مسلمانوں کی اجتماعی ذلت یا نرم الفاظ میں کم از کم زوال کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہماری درمیان کی تفریق ہی تو ہے۔

فرمایا :- زندگی کے یہ مشاغل پورے کرنے کے بعد' حقوق و فرائض کی ذمہ داریاں پورے کرنے کے بعد' طلب الٰہی میں اپنے پہلوؤں کو بستروں سے جدا کرنا اور اس وقت کو جسے باقی لوگ اپنے حقوق اور فرائض ادا کرنے کے بعد آرام کا وقت کہتے ہیں' اسے یاد الٰہی میں بسر کرنا مجاہدہ ہے۔ اور اس کے لئے شیخ کی صحبت کی ضرورت اس لئے ہے کہ یہ چیز سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی ہے۔ یہ انوارات' یہ روشنیاں' یہ نور' یہ تجلیاں' دلوں سے دلوں کو چلتی ہیں اور دل میں اس نعمت کے آجانے سے تبدیلی بھی آجاتی ہے۔

قوموں کے عروج و زوال

قوموں کے عروج و زوال کی طویل داستانوں کو ایک نکتہ میں سموتے

ہوئے۔

فرمایا:۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ بدکار اور ظلم کرنے والے نے یہ طے کر لیا ہے کہ کوئی طاقت ہماری برائی کو روک نہیں سکتی اور جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ تسبیحات پڑھتے ہیں' چلے لگاتے ہیں' انہوں نے شاید طے کر لیا ہے کہ برائی روکنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ بدکاروں نے طے کر لیا ہے کہ کوئی انہیں روک نہیں سکتا بلکہ اگر کوئی اس قسم کی بات ہو تو وہ ہنستے ہیں' مذاق اڑاتے ہیں کہ دیکھو یہ بے وقوف ابھی تک کیا سوچ رہا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں قدرت کاملہ کے ظہور اور اختیارات الہی کے ابھار اور من جانب اللہ حق کو غالب کرنے والی قوتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

عالمی ظالمانہ نظام کا زوال

فرمایا:۔ میں پیشین گوئی نہیں کرتا۔ آپ نے اتنے عرصے میں بہت کم دیکھا ہو گا کہ میں نے کبھی کسی موضوع پر ایسی بات کی ہو مگر آج اس موضوع پر میں علی الاعلان کہہ رہا ہوں کہ الحمدللہ' ہم چاہیں نہ چاہیں' یہودی غلبہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ انشاء اللہ اب اس کا زوال شروع ہو جائے گا۔ یہ تباہ ہوں گے۔ یہ معاشرہ تباہ ہو گا۔ یہ سسٹم تباہ ہو گا۔ یہودی معیشت تباہ ہو گی۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ ہم میں سے کون اس میں حصہ لیتا ہے اور کون اس سعادت سے محروم رہتا ہے۔ یہ میرے اور آپ کے کرنے سے نہیں ہو گا یہ قانون قدرت سے ہو گا۔

فرمایا:۔ امریکہ کی شکست قریب ہے۔ امریکہ اس طرح سے ٹوٹے گا کہ اس کی کرچیں سنبھالنا مشکل ہو جائیں گی۔ لیکن ہمیں اس کے ٹوٹنے کی خوشی نہیں ہے۔ ہماری کسی کے اجڑنے' کسی کے ٹوٹنے میں کوئی راحت نہیں ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ وہ بھی ٹوٹنے سے بچ جائے اور کہہ دے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ وہ بھی اس نور کو قبول کر لے اور انشاء اللہ وہاں بھی نور اسلام

پھیلے گا لیکن اس کا منبع و مرکز یہی سرزمین ہو گی۔ اور میں یہ بغیر کسی شک و شبہ کے' اللہ کے بھروسے پر' جو آپ کو کہہ رہا ہوں مجھے اس میں کوئی رائی برابر بھی شک نہیں ہے اور جنہیں اللہ نے بصیرت دی ہے وہ چاہیں تو آج میرے ساتھ دیکھ بھی سکتے ہیں۔

فرمایا:۔ اسلام قبول کرنا صرف اسلام نہیں ہوتا' رد کفر اسلام سے پہلے ضروری ہے۔ اسلام کا فلسفہ ہی اپنا ہے۔ دنیا کے جتنے فلسفے ہیں وہ ایجاب سے شروع ہوتے ہیں۔ ہر فلسفہ یہ کہتا ہے کہ مجھے مانو۔ اسلام انکار سے شروع ہوتا ہے' ایجاب سے نہیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ اسلام کی بنیاد انکار پر ہے۔ وہ کہتا ہے لا الہ سب کی نفی کرو جب کوئی بھی نہیں رہے گا تب کہو الا اللہ۔ اللہ ہے کوئی چھوٹا' کوئی بڑا' کوئی چھوٹا' کوئی بڑا' کوئی نہیں اور تم چھوٹا بڑا مان کر ساتھ کہہ دو اللہ بھی ہے یہ اسلام نہیں ہو گا۔

فرمایا:۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے اللہ کو رب ماننے والے کم ہیں۔ کسی کا عہدہ اور ملازمت اس کا رب ہے' کسی کی دکان اور تجارت اس کا رب ہے' کسی کی زمین اور کھیت اس کا رب ہے۔ اس نے ساری امیدیں ان سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ ان سے فرصت ملے تو رب کو بھی سجدہ کر لیتا ہے ورنہ اللہ کی عبادت چھوڑ دیتا ہے اور ان کاموں میں سستی نہیں کرتا۔

حق و باطل

فرمایا:۔ ہر شعبہ زندگی میں رب جلیل نے ایک نظام بنا دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس کائنات کو باقی رکھنا چاہتا ہے تب تک صرف وہ چیزیں باقی رہتی ہیں جو بقائے حیات کا سبب بنتی ہیں اور جتنی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو حیات کو نقصان پہنچانے والی یا اس نظام کے پہیے کی گردش میں رکاوٹ ڈالنے والی ہوتی ہیں وہ وقتی طور پر خواہ کتنی بھی طاقتور نظر آئیں باقی نہیں۔

اسلام کی حقانیت

فرمایا :- یہ صرف اللہ کی قدرت ہے کہ آج اس زمانے سے اسلام کی حقانیت زیادہ ثابت ہے۔ آج کا تو مسلمان بھی اسلام کے خلاف ہے اور اسلام پھر بھی باقی ہے۔ اتنا بڑا حق' اتنی بڑی سچائی اور اتنی بڑی تائید باری کہ آج بھی اسلام پھر باقی ہے۔ اللہ کا نام لینے والے بھی موجود ہیں' اللہ کو سجدہ کرنے والے بھی موجود ہیں اور اللہ کی کتاب من و عن بھی موجود ہے۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت نہیں ہے کہ اسلام واقعی حق ہے اسے مٹایا نہیں جا سکتا اللہ اسے باقی رکھے گا۔

فرمایا :- اسلام ان تین سلامتیوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ایک بھی چھوٹے گی تو وہ باقی دو کو بھی چھوڑ دینے کے برابر ہے۔ قرآن کا دامن چھوٹ جائے تو اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کو ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ دامان نبوت ﷺ چھوٹ جائے تو قرآن کو اور اللہ کو ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ اللہ کی توحید میں دراڑ آ جائے نبی ﷺ کی عظمت یا قرآن یا قرآن کی صداقت ماننے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا۔ یہ تینوں ارکان بنیاد ہیں۔

تصوف و سلوک میں حق و باطل کی آمیزش

فرمایا :- بالکل یہی بات سلوک اور تصوف پہ بھی صادق آتی ہے۔ یہاں بھی بعینہ وہ چند ہدایات جو متقدمین سے چلی آ رہی ہیں وہ فائدہ دیں گی' ہدایت کا سبب بنیں گی' قوت کا سبب بنیں گی اور استقامت کا سبب بنیں گی۔ جہاں اپنے فائدے کی خاطر یا اپنی ذات کی کسی خواہش کی تکمیل کے لئے اس میں کوئی بھی ملاوٹ کرے گا وہ ملاوٹ نہ صرف تباہ ہو گی بلکہ اس شخص کو جس کا مدار' جس کا پاؤں اس ملاوٹ پر کھڑا ہو گا تباہ کر دے گی' یہ قانون فطرت ہے۔

صاحبِ لُب

فرمایا:۔ صانع کائنات اور خالقِ کُل' جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا' اپنی پسند سے اس میں صفات تقسیم کیں' استعداد بخشی' اپنی مرضی سے ان میں ضرورتیں بانٹیں اور انہیں پورا کرنے کا شعور بخشا' اپنی پسند سے اس نے زمین و آسمان بنائے اور ان میں مختلف قسم کی مخلوق کو بسایا۔ اس سارے نظام میں اس نے انسان کو اس سارے نظام کا خلاصہ اور جامع بنا دیا۔ جتنی وسعت اس پوری کائنات میں ہے اس سے کہیں وسیع تر نظام اس نے ایک انسانی جسم میں سمو دیا یعنی ایک کائنات انسان کے اندر اس نے بسا دی۔ اس سارے کے ساتھ انسان کو اس نے خاص شعور عطا فرمایا۔ شعور کے خاص اور عام ہونے میں تھوڑا فرق میں جسے عام کہوں گا اس سے مراد یہ ہے کہ جو فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ساری مخلوق کو عطا ہوا وہ اللہ کریم کی ایک عام عطا ہے مثلاً" زندگی گزارنے کے اسباب' زندہ رہنے کے ذرائع' پیٹ بھرنے کے اسباب' اپنی ضرورتوں کا احساس اور ان کی تکمیل یہ اس نے ساری مخلوق کو عطا کیا ہے۔ انسان میں باقی مخلوق کے علاوہ ایک خاص شعور بھی رکھا ہے جسے لُبّ کہا گیا ہے۔ کسی بھی شے کا اصل خلاصہ یعنی اس میں جو جان ہوتی ہے اسے لُبّ کہتے ہیں۔ تو انسان کا لُب وہ خاص شعور ہے جو اسے اللہ نے بخشا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو ہی نہیں پہنچانتا بلکہ اپنے مقصد تخلیق کو جانتا ہے اور خالق کی ذات اور اس کی صفات کو پہچانتا ہے۔ یہی وہ خاص شعور ہے جس نے اسے باقی مخلوق میں بہت ممتاز کیا ہے۔ جنہیں وہ لُبّ عطا ہوتا ہے جو صاحبِ لُب ہوتے ہیں وہ کوئی حال اور کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے' خالی نہیں جانے دیتے۔ کھڑے ہوں' بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ دوام ذکر انہیں تفکر عطا کر دیتا ہے۔

اطاعت کے نتائج

فرمایا :- جوں جوں آدمی اطاعت حق میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے توں توں دل میں لذت کی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جسے ایمان کی زیادتی سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ کیفیات اس بات کی دلیل ہوتی ہیں کہ ثواب جمع ہو رہا ہے اور اپنے وقت پر ضرور ملے گا۔ لہٰذا یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ میرے اعمال پر ثواب مرتب بھی ہوا ہے یا محض خوش فہمی ہے۔ ثواب ان اعمال پر مرتب ہوتا ہے جن میں خلوص ہو لہٰذا یہ بھی ضرور تجزیہ کرنا چاہئے کہ میرے دل کا حال کیسا ہے۔ اگر ثواب کمایا تو اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو فوراً" خشوع و خضوع کے ساتھ دعا اور اللہ کو مسلسل یاد کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ چاہے تو آنِ واحد میں تلافی مافات بھی ہو سکتی ہے اور ترقی درجات بھی۔

فرمایا :- اسلام کو اس طرح نہ سمجھا جائے کہ نرا گوشہ نشینی اسلام ہے یا محض تسبیحات کا پڑھنا اسلام ہے یا صرف تبلیغ کرنا اسلام ہے یا صرف ذکر و اذکار اسلام ہے۔ اسلام نام ہے عبادات کے وقت عبادت میں حاضر ہونے کا' کام کے وقت دوسروں سے زیادہ جم کر کام کرنے کا اور ساری محنت کرنے کے بعد اپنا بھروسہ اللہ پر رکھنے کا یعنی توقعات اس کی ذات سے وابستہ کرنے کا۔ تو اسلام ایک بھرپور زندگی کا نام ہے جو ہر پہلو پر محیط ہو اور اس کے ہر پہلو سے عظمت باری کا پتہ چلتا ہو۔

اطاعت و عبادت کا فرق

فرمایا :- خداوند عالم نے دو اختیار اپنی طرف سے انسان کو بخشے ہیں۔ اول زندہ رہنے کا حق اور دوسرا مذہب و عقیدہ اختیار کرنے کا۔ امور تکوینی میں سب انسان بھی مکمل اطاعت کرتے ہیں جیسے اجرام سماوی' اور سورج یا زمین کی مخلوق' سبزے سے لے کر درختوں تک اور ذرات سے پہاڑ تک ہر شے ہمہ

وقت اطاعت پر کمر بستہ ہے۔ پس انسان بھی باقی مخلوق کے ساتھ پیدا ہونے' مرنے' صحت و بیماری' امارت و غربت غرض ہر طرح کے امور تکوینیہ میں مکمل اطاعت کرتا ہے۔ لیکن چونکہ حصول معرفت کی خاص استعداد سے نوازا گیا لہذا اسے عبادت کرنے میں اختیار عطا کر دیا۔ عبادت اور اطاعت میں ایک لطیف فرق ہے۔ ہر عبادت اطاعت ہوتی ہے مگر ہر اطاعت عبادت نہیں کہ عبادت کے لئے معرفت شرط ہے۔ کسی کی عظمت سے آشنا ہو کر اپنے امور اس سے متعلق کر دینا عبادت ہے یعنی اپنے نفع کو حاصل کرنے کے لئے اور دفع شر کے لئے بھی کسی چوکھٹ پر جھک جانا عبادت ہے۔ اس معنی سے جس ہستی کی اطاعت کی جائے گی اس کی عبادت قرار پائے گی مگر جو شعور اللہ نے انسان کو اپنی معرفت حاصل کرنے کا بخشا ہے اس کے ذریعے اپنی حیثیت کے مطابق اس کی معرفت کو پا لے اور پھر اس کا دل' اس کا ضمیر' یہ فیصلہ صادر کرے کہ مجھے اس عظیم بارگاہ میں سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ پھر اس کا ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت کے لئے کرے گا عبادت قرار پائے گا۔ ورنہ سجدے محض ضابطے کی کارروائی شمار ہوں گے۔ چونکہ ضمیر اور دل کا فیصلہ تھا اس لئے مسلط نہیں کیا گیا۔ نہ اللہ نے خود مسلط فرمایا ہے اور نہ کسی دوسرے کو مسلط کرنے کی اجازت بخشی ہے۔

فرمایا :- تو اللہ کریم جس طرح غیر محسوس طریقے سے جڑ سے لے کر پتے تک غذا کو پہنچا دیتا ہے' جس طرح غیر محسوس طریقے سے سمندر سے پانی اٹھا کر ایک ایک دیرانے تک اسے پہنچا دیتا ہے اسی طرح برکات نبوی ﷺ کو بھی زمین کے گوشے گوشے میں پھیلا رہا ہے اور یہ انسانی قلوب کے ذریعے پھیل رہی ہیں۔

تحائف

فرمایا :- سب سے پہلے تو میں اپنی بات عرض کروں کہ کوئی ساتھی مجھے تحفہ دینے کی بجائے وہ رقم دارالعرفان کے فنڈ میں دے تو میں بھی بہت خوش

ہوں گا۔ اللہ کریم بھی راضی ہوں گے اور وہ رقم زیادہ مفید مقصد پر خرچ ہو سکے گی۔ میرے لئے اشیاء خرید کر لانے کی بجائے اسی رقم کو خواہ وہ تھوڑی ہو دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرایئے اور ضرور کرائیں کہ دین و دنیا میں اس کا فائدہ زیادہ ہے۔ اب دوسرا نمبر صاحب مجاز حضرات کا ہے' تو بندہ کی طرف سے کسی صاحب مجاز کو تحفے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ احباب کو بھی چاہئے کہ جو لوگ دینی کام کر رہے ہیں ان کا اجر اور ان کی عادات دونوں کو خراب نہ کریں۔ اللہ کریم کی برکات ناجائز ذرائع استعمال کر کے حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ نیز جو ایسا کرے گا انشاء اللہ اسے مزید ترقی منازل بھی نصیب نہ ہو گی خواہ صاحب مجاز ساتھی ہو یا عام ساتھی لہٰذا آئندہ سے تحفوں کی سب رقم دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائی جائے۔

رزق کریم

فرمایا :- رزق کریم سے مراد یہ نہیں ہوتا کہ کسی کا بنک بھرا ہوا ہو' کسی کے گھر میں بوریاں بھری ہوئی ہوں' اس کے گھر میں منوں چینی پڑی ہو اور وہ کھا نہ سکتا ہو۔ اس کے پاس کروڑوں روپے پڑے ہوں اور اسے کھانا نصیب نہ ہو۔ اسے پہننا نصیب نہ ہو۔ رزق کریم سے وہ دانہ گندم مراد ہے جس سے کھانے والے کا پیٹ تو نہ بھرے لیکن اس کے چہرے پر ندامت کا اثر پیدا نہ ہو۔ جسے بیشک ایک وقت کا فاقہ رہ جائے لیکن اسے شرمندگی اور ذلت نہ ہو۔ جس کے کھا لینے کے پیچھے کسی کا خوف سوار نہ ہو۔ جس کے افشاء کے ڈر سے شرمندگی آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ رزق کریم سے وہ رزق مراد ہے جو نصیب ہو تو دل کو سکون ہو' قلب پریشان نہ ہو۔

دارالعرفان میں قیام

فرمایا :- اگر کوئی شخص ایک چلہ مختص کر لے تو بفضل اللہ بہت زیادہ کام

ہو سکتا ہے۔ اگر چلہ نہ بھی ہو تو جتنا زیادہ سے زیادہ وقت لگایا جا سکے اتنا لگانا چاہیئے اور پھر یہاں دارالعرفان میں آپ جتنا وقت بھی رہیں آپ بالکل اسی طرح رہیں جس طرح کوئی معتکف مسجد میں رہتا ہے۔ ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نہ جائیں' ضرورت کے علاوہ کسی سے بات نہ کریں' کسی طرف فضول دیکھیں نہیں' فضول کھانے پینے کی کوشش نہ کریں۔ جو کچھ دال روٹی ملتی ہے اسی پہ قناعت کریں۔ پیٹ کو بھی شاکر بنائیں اور پھر زیادہ زور زیادہ توجہ اس مقصد کے حصول پہ مرتکز رکھیں جس کے لئے آپ نے یہ وقت نکالا ہے' یہ سفر اور یہ ساری کوفت برداشت کی ہے۔ اگر ان ساری احتیاطوں کے ساتھ ہفتہ بھر بھی کسی کو نصیب ہو گیا انشاء اللہ بہت کچھ کام ہو سکے گا' بہت کچھ تعمیر و ترقی ہو سکے گی۔

فرمایا:- جب بھی کوئی جماعت بڑھتی ہے گو اس کی بنیاد کتنے خلوص سے رکھی جائے اس میں دنیادار ضرور شامل ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں جب مسلمان ایک طاقت بن کر ابھرے تو چند منافقین بھی دنیا حاصل کرنے کو ساتھ ہو گئے جن کا وجود مکی زندگی میں نہ تھا۔ لہٰذا اب جماعت اور سلسلہ محض مخلصین پہ مشتمل نہ رہا بلکہ چند لوگ اب دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے بھی شامل ہو گئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ مخلصین کے ساتھ منافقین کا گروہ بھی بڑھتا رہے گا۔ اللہ کریم ایسے لوگوں کو بھی ہدایت دے اور سلسلہ عالیہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔ سب سے زیادہ نقصان ایسے لوگ سادہ لوح مخلصین کو پہنچاتے ہیں اور انہیں ادارہ کے کارکنوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ کارکن ان کی من مانیوں کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور حد یہ ہے کہ نہ صرف کارکنوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں بلکہ ان کی زہریلی باتوں کا اصل ہدف تو بندہ کی ذات ہوتی ہے جس پر براہ راست حملہ کرنے کی جرأت نہ رکھتے ہوئے مختلف حوالوں سے بات کرتے ہیں۔ اس فن میں جو شخص شیخ ہی سے بدظن ہو گیا وہ کچھ حاصل

نہیں کر سکتا۔ یہی منافقین کا مقصد بھی ہوتا ہے۔ ان سب امور کے پیش نظر یہاں کا طور طریقہ سب احباب تک پہنچانا مقصود ہے تاکہ دنیاداروں اور منافقین کے شر سے مخلصین کو بچانے کا باعث بن سکے۔

(الف) سب سے پہلے بات جو ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ طالب مہمان نہیں ہوتا بلکہ اپنے کام کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا احباب یہ خیال دل سے نکال دیں کہ وہ کسی کے مہمان ہیں اور ان کی بہت زیادہ آؤ بھگت ہونی چاہئے' ہرگز نہیں۔

(ب) لنگر میں پرہیز کی ضرورت نہیں جو پکا ہو سب کھائیں۔ انشاء اللہ کبھی تکلیف نہ ہوگی۔ مگر نہ کسی کے لئے کچھ خصوصاً" پکے گا اور نہ کسی کو گھر سے کھانا لانے کی یا مقامی اساتذہ کے گھروں سے فرمائش کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں آپ مجاہدہ کرنے آتے ہیں پکنک منانے نہیں آتے۔

(ج) جو احباب اجتماعات میں شرکت کے لئے آتے ہیں یا الگ سے ذکر کے لئے آتے ہیں انہیں یہاں معتکف کی طرح رہنا چاہئے۔ ذکر کریں' تلاوت کریں' تسبیحات پڑھیں اور بلاضرورت مسجد سے باہر نہ جائیں۔ اگر کسی نے یہاں کے لوگوں سے یا مقامی احباب سے دوستی کرنی ہے تو اسے ذکر کے پروگرام سے الگ رکھے۔ اپنے دوست کے پاس ضرور آئے' اسی کے پاس ٹھہرے اور مہمانی بھی کھائے' سیر بھی کرے ہاں وہاں سے صبح و شام ذکر میں آ سکتا ہے اجازت ہے۔ مگر ذکر کے لئے آکر' ادارہ میں رہ کر' باہر کہیں ملنے ملانے نہیں جا سکتا۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔

حاصل مطالعہ

فرمایا:۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سلاسل تصوف روحانی تربیت کے لئے ہوتے ہیں۔ ظاہری تعلیم کے لئے مدارس ہیں۔ علماء حضرات بڑے زور و شور سے کام کر

رہے ہیں۔ سلاسل تصوف کا موضوع قلب ہوتا ہے' روح ہوتا ہے اور روحانی تربیت ہوتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تو سیدھا سیدھا ذکر ہوتا تھا اور یہاں کا اگر کوئی وقت تھا تو وہ بھی ذکر کے لئے تھا۔ کسی پروگرام میں' کبھی کبھی' جب کچھ نئے دوست ہوتے تھے تو مجھے فرمادیتے تھے میں بیان کرتا تھا وہ بھی اس طرح کہ ان لوگوں کو کچھ اپنے مقصد سے یا اپنی تربیت کی ضرورت سے آگاہی ہو لیکن اتنے لمبے تعلیمی پروگراموں کا موقع نہیں ہوتا تھا سب سے بڑی بات کہ کم از کم اتنے مطالعہ کی عادت تو ڈالیں کہ مہینے میں چالیس پچاس صفحات کا المرشد پڑھ لیں اور اگر اتنا بھی نہیں کر سکتے تو پھر ان کے لئے لیکچروں کی فرصت کہاں۔ جو شخص اتنا بھی نہیں کر سکتا میرے خیال میں وہ جاننا نہیں چاہتا۔ پھر ادارے کی جو تصنیفات اس موضوع پر ہیں وہ پڑھیں اور اگر نہیں پڑھنا چاہتے تو زبانی سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کم از کم لطائف تو کرتے ہیں کرتے رہیں لیکن ایک بات میں بتا دوں کہ جب بھی لطائف راسخ ہوتے ہیں تو ان چیزوں کو جاننے کی ضرورت مزاج میں پیدا ہو جاتی ہے' ان کو جانے بغیر گزارا نہیں رہتا۔

فرمایا:۔ مجھے شکایت یہ رہتی ہے کہ ایک تو ہم المرشد کو بالکل اشتہارات سے اس لئے بچاتے ہیں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ مضامین ہمارے موضوع کے متعلق آئیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ساری جدوجہد کے باوجود المرشد اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور اس کی مالی معاونت کرنی پڑتی ہے۔ اکثر یہ ہے کہ ساتھی عقیدت کے لحاظ سے خریدتے تو ہیں لیکن اسے پڑھتے نہیں حالانکہ المرشد ایسا کتابچہ ہے کہ یہ پرانا نہیں ہوتا۔ اس میں وہ موضوع زیر بحث نہیں لائے جاتے جو وقتی یا لحاتی ہوں جو زمانہ بدلنے کے ساتھ بدل جائیں۔ بلکہ یہ نیا ہو یا پرانا اس کی ساری معلومات ہمیشہ ترو تازہ رہتی ہیں کیونکہ یہ سارا موضوع اسی کے متعلق ہے جس میں کوئی فرسودگی یا پرانا پن نہیں آتا۔

☆ ☆ ☆